واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۴۱﴾

''یہ (اہل ایمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار سے نوازیں تو صلوٰۃ قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور سارے امور کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔ (الحج:۴۱)

تصحیح نامہ

صفحہ	کالم	سطر	تبدیلی
۴۵	۱	اوپر سے انیسویں	''اے'' زائد ہے، اسے حذف کر دیں
۴۷	۱	نیچے سے گیارہویں	''نبیا'' کو ''نبی ﷺ'' پڑھیں
۴۹	۱	اوپر سے آٹھویں	''ازین'' کو ''ازیں'' پڑھیں
۵۴	۱	نیچے سے بارہویں	''خاموش'' کو ''خاموشی'' پڑھیں
۵۵	۲	نیچے سے گیارہویں	''امت'' کے بعد ''میں'' بڑھا دیں
۵۸	۱	نیچے سے پانچویں	''غیر'' کے بعد ''کی'' حذف کر دیں
۵۸	۲	اوپر سے ساتویں	''صاحب'' کے بعد ''نے'' حذف کر دیں
۶۳	۲	اوپر سے چھٹی	''ﷺ'' کو ''علیہ السلام'' پڑھیں
۶۴	۱	اوپر سے چودھویں	''زرین'' کو ''زریں'' پڑھیں۔
۶۶	۱	نیچے سے سولھویں	''پجاریوں'' سے پہلے ''کے'' بڑھا دیں
۶۸	۲	اوپر سے دسویں	''کمارنے'' کو ''کمانے'' پڑھیں
۷۳	۲	اوپر سے چودھویں	''فتنوں'' سے پہلے ''سے'' بڑھا دیں
۷۵	۱	اوپر سے انیسویں	''واحد'' کو ''فردِ واحد'' پڑھیں
۷۵	۲	اوپر سے سولھویں	''ہیں'' کو حذف کر دیں
۷۵	۲	نیچے سے گیارہویں	''کچھ'' کے بعد ''ہے'' بڑھا دیں
۷۷	۱	نیچے سے تیسری	''ہے'' کو ''ہوں'' پڑھیں
۷۹	۲	اوپر سے تیسری	''قل'' سے پہلے ایک کاما بڑھا دیں

تصحیح نامہ

صفحہ	کالم	سطر	تبدیلی
۵		اوپر سے چھٹی	''مبابلہ'' کو ''مباہلہ'' پڑھیں
۶	۲	نیچے سے آٹھویں	''ے'' کو ''سے'' پڑھیں
۷	۱	اوپر سے چھٹی	''ڈگمگائیں'' کو ''ڈگمگا جائیں'' پڑھیں
۹	۱	اوپر سے پانچویں	''خوشی'' کے بعد ''سے'' بڑھا دیں
۹	۱	دسویں	''ناگزیر ہے'' کے بعد نشان ''۔'' لگا کر جملہ مکمل سمجھیں
۹	۱	اوپر سے پندرہویں	''تواضح'' کو ''تواضع'' پڑھیں
۱۱	۱	نیچے سے دسویں	لفظ ''کہ'' اور اس کے بعد واوین حذف کر دیں
۱۱	۱	نیچے سے بارہویں	''وقعہ'' کو ''واقعہ'' پڑھیں
۱۲	۲	اوپر سے پانچویں	''بنیاد'' کے بعد لفظ ''پر'' بڑھا دیں
۱۲		بلاک کی پہلی سطر	''مٰلِك'' کو ''مٰلِكَ'' پڑھیں
۲۱	۱	نیچے سے تیسری	''افسوس کے'' کو ''افسوس کہ'' پڑھیں
۲۳	۲	اوپر سے نویں	''تسلی'' کو ''تسلی'' پڑھیں
۳۴	۲	اوپر سے پانچویں	''ہونے'' کے بعد ''کے'' بڑھا دیں
۴۰	۲	اوپر سے بارہویں	''لللہ'' کو ''اللہ'' پڑھیں
۴۲	۱	آخری	''جائے'' کو ''جائیں'' پڑھیں
۴۲	۲	نیچے سے سترہویں	''دوسری'' کو ''دوسرے'' پڑھیں

الہامی ادب

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ○ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ○

"اے مومنو! تم میں سے جو مرتد ہو جائے گا تو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو اسے پسند ہوں اور جنہیں وہ پسند ہو؛ اور جو مومنوں پر بہت نرم ہوں اور کفار پر سخت ہوں؛ جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہ ہوں۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو وہ اسے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، علم والا ہے۔ (مومنو!) تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والے ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (اللہ کے آگے) جھکنے والے ہیں۔

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کو دوست رکھے گا تو (وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہوگا اور) اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے" (سورۃ المائدۃ: ۵۴، ۵۵، ۵۶)

مجلہ ۲۴- دسمبر ۲۰۰۷ء
۱۴۲۸ھ ذی الحجہ

حبل اللہ

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ھے

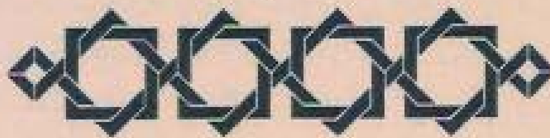
مجلہ حبل اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے، اس کے سوا اس کا دوسرا کوئی پتہ نہیں

مقام اشاعت

مرکزی دفتر- مسجدِ توحید
آر- جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۲۸۰۲۸،
کیماڑی - کراچی

اس شمارے میں

ترتیب



www.therealislam.net
www.emanekhalis.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیثِ دل

اس ملک کو بنے ہوئے ساٹھ سال ہو رہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ قوم آزادی کی گولڈن جوبلی منا کر سکی اور جوبلی منانے کے منصوبوں میں ہے۔ مگر یہ آزادی ہے کن معنوں میں؟ اس نے تو مادر پدر آزاد ہو کر مغربی ولادینی استعمار کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے! یہ آزادی صرف کہنے کی حد تک ہے ورنہ ان کے قلب و ذہن، انداز فکر، سوچ و اطوار .... سب پر آج بھی غلامی کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے۔ غیر ملکی آقاؤں کی مرعوبیت کے اثر سے ان کی جان دو نسلوں کے بعد بھی نہیں چھوٹ سکی بلکہ آنے والی نسلیں بھی اس کے چنگل سے شاید نہ نکل سکیں کیونکہ گزرتے حالات یہی نوید سنا رہے ہیں۔ سورۂ نوح کی آخری آیات کے مطابق نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی روش کو دیکھتے ہوئے اللہ سے یہی دعا کی تھی کہ اے رب! ان کافروں میں سے کسی کو نہ چھوڑ، اگر تو نے ان کو چھوڑا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی اسی طرح فاجر اور کافر ہو گی۔

ایک آزاد وطن کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد پر نظر ڈالی جائے تو دل میں ایک ہوک سی اٹھ کر رہ جاتی ہے۔ کہاں تو دو قومی نظریے کی بنیاد پر ایک آزاد خطے کا مطالبہ اس لیے کیا جا رہا تھا تاکہ اپنے منفرد مذہب، تہذیب و ثقافت، روایات و رسومات، سوچ و فکر، معاشرتی اقدار کی حفاظت کی جا سکے اور اپنی مذہبی تعلیمات اور اصول کے مطابق زندگی بسر کی جا سکے ...... اور کہاں یہ سب باتیں فرسودہ ہو گئیں اور انہیں تنگ نظری، کوتاہ بینی، تاریک خیالی، ناعاقبت اندیشی، دقیانوسیت وغیرہ جیسے نام دیے جانے لگے! کہاں تو برصغیر کی فضائیں پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ کے نعروں سے گونج رہی تھیں اور کہاں یہ کہ یا علی مدد، یا غوث مدد وغیرہ کی پکاریں بلند ہوتی ہیں! ان کے علامہ نے الٰہ آباد کے تاریخی خطبے میں دعویٰ کیا تھا کہ

"ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہبی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی، معاشی اختلافات اس قدر بنیادی ہیں کہ یہ کبھی دور نہیں ہو سکتے ...."

اور اس کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے قائد فرماتے تھے کہ

"ہندو اور مسلم اپنی تہذیب و ثقافت، زبان و ادب، علوم و فنون، اسماء و القاب، قیم اقدار، قوانین و اصول قوانین، معاشرتی و اخلاقی ضوابط، روایات و رسومات، تاریخ، کیلنڈر، رویے و رجحان، عزائم و میلان، تصور زندگی و مقصد حیات، سب میں بنیادی طور پر مختلف ہیں بلکہ کئی لحاظ سے تو یکسر متضاد ہیں"

مگر کہاں، یہ سب باتیں تو زبان کا پھاگ بن کر رہ گئیں اور اصل جس انقلابی کلمے کی بنیاد پر ملک طلب کیا گیا اور جس شرط پر دیا گیا، اس کے معنی اور مفہوم کو نہ رہنماؤں نے سمجھا اور نہ عوام ہی کو بتایا اور سمجھایا گیا۔ ایمان والوں کی صفات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا کہ

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں ملک دیں تو یہ صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں ......"

اس کلمے پر ایمان کا تو یہ تقاضا تھا کہ اللہ کو اکیلا معبود، اکیلا داتا، مشکل کشا، غوث اور فریاد رس مانا جاتا اور دوسرے بناوٹی معبودوں کا قطعاً انکار کر دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور یہ کلمہ محض ایک سیاسی نعرہ بن کر زبانی دعووں میں گم ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ ان زبانی دعووں کو جھٹلانے کا پہلا موقع ان کلمہ پڑھنے والوں، پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ گردانے والوں نے اپنے کرتوت سے ان ہندوؤں کو فراہم کر دیا جن کی زمین پر ہی یہ نیا ملک معرض وجود میں لایا گیا۔ اجمیر کے سالانہ عرس میں معین الدین چشتی کے مزار پر ہونے والی حرکات کا پنڈت نہرو مشاہدہ کرتا ہے اور بیان دیتا ہے کہ آج سے پہلے تو مجھے شک تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کبھی ممکن ہو لیکن اب یقین ہو گیا کیونکہ ہم میں اور ان میں صرف ناموں کا فرق ہے ورنہ حقیقت ایک ہی ہے۔ (مقدمہ کتاب الوسیلہ از عبدالرزاق ملیح آبادی)

یعنی دو قومی نظریہ غلط تھا کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں: .... ہندو جو کچھ کھڑے پتھر کے سامنے کرتا ہے، وہی سب کچھ یہ نام نہاد مسلمان اس پڑے پتھر کے آگے کر رہے ہیں .... وہ مورتی کو پرنام کرتا ہے، یہ بابا کو سلام، وہ ڈنڈوت کرتا ہے، یہ سجدہ تعظیمی؛ وہ پھیرے لگاتا ہے، یہ طواف؛ وہ بھجن گاتا ہے، یہ قوالی؛ وہ مورتی پوجا کا پرشاد لاتا ہے، یہ بابا کے مزار کا تبرک! .... اور پھر اسی پنڈت کی پوتی اندرا کو بھی اس نظریے کو جھٹلانے اور اس کو انجام تک پہنچانے کا موقع مل گیا جب بیانوے ہزار فوجیوں نے ذلت کے ساتھ ہندوؤں کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور ہندوستان کی جیلوں میں ٹھونس دیے گئے۔* اور یہ وہ فوج تھی جس کا نصب العین "شہادت" قرار دیا جاتا ہے! اس نے مشرقی پاکستان تھالی میں رکھ کر ہندو بنیوں کو پیش کر دیا گویا کہ اس نظریے کی جڑ ہی کاٹ دی گئی جس کو ان کے اسلاف نے اپنے خون جگر سے پروان چڑھایا تھا۔ اس طرح وہ ساری قربانیاں رائیگاں گئیں جو اس آزاد وطن کے حصول کے لیے دی گئیں، جن کو پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے: گاؤں کے گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے ...... ہزاروں لاکھوں کلمہ پڑھنے والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا گیا جن کے بریدہ اعضاء کو کتے بھنبھوڑتے پھرتے ...... دودھ پیتے بچوں کو فضا میں اچھال کر بھالوں پر لے لیا گیا ...... وہ شریف زادیاں جن کے ناخن بھی نامحرم آنکھ سے چھپے ہوئے تھے، ان کے برہنہ جلوس نکالے گئے، انہیں اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھایا گیا، انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کی اولاد کو جنا ...... اور کتنوں نے اپنے ناموس کو بچانے کے لیے کنوؤں میں چھلانگ لگا کر جان دی، پوری پوری ٹرینیں ذبح کر دی گئیں جو لاشوں سے پٹی ہوئی اپنی منزل تک پہنچتیں، روتے بلکتے عزیز کٹے پھٹے اعضاء میں اپنے رشتے داروں کو ڈھونڈتے پھرتے ...... زندہ بچ کر آ جانے والے خوش قسمت بھی اپنے عزیزوں کو تلاش کرتے پھرتے ...... ہجرت کر کے آنے والے لٹے پٹے قافلے کیسے کیسے جاں گسل مراحل سے گزر کر صرف "آزاد" وطن کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تہی دست و داماں چلے آتے تھے ......

مگر افسوس! یہ سب کچھ بہت جلد بھلا دیا گیا۔ کچھ بھی یاد نہ رکھا گیا۔ یاد رہا تو بس یہ کہ اب آزاد ہیں اور جشن آزادی ہے، کوئی روک ٹوک نہیں، جو چاہے کریں۔ اب آزادی کا جشن انہی ہندوؤں اور سکھوں جنہوں نے یہ مظالم ڈھائے، کے گانوں باجوں پر ناچ منگا کر کے کیا جاتا ہے اور آزادی کی یاد منانے کے لیے رقص و سرود کی محفلیں گرمائی جاتی ہیں، اور اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہوائی فائرنگ اور پٹاخوں کے شور میں دبا دیا جاتا ہے۔ اے کاش کہ یہ سب کچھ نہ کیا جاتا! اے کاش کہ عرسوں پر

* اس موقعے پر اس نے بیان دیا تھا کہ آج ہم نے دو قومی نظریہ [illegible]

جانے والے قافلے وہ ہجوم یاد کر لیتے جو ہاتھوں میں بلم اور کرپانیں لے کر کلمہ پڑھنے والوں کی بستیوں پر یلغار کرتے تھے...... حق ، باہو حق کی پکاریں لگانے والے ان غولوں کی بے بے کار یاد کر لیتے...... مقبروں مزاروں پر چراغاں کرنے والے وہ شعلے یاد کر لیتے جو ان کلمہ پڑھنے والوں کی بستیوں کو بھسم اور انہیں زندہ جلا کر خاک کر رہے تھے...... بابا کی ''آرام گاہ'' پر چادروں کا انبار لگانے والے اپنی بہن بیٹی کے سر سے چھن جانے والی چادر اور اپنی عزت کے تار تار پیرہن کو یاد کر لیتے...... یہاں دھمال ڈالنے، مستی میں جھومنے والے، اُن بدمستوں کی اس شیطانیت کو تو یاد کر لیتے کہ ان کی عزتوں کو برہنہ سر بازار نچایا گیا...... تو...... تو...... وہ قومی نظریہ سلامت رہتا ...... اپنے علماء اور قائد کا فرمان یاد رکھتے...... بلکہ ان سب سے قطع نظر اور بالاتر اپنے مالک کا ارشاد اور اپنے نبی کی تعلیم کا ہی کچھ لحاظ رکھتے...... تو...... ان گائے کے پجاریوں کو یوں منہ پر تھوکنے کا موقع نہ ملتا، یوں رسوائی اور جگ ہنسائی نہ ہوتی، یوں ذلت ونکبت، مسکنت ومحتاجی ان پر نہ تھوپی جاتی!

مگر افسوس! ان حالات سے سبق نہ سیکھا گیا اور حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اب یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ دشمن جس سے اللہ نے اپنی کتاب میں خبردار کیا تھا کہ

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (المائدة:۵۱)

''یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ (تمہارے نہیں) ایک دوسرے کے دوست ہیں''

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران:۲۸)

''ایمان والوں کے سوا کافروں کو مومن دوست نہ بنائیں''

لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا (آل عمران:۱۱۸)

''اپنے سوا دوسروں کو رازداں نہ بناؤ، جو تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے''

وہ ان پر مکڑی کے جالے کی طرح مکمل طور سے حاوی ہو گیا ہے: ان کی معیشت، ان کی حکومت پوری طرح سے اُن کے قابو میں ہے: ان کی پالیسیاں اُن کی مرضی ومنشاء کے مطابق وضع کی جاتی ہیں: تعلیم وتجارت، صنعت وحرفت، ہر ایک میدان میں اُن کی خوشنودی کو مدنظر رکھا جاتا ہے...... اور یہ صرف اسی ملک کا رونا نہیں جسے ''اسلام کا قلعہ'' گردانا جاتا ہے (ورنہ حقیقت میں تو یہ اسلام کا مذبح خانہ بنا دیا گیا ہے) اور واحد ایٹمی ''اسلامی طاقت'' کہا جاتا ہے، بلکہ یہ رسوا کن صورتحال تو بحیثیت مجموعی پورے ''عالم اسلام'' کی ہے۔ ان کے پاس کیا نہیں ہے؟ سبھی کچھ ہے بس ایک ایمان خالص نہیں ہے جس کی بنیاد تو وہ انقلابی کلمہ ہے جس کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا گیا مگر جس کے مفہوم ہی سے اس قوم کو ناآشنا رکھا گیا! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرح کے زرعی، صنعتی، معدنی ذرائع و وسائل سے مالا مال ہیں: ایٹمی توانائی بلکہ ایٹم بم تک ان کے پاس موجود ہے...... لیکن بزدل ایسے کہ دشمن کی ناراضگی سے ان کے دل دہل جائیں: ہر وقت معذرت خواہانہ انداز اپنائے ان کے آگے دست بستہ رہتے ہیں...... ڈرپوک ایسے کہ دشمن ان کے اپنے گھر میں آکر انہیں مار کر چلا جاتا ہے اور یہ اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتے...... ہر ظلم سہہ جاتے ہیں مگر اس کے خلاف آواز اٹھانے کا ان میں یارا نہیں...... بوسنیا میں سربوں کے ناگفتہ مظالم کی ایک خونی داستان رقم کر دی گئی مگر یہ شور بھی نہ کر سکے...... کشمیر وفلسطین میں ان یہود وہنود کے جور وستم، خونریزی وآبروریزی کے لامتناہی سلسلے کو نصف صدی سے زیادہ گزر چکی ہے اور اب عراق اللہ کے ساتھ دوسرے مشکل کشا اور غوث الاعظم کے پرستاروں کی ذلت ورسوائی کا مرکز بنا ہوا ہے! یہ شیطانی کھیل افغانستان اور ''اسلامی دنیا'' کے دیگر علاقوں میں بھی عرصے سے جاری ہے...... ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ وہ اگر ان کے کسی آدمی پر کوئی الزام لگا کر اسے طلب کریں تو ملک کا کونہ کونہ چھان کر آتش وآہن کے بے دریغ استعمال کے ذریعے اسے بازیاب کر لیتے ہیں اور ان کے سامنے بصد ادب پیش کر کے اگلے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور ان زبردستی کے قرار دیے گئے مجرموں کی وہ غیر انسانی وبہیمانہ سلوک کر کے جان لے لیں تو ایک حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے...... مگر اس کے برعکس ان کا کوئی باغی اُن کی گود میں جا کر بیٹھ جائے اور وہاں سے ان کے نبی تک کی توہین کرتا رہے تو بھی یہ اُن کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتے بلکہ اگر کوئی چوہڑا بھنگی بھی ان کے اپنے ملک میں توہین رسالت کا شنیع فعل کرے، تو ان کے اشارے پر یہ ''انصاف'' فراہم کرتے ہوئے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ اپنے خرچ پر اُن کے پاس پہنچا دیتے ہیں ...... وہ لوگ ان کے نبی کی تضحیک وتحقیر کریں، بار بار کریں، پورے دھڑلے سے کریں، یہ اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے! وہ ان کو مزید ذلیل کرنے کے لیے توہین رسالت کے مرتکب ملعون کو اعلیٰ ترین خطاب سے نوازیں، شاہی تقریبات میں مدعو کریں، یہ صدائے احتجاج بھی نہیں بلند کر سکتے بلکہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے ان کے علماء اور سیاسی رہنما اسی ملک، جس کی شہریت لے کر یہ فخر محسوس کرتے ہیں، میں بیٹھ کر انہی ایام میں کانفرنسیں تو کرتے ہیں لیکن اس ملعون کے خلاف کوئی قرارداد تک پاس نہیں کرتے۔ ان میں اتنی بھی غیرت باقی نہیں رہی کہ کم از کم ان سے قطع تعلق ہی کر لیں، ان کی مصنوعات کا ہی بائیکاٹ کر دیں...... مگر کریں بھی تو کیسے کریں کہ یہ حمیت تو ایمان خالص کے ساتھ منسلک ہے اور ایمان تو ملاوٹی ہو گیا ہے، اس میں شرک آ گیا ہے، اس میں اللہ کا نہیں، غیر اللہ کا وقار ہے، غیر اللہ کی قدر ومنزلت ہے، اس کی خوشنودی ورضا مطلوب ہے، یہاں فرقے ومسلک ہیں، تنظیمیں اور تحریکیں ہیں، گروہ اور جماعتیں ہیں، جلسے جلوس ہیں، محفلیں مجلسیں ہیں...... لیکن عقائد ہندوؤں سے بدتر، اعمال یہودیوں سے گئے گزرے...... یہ لوگ دعویٰ تو وہی اسلام ماننے کا کرتے ہیں جس نے صحابہ کی کایا پلٹ دی تھی مگر ان کا اُس سے کیا تعلق! ان کا تو نہ کچھ بگڑا، اور نہ ان میں کوئی تبدیلی آ سکی، اسی طرح رہے جیسے پہلے تھے۔ جو خود کو نہ بدل سکیں تو پھر تبدیلی کے خواہاں کیوں؟

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۱)

''اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنا آپ نہیں بدلتے''

صحابہ تو پورے اتفاق کے ساتھ صرف ایک ہی ملت سے وابستہ تھے، جس کی وحدت متحدہ تھی، کوئی تفریق نہ تھی، کوئی انتشار نہ تھا، کوئی اختلاف نہ تھا...... لیکن ان کی وحدت پارہ پارہ ہے، تفریق در تفریق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کے نام پر تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں لیکن عقائد وہ اختیار کر رکھے ہیں جو نہ کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کیے اور نہ جن کی تعلیم نبی ﷺ نے کبھی دی۔

مذکورہ صدر تضاد کے ساتھ ساتھ ایسے ''روشن خیال'' بھی سامنے آئے ہیں جو قرآن وحدیث کے مطابق ''ما انا علیه واصحابي'' والا دین اختیار کرنے کو انتہا پسندی اور اس دین کی اشاعت کی سعی وجہد کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں اور ''اسلامی رواداری'' کے نام پر اسلام کا حلقہ اپنے گلے سے نکال پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اسلام رواداری کا درس ضرور دیتا ہے لیکن صرف اس حد تک کہ دین

کی حدود پامال نہ ہوں، اپنا دینی تشخص برقرار رہے۔ یہ نہ ہو کہ ہنس کی چال چلنے کے لیے کوا اپنی چال بھی بھول جائے۔ دین اسلام میں عقائد کے معاملے میں تو ذرہ برابر بھی کوئی رعایت نہیں اور نہ اس میں کسی کی پر کوئی سمجھوتہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس دین کو اسی شکل میں اختیار کرنا ہوگا جیسا کہ قرآن و حدیث میں موجود ہے، ورنہ اس کے سوا اور کوئی دین ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

''دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران:۸۵)

''جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا''

البتہ یہ دین کسی پر تھوپا نہیں جائے گا جیسا کہ رب کا فرمان ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ)۔ نفاذ اسلام کے لیے اجتماعیت ضروری ہے تاہم اپنے اپنے دائرے میں انفرادی کوششیں بھی ہوں۔ البتہ یہ ہر فرد بشر کا کام نہیں کہ کھڑے ہو کر ڈنڈے کے زور پر لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ اسلام کو اختیار کریں۔ مزید یہ کہ جو لوگ اسلام سے واقف ہی نہیں، صرف نام جانتے ہیں اور برائے نام ہی وابستگی رکھتے ہیں اور اس کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے، بلکہ اس سے ایک گونہ الرجک ہیں، تو ان کو زبردستی دین پر نہیں لایا جائے گا۔ البتہ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ شعار اسلامی کی حفاظت کے لیے ان لوگوں کو خلاف دین حرکات سے روکا جائے اور دین پر کوئی حرف نہ آنے دیا جائے اور یہ لوگ ان مخلصین کے لیے کوئی رکاوٹ نہ بنیں جو دل و جان سے اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، اور اسی واحد مقصد کے لیے تو یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔

جہاں تک دین اسلام کی ترویج کی جدوجہد کا تعلق ہے، تو یہ بڑی مبارک کوشش ہے جسے ''جہاد'' کہا جاتا ہے۔ یہ کسی مومن کے لیے سعادت و فخر کی بات ہے کہ اس کی جان، اس کا مال، اس کی صلاحیتیں اللہ کے پیغام کو عام کرنے میں استعمال ہو جائیں۔ اس عظیم کوشش کو اللہ کے رسول ﷺ نے صوم و صلوٰۃ سے بھی افضل قرار دیا ہے (متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الجہاد)۔ جہاد سے متعلق ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ جہاد سے مراد صرف قتال لی جاتی ہے حالانکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی ہر کوشش جہاد کے زمرے میں داخل ہے۔ بدعقیدگی کی نشاندہی کرنا اور اس کو مٹانے کی کوشش کرنا بھی جہاد میں داخل ہے جیسا کہ خود اللہ نے حکم دیا ہے کہ

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا (الفرقان:۵۲)

''کافروں کی بات نہ مانو اور اس (قرآن) کے ذریعے ان سے جہاد کرو، بڑا جہاد''

قتال بھی جہاد ہے اور یہ جہاد کا آخری درجہ ہے۔ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام سے جہاد کی ترتیب ہمیں اس طرح ملتی ہے کہ پہلے ایمان خالص کی دعوت دی جائے گی، اس پر آزمائشیں آئیں گی جو ہجرت پر مجبور کریں گی؛ ایمان کو بچانے کے لیے ہجرت کی جائے گی؛ ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا جس کو مٹانے کے لیے باطل زور لگائے گا؛ اب اسلامی ریاست کی حدود کی حفاظت کے لیے قتال ہوگا۔ اسلام کی یہ ترتیب اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی برقرار رہے گی۔

جہاں مذہب بیزار ''مغرب گزیدہ'' لوگوں نے ترویج دین کی مبارک کوششوں کو دہشت گردی سے تعبیر کیا ہے، وہیں دین کی شکل تبدیل کرکے تفرقہ پردازی کرنے والے بعض منچلوں نے جہاد جیسے جلیل القدر رکن کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے کہ یہ ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، جہاد سے پہلے ایمان خالص کی دعوت دی جائے گی لیکن جہاد کے نام پر سرگرم مختلف تنظیموں نے اس سے قطعاً صرف نظر کر رکھا ہے اور دین اسلام کے خلاف عقائد و نظریات رکھتے ہوئے بھی یہ لوگ نام نہاد جہاد کی دعوت دینے میں مصروف عمل ہیں۔ ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے ساتھ کیا گیا ''جہاد'' اس جہاد کے زمرے میں نہ آئے گا جس کی فضیلت قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ ان جہادی تنظیموں کا جہاد تو ایک بھی مذاق اور کھیل تفریح ہے بلکہ درحقیقت چندہ اور کھالیں جمع کرنے اور جذباتی نوجوانوں کو اپنے مسلک میں شامل کرکے اپنی تعداد بڑھانے کی مہم ہے۔ پہلے امریکی اسلحے کے زور پر روس کے خلاف لڑ کر جہاد کا غلغلہ مچایا اور آج اسی روس کے اسلحے سے امریکہ کے خلاف برسرپیکار ہیں اور جہاد جہاد کا شور بلند کیا ہوا ہے! کل جو لوگ اس ''جہاد'' میں مشغول تھے، آج دہشت گرد قرار دیے جا رہے ہیں۔ جب تک غرض وابستہ تھی تو یہی لوگ ہیرو سمجھے جاتے تھے اور جب مطلب نکل گیا تو وہی ہیرو دہشت گرد بنا دیے گئے! آج جو لوگ اسی قسم کے ''جہاد'' کے زور پر ہیرو بنے ہوئے ہیں، آنے والے کل اسی طرح دہشت گرد بنا دیے جائیں گے!

دین کو سربلند کرنے والا رکن اسلام ''جہاد'' ضرور ہوگا۔ دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لیے قتال بھی ان شاء اللہ ضرور ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے ایمان خالص کی دعوت کو عام کرنا ہوگا جس کو قبول کرنے میں ہی تمام خرابیوں کا خاتمہ ہے ورنہ اگر اسی طرح فرقہ وارانہ عقائد جو کفر اور شرک پر محمول ہیں، دل سے لگائے رکھے اور ان کے ساتھ جہاد و قتال کیا گیا تو کبھی بھی تبدیلی نہ آئے گی، اللہ کی رحمت کفر و شرک کی طرف کبھی مائل نہ ہوگی بلکہ یہ تو اللہ کے غیض و غضب کو دعوت دیں گے۔ اللہ کی مدد و نصرت کا وعدہ ایمان خالص کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں اپنے مومن بندوں سے تمکن و استخلاف کا وعدہ کر رکھا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ...الخ (النور:۵۵،۵۷)

''تمہارے ایمان والوں اور صالح اعمال کرنے والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ضرور زمین میں حاکم بنا دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ان کے دین (اسلام) جس سے وہ راضی ہے، کو تمکن عطا فرمائے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا؛ جو میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو پھر ایسے ہی لوگ فاسق ہوں گے۔ صلوٰۃ کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (اور) کفر کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہمیں زمین میں عاجز کر دیں گے، ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام فرقوں سے کٹ کر، تمام مسالک کا خاتمہ کرکے، تمام طواغیت سے برأت و بیزاری اختیار کرکے یکسو ہو کر اپنے رب کی طرف منیب ہوں اور پھر اس مقصد کی طرف مراجعت کی جائے جس کے لیے جانیں، مال، آبرو سب کچھ قربان کر دیا، جس کا نعرہ بچے بچے کی زبان پر تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ۔ یہ کلمہ ہمارے ایمان و عقیدے کی صحیح معنوں میں بنیاد بنے اور یہی ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی اور سیاست کی اساس ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

تفسیر سورۃ آل عمران

یہ مدنی سورہ ہے، ہجرت کے بعد مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا نام آل عمران علامتی طور پر رکھا گیا ہے کیونکہ
اس کی آیت ۳۳ میں آل عمران کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح اور ابراہیم ﷤ اور آل عمران کو دنیا والوں پر فضیلت دے کر منتخب فرمایا
ہے۔ اس سورہ کا وہ حصہ جس میں عیسائیوں کے باطل عقائد و نظریات اور متعلقہ واقعات سے بحث کی گئی ہے ۹ ہجری میں نازل ہوا جبکہ نجران کے عیسائیوں کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہوا تھا۔ ان کی ہٹ دھرمی کی روش پر ان کو دعوت مباہلہ بھی دی گئی جس کا آیت نمبر ۶۱ میں ذکر ہے۔ اس سورہ میں غزوہ احد کے واقعات و حالات پر جامع و مؤثر تبصرہ ہے۔ اس کے پس منظر میں
ایمان والوں کی بعض کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اصلاح احوال کی تلقین کی گئی ہے اور اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین امت بنایا ہے، لہٰذا وہ اپنے اندر اس منصب کے مطابق
اوصاف پیدا کریں، اور پچھلی قوموں کی دنیا پرستی اور زوال پذیری پر اللہ تعالیٰ کا جو عذاب آیا اس سے عبرت حاصل کریں اور ان کی روش اختیار کرنے سے بچیں، آخرت کی کامیابی ہی کو حقیقی
کامیابی سمجھیں۔ جنت میں شہداء کو جو آسائشیں میسر ہیں ان کا ذکر کر کے بتایا گیا کہ ان نعمتوں کے چاہنے والے تو مجاہدوں کی طرح زندگی گزارتے ہوئے شہادت کی موت ہی
کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ سورہ کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مؤثر اور مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دعوت حق پر
آمنا کہنے والے کیسے صاحب بصیرت و فراست اور اعلیٰ اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

الف، لام، میم[1] ﴿۱﴾ اللہ (ہی معبود) ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں[2]، وہ زندہ ہے اور سب کو قائم اور تھامے رکھنے والا ہے[3] ﴿۲﴾ اس نے حق کے ساتھ اس کتاب کو آپ پر نازل فرمایا ہے[4] جو پہلے سے موجود کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا تھا ﴿۳﴾ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے، اور اس نے فرقان[5] (حق و باطل کو الگ کر دینے والا قرآن) نازل فرمایا۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، یقیناً ان کے لیے سخت عذاب ہے[6]، اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے ﴿۴﴾

(۱) یہ حروف مقطعات ہیں، یعنی علیحدہ و کیے ہوئے حروف۔ یہ الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ قرآن و صحیح احادیث میں ان کا معنی و مفہوم نہیں بتایا گیا لہٰذا ان کی تاویل کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے دعوۃ القرآن۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۱)

(۲) توحید باری تعالیٰ پر ایمان کے اقرار کا لازمی تقاضہ ہے کہ ہر قسم کے شرک کا پوری طرح رد کر دیا جائے چنانچہ آیت میں اللہ کے فوراً بعد لا الٰہ الا ھو کہہ کر غیر اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے نظریے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، علم، اختیارات اور ہر قسم کے تصرفات میں شرک کا مطلق سدباب کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سارے مشرکانہ نظریات باطل قرار دیے گئے خواہ وہ ذات میں شرک یعنی "ابن اللہ" یا "بنت اللہ" کے عقائد ہوں یا "نور من نور اللہ" کے عقیدہ کے ذریعے نبی ﷺ کو اللہ کی ذات کا جزو بنانے کا نظریہ ہو۔ علم غیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، کسی نبی یا ولی کو عالم الغیب سمجھنا شرک ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کی مشکل کشائی، حاجت روائی کا عقیدہ رکھنا یا کسی نبی یا ولی کے پاس کسی بھی قسم کے مافوق الاسباب نفع و نقصان کے اختیار ہونے کا نظریہ مشرکانہ نظریہ ہے اور ایمان کے سراسر منافی ہے۔

(۳) الحی اور القیوم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات ہیں، تمام مخلوقات بشمول جن و انس فانی ہیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ زندہ جاوید، اول و آخر ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے، وہی تمام مخلوقات کو وجود عطا فرمانے والا، وہی کائنات کو بنانے والا ہے، اور وہی اس کو قائم رکھے اور سنبھالے ہوئے ہے۔ تمام موجودات اس کی مخلوق ہیں اور سب اس کے آگے بے بس و بے اختیار اور اس کے محتاج ہیں، کوئی اس کا قطعاً شریک و ہمسر نہیں، وہ مختار کل ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔

(۴) اس عظیم ہستی نے اس کتاب یعنی قرآن کو حق کے ساتھ اپنے آخری نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور یہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں، انجیل، تورات، زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام اور دیگر آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ قرآن سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ منزل من اللہ ہیں، اور تورات وانجیل وغیرہ کے انہی حصوں کی تصدیق کرتا ہے جو غیر محرف یعنی اصل حالت میں باقی ہیں، اس طرح تحریف شدہ اجزاء کی بھی نشاندہی باآسانی ہو جاتی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں لیکن پیشہ وروں نے دنیاوی مفادات کی خاطر ان میں تحریف کی اور لوگوں کو اپنے بنائے ہوئے دین پر لگا دیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ ﷺ پر قرآن کو نازل کر کے اس کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب کی حیثیت سے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔

(۶) دین حق اور باطل دین کا فرق واضح ہو جانے کے بعد بھی جو بدنصیب بغیر کسی علمی اور عقلی دلیل کے باطل پر جمے رہیں تو ایسے ہٹ دھرم اکابر پرستوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۞ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۞ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۞

بلاشبہ اللہ سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں[7] ﴿۵﴾ وہی ہے جو رحم مادر میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے[8] ﴿۶﴾ وہی ہے جس نے (اے نبی ﷺ) تم پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ اس میں محکم آیات ہیں[9]، وہی کتاب کی اصل ہیں، اور اس میں دوسری متشابہ آیات بھی ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تاکہ اس طرح فتنہ اٹھائیں اور اس کا مفہوم تلاش کریں، حالانکہ اس کا مطلب اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں معلوم[10] اور جو (دین کا) پختہ علم رکھنے والے ہیں وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہی نازل ہوا ہے۔ اور نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں[11] ﴿۷﴾

(۷) اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی قدرت وحکمت کا یہ کائنات اور اس کا وسیع نظام ایک بین ثبوت ہے۔ اس عظیم کائنات کے خالق اور مدبر سے بھلا کوئی چیز کیسے پوشیدہ ہو سکتی ہے اور وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے، ذرات سے لے کر افلاک تک کوئی شے اس سے مخفی نہیں۔ وہ علیم ہے، لطیف وخبیر ہے، وہ دلوں کے حال سے بھی باخبر ہے۔

(۸) اس علیم وحکیم ہستی نے ہی تمام مخلوقات کو اکیلے پیدا کیا ہے اور وہی انسانوں کی صورت گری اپنی مرضی ومنشاء اور حکمت سے کرتا ہے۔ اس کی حکمت اور قدرت کاملہ کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ کھربوں انسانوں کی شکلیں ایک سے تخلیقی عمل کے بعد نقوش اور خدوخال میں بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بلاشبہ انسان کا وجود اور اس کا نظام اس کے خالق کی عظیم قدرت وحکمت کا بین ثبوت ہے۔ وہ اس لحاظ سے بھی (اور ہر لحاظ سے) لاثانی اور لاشریک ہے، رہے بناوٹی معبود اور شرکاء تو وہ سارے اکٹھے ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے! (الحج: ۷۳) کجا یہ کہ اربوں کھربوں انسانوں کی تخلیق کریں!

(۹) محکم یعنی مضبوط وہ آیات ہیں جن میں کوئی ابہام نہیں، جو خود واضح ہیں اور ان کا مفہوم قرآن وحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ایمان، عقائد واحکامات کی تمام باتیں محکم آیات ہی کے اندر ہیں اور یہ انسان کی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔

(۱۰) متشابہ وہ آیات ہیں جن کے معنی ومطالب واضح نہیں اور قرآن وحدیث میں بھی ان کی وضاحت نہیں کی گئی، لہٰذا ان کی تاویل وتفسیر کی کھوج لگانے سے منع کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کی متشابہ آیات کے کھوج میں لگے رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انہی کا ذکر فرمایا پس ان سے بچے رہو (بخاری: کتاب التفسیر) قرآن وحدیث میں ایسے فتنہ اٹھانے والے لوگوں سے بچنے اور دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ محکم ومتشابہ کے تعین کا دارومدار کسی کی ذاتی تحقیق پر نہیں جیسا کہ احبار ورہبان کا انداز ہے۔ قرآن وصحیح احادیث اس کے لیے کافی ہیں۔ البتہ احبار ورہبان اپنے عقائد کے دفاع کے لیے متشابہ آیات اور ضعیف وموضوع روایات کا سہارا لیتے ہیں۔

(۱۱) اس طرح قرآن میں محکم اور متشابہ آیات کے ذریعے صحیح علم والے دانشمندوں اور گمراہی کا ذوق رکھنے والے کج فکری کا شکار لوگوں کا فرق بتا دیا گیا ہے۔ ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں پوچھا فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ ...... تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لو۔ آپ نے یہ بات دو مرتبہ کہی۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن) اس کے برعکس سلیم الفطرت اور راسخ العلم لوگ ان آیات کو منزل من اللہ سمجھتے ہوئے ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی تاویل کی کوشش نہیں کرتے۔ آج انہی آیات کے معانی ومطالب تلاش کیے جاتے ہیں جیسا کہ حروف مقطعات و دیگر آیات کے شاہ ولی اللہ نے خیر کثیر نامی کتاب میں بیان کیے ہیں۔ اسی طرح جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں اس حوالے سے من گھڑت تشریحات بیان کی ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کرنا اور ہمیں اپنی (خاص) رحمت عطا فرمانا، بے شک تو خوب دینے والا ہے[۱۲] ﴿۸﴾ اے ہمارے رب! تو یقیناً سب انسانوں کو اس روز جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿۹﴾ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے بچانے میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اور وہ آگ کا ایندھن ہی بنیں گے[۱۳] ﴿۱۰﴾ (ان کا حال ویسا ہی ہوگا) جیسا کہ آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا انجام ہوا انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اُن کے گناہوں پر پکڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے[۱۴] ﴿۱۱﴾ آپ کافروں[۱۵] سے کہہ دیں کہ تم (دنیا میں) عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور (بالآخر) جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۱۲﴾ بے شک ان دو گروہوں[۱۶] میں جو آپس میں (جنگ کے لیے) بھڑ گئے، تمہارے لیے نشانی تھی۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا، وہ اُن کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے تقویت دیتا ہے۔ اس میں یقیناً اہل بصارت کے لیے بڑا سبق ہے[۱۷] ﴿۱۳﴾

(۱۲) یہ فکرِ آخرت رکھنے والے سلیم الطبع انسان کے دل کی آواز ہے۔ یہ کارگاہ حیات انسانوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے مزین کر دی گئی ہے اور ان کا دشمن شیطان لعین پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور اس پُرفتن ماحول میں گمراہی کا خطرہ ہر وقت درپیش ہے۔ اب جن کے دلوں میں ایمان کی قدر ہے تو آخرت کی پیشی اور یوم حساب کا خوف اُن کے اندر اس احساس کو ہر وقت تازہ رکھتا ہے کہ کہیں قدم نہ ڈگمگائیں کہ گمراہی کی طرف چل پڑیں اور ایمان کی نعمت ہی سے محروم کر دیے جائیں! چنانچہ مخلص مومن پورے شعور اور خلوص کے ساتھ ہر دم اپنے رب کی پناہ میں رہنے ہی میں عافیت سمجھتا ہے، اسی کے لیے دل کی گہرائی سے یہ التجا کی جا رہی ہے۔

(۱۳) دنیا میں انسان مال اور اولاد کے لیے ہر قسم کے مصائب جھیلتا اور آزمائشیں برداشت کرتا ہے اور دنیاوی اہداف کے حصول ہی کو کامیابی سمجھتا ہے اور اس دوڑ دھوپ میں آخرت کو فراموش کیے رہتا ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روش اس کی ناکامی اور نامرادی کا سبب بن گئی، اور جس مال ومتاع کے جمع کرنے میں اس نے ساری زندگی لگا دی وہ آخرت کے عذاب سے بچانے میں کچھ کام نہ آیا۔

(۱۴) نبی ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ یہ حق کے مخالفین آج آپ کی دعوت کے خلاف جو معاندانہ روش اپنائے ہوئے ہیں اس سے قبل آل فرعون اور اس سے پہلی قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دوچار ہو چکی ہیں، ان کا بھی ویسا ہی انجام ہوگا۔ نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ بہت جلد یہ دشمنانِ حق اللہ کے عذاب سے دوچار ہو کر رہیں گے۔ دوسری طرف دشمنانِ حق کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دعوتِ حق کی مخالفت سے باز آ جائیں ورنہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دوچار ہوں گے جیسے کہ پہلی قومیں ہوئیں۔

(۱۵) یہاں کافروں سے مراد گروہ یہود ہے جو مدینہ میں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ نامی تین قبیلوں پر مشتمل تھا۔ یہ پیشین گوئی انہی کے بارے میں کی گئی تھی جو چند سالوں میں ہی پوری ہو گئی۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور غزوہ احزاب کے بعد بنو قریظہ کے جنگجو افراد کو قتل کر دیا گیا۔ باقی ماندہ خیبر منتقل ہو گئے اور فتح خیبر کے بعد جزیہ دیتے رہے۔

(۱۶) یہ غزوہ بدر کی صورتحال پر تبصرہ ہے جس کا ذکر سورۃ انفال آیت نمبر ۴۳-۴۴ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کی تعداد کم دکھائی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی طرح بتایا تا کہ ان کے حوصلے بلند رہیں۔ جنگ کی ابتداء میں دونوں گروہوں کو ایک دوسرے سے دوگنی تعداد دکھائی گئی تھی جیسا کہ یہاں بیان ہوا۔ اس طرح کفار مومنوں کو تگنے کے بجائے دُگنے نظر آئے اور مسلمان کفار کو اپنے سے دوگنے نظر آئے تا کہ ابتدا ہی میں کفار کے دلوں میں رعب بیٹھ جائے۔ پھر عین جنگ کے موقع پر جب دونوں لشکر بھڑ گئے، ہر گروہ کو دوسرا گروہ قلیل تعداد میں نظر آیا۔ اس حکمتِ عملی کا مقصد یہ تھا کہ جنگ پوری طرح فیصلہ کن ہو اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے دشمن کی کمر توڑ دی جائے۔

(۱۷) غزوہ بدر میں دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے بڑا سبق ہے۔ ایک طرف ایک ہزار کا لشکر ہے جو ساز و سامان اور بہترین اسلحہ سے لیس ہے، ان کو اپنی جنگی مہارت پر بھی بڑا ناز ہے۔ اور طاقت و تعداد پر فخر و غرور کے ساتھ اپنی کامیابی کے زعم میں وہ رقص و سرود اور اکل و شرب میں مست ہیں، دوسری طرف ایمان والے قلت تعداد، بے سروسامانی، اسلحہ و سواری کی کمی کے باوجود اپنے رب پر توکل اور اس کی نصرت پر بھروسہ رکھتے ہوئے الحاح وزاری کے ساتھ اس سے فتح و کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔ ان کی دعائیں شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہیں اور اس قلیل گروہ کو اپنے سے تین گنے لشکر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا فیصلہ کن کہ کفار کے ستر بڑے سردار مارے جاتے ہیں اور ستر گرفتار ہوتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۞ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞

انسانوں کے لیے خوشنما بنادی گئی ہے خواہشات ومرغوبات کی چاہت عورتوں، بیٹوں سے، سونے، چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیروں، نشان زدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتی باڑی سے (لیکن) یہ سب دنیاوی زندگی کا ساز وسامان ہے[18]، اور (واپسی پر) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے[19] ﴿۱۴﴾ آپ کہہ دیں، کیا تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں، تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ کی رضامندی[20]، اور اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے (نیک) بندے[21] ﴿۱۵﴾، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچادے[22] ﴿۱۶﴾

(۱۸) بیویوں اور بچوں سے محبت افزائش نسل اور اہل وعیال کی کفالت کے لیے ضروری ہے، لہٰذا مشیت الٰہی کے تحت اس کو انسانی فطرت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ نیز مال ودولت بھی کسی حد تک دنیاوی وسائل کے حصول اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح سواریاں، کھیتی وغیرہ بھی ضروریات زندگی کا حصہ ہیں چنانچہ لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں کے لیے کشش رکھی گئی ہے اور اسی میں انسان کا امتحان ہے۔ اگر یہ ترغیبات اعتدال کے اندر ہوں اور اللہ کی اطاعت و عبادت میں رکاوٹ نہ بنیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی قابل قدر نعمتیں ہیں اور موجب شکر ہیں۔ لیکن اگر یہ حد سے تجاوز کرجائیں اور انسان ان ترغیبات میں منہمک ہوکر آخرت سے بے پرواہ ہوجائے اور دنیا کے عیش وعشرت اور دلفریبیوں میں غرق اور یوم حساب سے غافل ہوکر دنیا سے تہی داماں رخصت ہو تو یہ اس کے لیے ہلاکت اور دائمی خسارے کا سبب بن جائیں گی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ منافقون: آیت ۹)

(۱۹) یہ دنیا فانی ہے اور اس کی متاع قلیل اور ناپائیدار ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مومنوں کے لیے کہیں زیادہ اچھا ٹھکانہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے (الشوریٰ: ۳۶)۔ سورہ ھود میں فرمایا کہ اللہ کی یہ عطا کبھی منقطع نہ ہوگی (آیت ۱۰۸)۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة)

(۲۰) ایمان والوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ دنیا کے پرکشش ماحول میں ایسے منہمک نہ ہوجائیں کہ مقصد حیات ہی کو فراموش کردیں اور آخرت سے غافل ہوجائیں، انہیں چاہیے کہ تقویٰ کی روش اختیار کریں کیونکہ اہل تقویٰ ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان تیار کر رکھا ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا پرتو پڑا، اگر چاہو تو سورۃ الم سجدۃ کی آیت پڑھ لو، فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ...... الآیۃ یعنی کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ پوشیدہ کرلیا گیا ہے، یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے (بخاری: کتاب التفسیر سورۃ الم سجدۃ)۔ دوسری روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اصحاب الجنۃ سے فرمائے گا ”کیا تم اب خوش ہو؟“ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم خوش کیوں نہ ہوں گے جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمادیا جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ دوں؟ وہ کہیں گے کہ بھلا اس سے افضل اور کون سی چیز ہوگی! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اپنی رضامندی عطا کرتا ہوں، اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری: کتاب التوحید، باب کلام الرب مع اهل الجنة)

(۲۱) اللہ کے وہ بندے جو تقویٰ کی روش پر ہیں، یوم حساب سے ڈرتے ہیں، فرائض کی پابندی کرتے ہیں اور منکرات سے دور رہتے ہیں، حق داروں کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں، اور اللہ کے دین کے لیے جان ومال لگانے میں دلی مسرت محسوس کرتے ہیں۔

(۲۲) یہ عباد الرحمن راتوں کو قیام وسجود میں مشغول رہتے ہیں اور عذاب جہنم سے بچنے کی اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۵) سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۞ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۞

وہ لوگ (مشکلات میں) صبر کرنے والے[23]، سچ بولنے والے، اطاعت گزار، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور صبح کے اوقات میں مغفرت چاہنے والے ہیں ﴿۱۷﴾ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے[24] کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور فرشتوں اور اہل علم نے (بھی یہ گواہی دی ہے)، وہ انصاف پر قائم ہے اور وہ زبردست، حکمت والا ہے ﴿۱۸﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے[25]، اور اہل کتاب نے علم آجانے کے بعد ہی آپس میں ضد وعناد کے سبب اختلاف کیا[26] اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾ (اے نبی) اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور میری پیروی کرنے والوں نے تو اللہ کے آگے سر اطاعت جھکادیا ہے۔ ان اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی اس کے مطیع فرمان (مسلم) بنتے ہو[27]؟ اگر یہ مسلم بن جائیں تو یقیناً ہدایت پالیں گے، اور اگر روگردانی کریں تو تم پر تو محض (پیغام) پہنچانے کی ذمہ داری ہے، اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾

(۴۳) یہاں مخلص مومنوں کی پانچ اہم اور بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں جو ایمان وتقویٰ پر تعمیر ہونے والی سیرت کی اساس ہیں:-

۱۔ **صبر**: صبر ایک مومن کی بہت ہی اہم صفت ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، صبر علی الطاعات وعلی المصائب وصبر عن المحارم۔ صبر کے ذریعہ مومن اپنے مطاع کی خوشی اطاعت اور مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے ممنوعہ وحرام غذاؤں اور کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔ اس سے کردار میں پختگی، خود اعتمادی، بُردباری، جذبات اور زبان پر قابو کے اوصاف اُبھرتے ہیں۔ ایمان وتقویٰ کے ساتھ صبر اگر اللہ کی رضا کے لیے ہو تو مومن میں تشکر وتوکل کے اوصاف تقرب الی اللہ کا سبب بنتے ہیں۔ یوں تو ایمان کے تقاضے پورے کرنے میں صبر ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے لیکن دعوت حق اور جہاد وقتال میں تو یہ ناگزیر ہے (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البقرۃ:۱۵۳)

۲۔ **صدق**: صدق کے معنی سچائی کے ہیں، یعنی قول وقرار میں سچا اور معاملات میں صاف ستھرا، صادق وامین اور صادق الوعدہ ہونا۔ ایمان وعقیدے کی سچائی اور یوم حساب کا خوف مومن کو سچا، سچ کا ساتھ دینے والا اور جھوٹ سے بیزار بلکہ متنفر بنا دیتا ہے۔

۳۔ **قنوت**: یعنی تواضع وانکساری اور یک سوئی کے ساتھ اللہ کا فرمانبردار اور اطاعت گزار ہونا۔ رب کریم کی بے شمار نعمتوں اور آخرت کی جوابدہی کا احساس اس صفت کو اُبھارنے میں معاون ہوتا ہے۔

۴۔ **انفاق**: اللہ کی راہ میں دل کھول کر مال خرچ کرنے کی صفت۔ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد مومن کی جان ومال کا سودا جنت کے عوض ہو جاتا ہے (التوبہ:۱۱۱) اللہ ورسول سے محبت اور دین سے گہری وابستگی اور آخرت کی کامیابی پر یقین مومنوں سے اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ دنیا کی دلفریبیوں اور آسائشوں کے بجائے آخرت کی کامیابی کو ترجیح دیں اور اسی کے لیے جان ومال لگائیں۔

۵۔ **مستغفرین بالاسحار**: یعنی صبح کے وقت یا رات کے آخری حصے میں استغفار کرنے والے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ درج بالا اوصاف کے حامل ہوتے ہوئے بھی مخلص مومنوں کو اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں کا شدید احساس رہتا ہے (ملاحظہ ہو المومنون:۵۷تا۶۰) اس لیے اوقات سحرگاہی میں استغفار کرنا ان کا معمول بن جاتا ہے۔ دراصل اُس وقت بندہ اپنے رب سے بہت ہی قریب ہوتا ہے، دکھاوے اور ریاکاری کا خدشہ نہیں ہوتا چنانچہ خلوص کے ساتھ مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ "کون ہے جو مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں، کون مجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کردوں؟" (بخاری: کتاب الدعوات)

(۴۴) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ کائنات اور اس کا ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک نظام اس کی کھلی شہادت پیش کر رہا ہے اور دیدۂ بینا رکھنے والے کے لیے یہ شہادت کافی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر خود اس کا خالق ومالک جو ذرہ سے افلاک تک کا مکمل علم رکھنے والا پوری طرح علیم وخبیر ہے وہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اب اس سے بڑی شہادت بھلا اور کون سی ہو سکتی ہے (ملاحظہ ہو الانعام:۱۹)۔ اس کے فرشتے اس کی شہادت دیتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے پیغام کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے رہتے ہیں، اور اہل علم وبصیرت بندے بھی توحید باری تعالیٰ کی شہادت دیتے ہیں، اور یہ شہادت حق ان کے ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ الغرض خالق کی گواہی اور معتبر ترین مخلوق کی گواہی کے بعد بھی اگر کوئی اس مسلمہ حقیقت کو تسلیم نہ کرے اور تقلید اعمیٰ کے جال سے نہ نکلنا چاہے اور ضد وہٹ دھرمی کے ساتھ شرک پر جما رہے تو وہ اپنی جان کا بدترین دشمن انتہائی بدبخت ہے۔

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ توحید باری تعالیٰ کی شہادت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی ذات وصفات، حقوق واختیارات اور علم وتصرفات میں اس کو یکتا ویگانہ اور بے ہمتا مانا جائے اور کسی کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے خواہ وہ بڑے سے بڑا نبی، معزز ترین فرشتہ یا بلند ترین مرتبہ والا ولی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ سب اس کے مخلوق، اس کے محتاج اور اس کے آگے بے بس وبے اختیار ہیں وہ اکیلا اس کائنات کا خالق، مالک ومدبّر ہے اور اکیلے ہی اس کے نظام کو چلانے والا عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ وہ اکیلا تمام خزانوں کا مالک ہے۔ نفع ونقصان، عزت وذلت صرف اس کے اختیار میں ہے، وہی اولاد دیتا، خیر وبرکت سے نوازتا اور بگڑی بناتا ہے۔ سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے، وہ اکیلا سرور کائنات اور مالک ومختار ہے کوئی اور نہیں، اور موت وحیات پر وہی قدرت رکھتا ہے کوئی اور نہیں۔ الغرض کوئی بھی اس کی ذات، صفات علم، قدرت اور تصرفات میں اس کے ساتھ کسی طرح شریک نہیں۔ لہٰذا اس حقیقت نفس الامر پر پورا یقین ہو کہ اس کے سوا نہ تو کوئی خزانوں کا مالک ومختار ہے جو خزانے بخشے اور "گنج بخش" کہلائے، نہ ہی کوئی مافوق الاسباب نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی کو کچھ دے سکتا ہے جو "داتا" کہلائے، اور یہ مجبور وبے بس بھلا کسی کی کیا فریادرسی اور دستگیری کر سکتے ہیں کہ "غوث اور غوث الاعظم" یا "دستگیر" لقب پائیں! اب جو کوئی بھی ہوش وحواس اور پورے شعور کے ساتھ اس شہادت حق کا زبان سے اقرار کرے تو لازم ہے کہ یہ شہادت اس کے ایمان وعقیدے کی اساس بن جائے اور پھر اس کی زندگی اس شہادت کی عملی تصویر پیش کرے، اُس ایک اکیلی ذات پر اس کا توکل ہو، اُسی سے اُمیدیں وابستہ ہوں، اسی کا خوف ہو اور مشکل ومصیبت میں کسی اور آستانے یا چوکھٹ پر حاضری نہ دی جائے بلکہ براہ راست اُسی کو پکارا جائے، اُسی سے التجائیں ہوں، اس کی بارگاہ میں رکوع وسجود ہوں، دعائیں ہوں اور مراد پوری ہونے پر اُسی کی شکرگزاری، نذر ونیاز ہو۔ مختصر یہ کہ بندہ کا اپنے رب سے براہ راست تعلق ہو اور کوئی واسطہ وسیلہ درمیان میں نہ ہو یہی تعلق اس شہادت کا مفہوم ہے، یہی رب کو مطلوب ہے، قرآن اسی کو بیان کرتا ہے اور ہر نبی کی دعوت کا بھی مرکز ومحور رہا ہے۔

لیکن قرآن سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کے امتی توحید ورسالت پر مبنی کلمے کے اقراری ہونے کے باوجود بگاڑ ہونے پر کفر وشرک کے مرتکب ہوتے رہے ہیں، چنانچہ انبیاء واولیاء کو اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات میں شریک کرکے پکارا گیا، دعاؤں میں وسیلہ بنایا گیا اور ان کی شکرگزاری کے لیے نذر ونیاز کی گئی۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ مشرکانہ عقائد کے دفاع کے لیے ان کے علماء نے کتاب اللہ میں تحریف سے بھی گریز نہ کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آخری رسول ﷺ پر نازل شدہ قرآن، جس کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی لیا ہے اور اس میں کفر وباطل کے داخل ہونے کا سد باب بھی کر دیا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ حم سجدۃ:۴۲) لیکن اسی قرآن کی حامل امت نے باطل پرستی میں پچھلی امتوں کو بھی پس پشت چھوڑ دیا!

منکر و موضوع روایات کی بنیاد پر مشرکانہ عقائد گھڑے اور اپنے ان عقائد کے دفاع کے لیے آیات قرآنی کی معنوی تحریف تک کر ڈالی! اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) سورۃ الفاتحہ (آیت ۴) میں غیر اللہ سے استعانت و استمداد کا سد باب کیا گیا لیکن مسلک دیو بند کے اکابر محمود الحسن صاحب اور رضا خاں بریلوی کے مراد آبادی مفسر نے یہ دروازہ کھولدیا اور یہ کہہ کر اس شرک کا جواز پیدا کر دیا کہ اللہ کے مقرب بندوں انبیاء اولیاء سے استمداد کی جا سکتی ہے کہ ان سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے؛ فاضل بریلوی کو اس ''غیر اللہ'' میں انبیاء و اولیاء نظر نہیں آتے اسی لیے پورے قرآن میں جہاں بھی لفظ ''من دون اللہ'' آیا تو اس کا ترجمہ انہوں نے ''بت'' ہی کیا؛

(۲) اپنے اسی ''نادر و بے مثل'' ترجمے میں سورہ انعام آیت ۵۰، سورہ نمل آیت ۶۵ وغیرہا آیات جن میں نبی سمیت ہر کسی کے لیے غیب جاننے کی بصراحت نفی کی گئی ہے، کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ بریلوی موصوف ''خود جانے'' کا دم چھلا ضرور لگاتے ہیں جس کی تفسیر میں ان کے مراد آبادی مفسر ''ذاتی'' اور ''عطائی'' کا حاشیہ چڑھا دیتے ہیں؛

(۳) اسی رضا خانی مفسر نے تفسیری ''گل افشانیاں'' کرتے ہوئے سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۵: قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ کے لیے بتایا کہ یہاں نور سے مراد ''سید عالم ﷺ ہیں'': اسی آیت کی معنوی تحریف کرتے ہوئے ان سے کچھ صدی پیشتر عبدالحق ''محدث دہلوی'' نے بڑی بے باکی سے نور من نور اللہ کا عقیدہ اختراع کر کے ذات کے شرک کو ایمان کا حصہ بنا ڈالا: ان کے ہم عصر احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی نے بھی اس کی تائید کی اور اپنے مکتوب نمبر ۱۰۰ میں ''نور محمد'' کو نور الٰہی کا جزو قرار دیا؛

(۴) اسی طرح سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹: قَدْ جَآءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ سے ان مفسر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس سے محفل میلاد کے لیے سند ملتی ہے؛ جیسے سورۃ یونس آیت ۵۸ میں وارد قرآن کے نازل ہونے پر خوش ہونے اور سورۃ ضحیٰ کی آخری آیت: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں تحدیث نعمت کے حکم میں بھی انہیں اس ''جشن عید میلاد'' کا جواز من جانب اللہ نظر آ جاتا ہے!

(۵) غیر اللہ کی نذر و نیاز بحکم الٰہی حرام ہے جس کو اللہ نے قرآن میں چار جگہ بیان فرمایا ہے مگر اس کی رو سے ''فاتحہ گیارہویں، میلاد شریف کی شیرینی و تبرک'' جسے یہ ''حلال و طیب'' کہتے ہیں، کو ناجائز و ممنوع بتانے کو یہ مفسر صاحب اللہ پر جھوٹ باندھنا بتاتے ہیں اور اپنی اس تفسیری تحریف کا نشانہ بناتے ہیں سورۃ یونس کی آیت ۵۹ کو جس میں اللہ تعالیٰ نے بغیر اذن الٰہی کے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے پر تعجب کیا ہے؛

(۶) مودودی صاحب نے إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً کی تفسیر کرتے ہوئے بنی آدم کو اللہ کا خلیفہ بمعنی ''نائب'' بنا دیا؛ ''جماعت المسلمین'' والوں نے اسی آیت میں موجود فرشتوں کے کلام قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا ...الخ کو اپنی تفسیری خراد پر چڑھا کر اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فرشتے زمین میں خود خلیفہ بننے کے امیدوار تھے اس لیے یہ اعتراض کیا؛

(۷) اشرف علی تھانوی، ان کے پیر امداد اللہ اور ان سے بھی پہلے مثنوی مولوی و معنوی کے ''مولانا روم'' سب نے سورۃ الزمر کی آیت: قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ میں نبی ﷺ کو دیے گئے حکم الٰہی کو نبی کا فرمان بنا کر اللہ کے بندوں کو نبی کا بندہ بنا دیا۔

ان مثالوں کے بعد ذرا غور کیجیے، ایسے ''اکابرین و عمائدین'' کے پیچھے چلنے والے فرقے کیا اس شہادت حق کے علمبردار ہو سکتے ہیں جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے؟

اس شہادت حق کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ کسی بھی مشرکانہ و کافرانہ نظریہ کا پرچار کرنے والوں اور بندہ و رب کے اس تعلق میں دراڑیں ڈالنے والے پیشہ وروں کو اللہ کی راہ کا راہزن اور دین حق کا دشمن سمجھتے ہوئے ان سے برأت و بیزاری کے جذبے کے ساتھ مکمل کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

(۲۵) اسلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دین ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس کائنات کا کھلی آنکھ سے مشاہدہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ یہ انتہائی حد تک اپنے خالق و مدبر کے بنائے ہوئے نظام کی پابند ہے اور اس کا ہر جزو اپنے خالق و مالک کی اطاعت گزاری کا حق ادا کر رہا ہے یہ آفاقی نظام اطاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام آفاقی نظریہ ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور مطلوبہ دین ہے اور ہر نبی نے اسی دین کی دعوت دی ہے اور لوگوں کو تلقین کی ہے کہ وہ دین اسلام کو برضا و رغبت قبول کریں، اللہ تعالیٰ کو اپنا اکیلا رب مانیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، پھر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسی کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے گزاریں، اسی پر ان کی دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اسلام کو ماننے والے مسلم کہلائے اور دین اسلام ہی کے ذریعہ دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سکون قائم ہوا۔ لیکن ہر دور میں علماء و مشائخ کے ہاتھوں اُمت کے ایمان و عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا، اختلافات اُبھرے اور نبی ﷺ کو ماننے والی امت واحدہ تفرقہ پردازی کا شکار ہو کر فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۲۶) یہاں بتایا جا رہا ہے کہ علماء لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کا علم رکھنے کے باوجود محض آپس کے بغض و عناد کے سبب دین میں اختلافات اُٹھاتے اور لوگوں کو فرقوں میں بانٹتے ہیں۔ دراصل علم کے ذریعے آخرت بنانے کے بجائے یہ دنیا کمانے میں لگ جاتے ہیں اور اسی مقصد کے حصول کے لیے یہ انداز فکر اور طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر نازل شدہ کتاب بھی اُسی سچے دین، دین اسلام کی دعوت دے رہی ہے اور اہل کتاب اس کو حق جانتے ہوئے بھی اس سے اختلاف کر کے کفر کی روش پر چلتے ہوئے ہیں۔ یہ نفس کے بندے ہیں، حق کے آگے جھکنے کو تیار نہیں۔

(۲۷) یہاں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں دوسرے کفار و مشرکین کو اُمی (ان پڑھ) کہا گیا ہے۔ ان آیات میں دلائل کے ساتھ یہ واضح کر دینے کے بعد کہ اللہ کا سچا دین اسلام ہے، اور نبی ﷺ نے اور ان کے ماننے والوں نے دین اسلام قبول کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں سر اطاعت جھکا دیا ہے تو اہل کتاب اور اُمیوں سے زور دے کر کہدیا گیا کہ اب پورے دلائل سے حق واضح ہو جانے کے بعد بھی تم اسلام قبول کرتے ہو یا اپنے نفس کی اطاعت میں ازلی دشمن شیطان ہی کی بندگی پر جمے رہنے کو ترجیح دیتے ہو؟ اگر اس حقیقت کو تسلیم کر کے سر اطاعت خم کر دیتے ہیں اور ایمان لا کر مسلم بن جاتے ہیں تو راہ ہدایت پر آ جاتے ہیں ورنہ پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ بہر حال، ان کا طرز عمل اللہ کی نگاہ میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کر دیتے ہیں[۲۸] اور ان لوگوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں جو لوگوں میں سے عدل و انصاف کا حکم دینے کے لیے اٹھیں، تم ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو[۲۹] ﴿۲۱﴾ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا[۳۰] ﴿۲۲﴾ کیا تم نے ان لوگوں کے طرز عمل پر غور نہیں کیا جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، جب ان کو آپس کے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے، تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر کر پیچھے ہٹ جاتا ہے[۳۱] ﴿۲۳﴾ ان کا یہ رویہ اس سبب سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز۔ ان کی افتراء پردازی نے ان کو دین کے معاملے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے[۳۲] ﴿۲۴﴾ پھر اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر ایک کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا[۳۳] ﴿۲۵﴾

(۲۸) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ انسانوں کی اصلاح، ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو برابر بھیجتا رہا تاکہ وہ لوگوں کو بے راہ روی سے بچائیں اور صحیح دین اسلام کا راستہ دکھائیں جو انہیں منزل مقصود تک پہنچائے، اللہ کے قہر و غضب سے بچا کر نعمتوں بھری جنتوں کا حق دار ٹھہرائے اور دنیا میں بھی انہیں من حیث القوم عزت و سربلندی حاصل ہو۔ لیکن انسان کی بدنصیبی کہ اس نے اس عظیم نعمت کی ہمیشہ ناقدری کی، پیشہ ور علماء و مشائخ کے فریب کا شکار ہو کر ان دشمنانِ حق کی تو پیروی کی جنہوں نے انہیں فرقوں میں بانٹ کر گمراہ کیا لیکن اپنے بہی خواہ اور محسن انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کا رویہ اپنایا۔ ان پیروں اور مولویوں کی عقیدت و محبت نے ان کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ دعوتِ حق، کتاب اللہ کی ہدایت اور نبیوں کی تعلیمات سے بے پرواہ بلکہ متنفر ہو گئے اور ان سے بغض و عناد میں اتنے بڑھ گئے کہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں پر بھی جو حق و انصاف کا حکم دیتے اور لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے، جور و ستم میں حد کر دی یہاں تک کہ ان کو قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ اللہ کے یہ پیغامبر تادمِ حیات انتہائی ہمدردی اور تحمل سے لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلاتے رہے اور ان کی ایذائیں اور ستم رانیاں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نبی علیہ السلام کا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کو اتنا زدوکوب کیا کہ لہولہان کر دیا، اور وہ نبی علیہ السلام خون اپنے چہرے سے صاف کرتے جاتے اور کہتے جاتے تھے: کہ "اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما دے، یہ جانتے نہیں ہیں۔" (بخاری: کتاب الانبیاء) قوم یہود اللہ کے احسانات کا کفران کرنے اور اپنے محسن انبیاء علیہم السلام کو ایذائیں پہنچانے میں دوسری قوموں سے آگے بڑھی ہوئی ہے ان ظالموں نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور علماء کے اکسانے پر عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی دانست میں صلیب پر چڑھا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو ناکام کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف رفع کر لیا۔ ان کی کتابیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ظلم و ستم کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔

(۲۹) یہ شدید قسم کا طنز ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ ان پتھر دل شقی لوگوں کو جو اپنے مخلص محسنوں کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک کرتے رہے ہیں، ایک دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات کے جواب میں نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کر کے انہوں نے رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو بھڑکا دیا ہے اور اپنے آپ کو دنیا اور آخرت میں رسوا کن عذاب کا مستحق ٹھہرا لیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں ان یہودیوں پر شدید عذاب کا کوڑا برسا۔ ان کی تاریخ گواہ ہے کہ بابل کے حکمران بخت نصر کے ہاتھوں ان کو ان کی سرکشی اور قساوتِ قلبی کی سخت سزا ملی، کشت و خون کا بازار گرم ہوا، یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، کتب خانے نذرِ آتش ہوئے، سینکڑوں ہزاروں یہودی قتل ہوئے اور کثیر تعداد میں قیدی بنے۔ پھر سنبھالا ملا، چند مومن اور صالح لوگوں نے اصلاحِ احوال کی کوشش کی اور حالات بہتر ہو گئے۔ لیکن یہ مادہ پرست اور لالچی قوم جلدی آخرت فراموشی کی روش اختیار کر کے اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اپنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے ہاتھوں ان کو سزا دلوائی اور رسوا کن عذاب کی وہی تاریخ دہرائی گئی۔ ان پر دو عذابوں کا قرآن میں بھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے (بنی اسرائیل: ۴-۷) اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت و مسکنت طاری کرنے کے فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے رب نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ ان (یہود) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا ہی رہے گا جو انہیں بدترین عذاب سے دوچار کریں۔ (الاعراف: ۱۶۷) یہ دنیا کی سزا ہے اور آخرت کا عذاب تو دائمی اور کہیں زیادہ شدید ہے۔

(۳۰) اللہ کے نافرمان کافروں، مشرکوں کے اعمال کا میزانِ عدل میں کوئی وزن نہ ہوگا (الکہف: ۱۰۵) ان کے اعمال بے وزن ہوں گے اور ان کے لیے حسرت کا سامان ہوں گے۔ ان کے بناوٹی کارساز جو دنیا میں ان کی امیدوں کا سہارا بنے ہوئے تھے۔ ان میں کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

(۳۱) ان سے اہل کتاب یعنی مدینے کے یہودی مراد ہیں۔ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کا یہ حال تھا کہ تورات کو کتاب اللہ تو مانتے اور اس پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے تھے لیکن جب اس کا فیصلہ ان کی نفسانی خواہشات اور دنیاوی مفادات کے خلاف ہوتا تو اس سے منہ پھیر لیتے۔ ان کی اسی روش کی یہاں نشاندہی کی گئی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج یہ کلمہ گو امت بھی اسی مرض میں مبتلا ہے اور اسی روش کو اپنائے ہوئے ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ اللہ کے سخت عذاب سے دوچار ہے۔

(۳۲) اہل کتاب کی دنیا پرستانہ روش اور اللہ کے احکامات کی متواتر خلاف ورزیوں کا بے باکی کے ساتھ ارتکاب کرتے رہنے کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس زعم

باطل میں مبتلا ہیں کہ اللہ کے چہیتے نبی کے امتی اور مقربین کے دامن گرفتہ ہونے کے سبب وہ نارِ جہنم میں نہ ڈالے جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو محض گنتی کے چند روز! دراصل ایسے ہی بے سروپا اور خود ساختہ عقیدے لوگوں کو پُرفریب خوش فہمیوں میں مبتلا کر کے آخرت سے بے پرواہ کر دیتے ہیں، پھر ان میں صحیح دین کی تحقیق اور اصلاح احوال کا جذبہ ہی مفقود ہو جاتا ہے، اللہ کی راہ میں دعوت وجہاد وغیرہ تو دور کی بات ہے، وہ تو بس اپنے پیروں اور مولویوں کے بنائے ہوئے دین پرہی مطمئن ہو کر جمے رہنے کو کافی سمجھنے لگتے ہیں (مزید تفصیل البقرہ: ۸۰) آج یہ کلمہ گو اُمت بھی اپنے اپنے اکابرین کے ہاتھوں اسی مرض میں مبتلا کر دی گئی ہے۔

(۳۳) تقلید اعمٰی کے شکار کفر وشرک پر جمے رہنے والوں کے من گھڑت عقائد کی فیصلہ کن انداز میں تردید کر دی گئی ہے۔ واضح کر دیا گیا کہ ان کا موقف بے بنیاد اور سراسر باطل ہے، اصل الاصول تو یہی ہے کہ اس عدالتِ عظمیٰ میں ایمان خالص اور عمل صالح کی بنیاد جنت وجہنم کا فیصلہ ہوگا نہ کہ نسلی اور گروہی تعلق کی بنیاد پر۔ (مزید تفصیل البقرۃ: ۸۱،۸۲)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

تم کہو کہ اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے چاہے اقتدار عطا فرمائے اور جس سے چاہے اقتدار چھین لے[۳۴] اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، سب خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بلاشبہ تو ہی ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے[۳۵]، تو ہی زندہ کو مُردہ میں سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ میں سے نکالتا ہے[۳۶] اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿۲۷﴾ مومنوں کو چاہیے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں[۳۷]، اور جو ایسا کرے گا تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے گا، البتہ ان سے بچاؤ (کے لیے کوئی تدبیر) کرلو[۳۸]، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے قہر وغضب) سے ڈراتا ہے اور تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے[۳۹] ﴿۲۸﴾ ان سے کہو کہ جو تمہارے سینوں میں ہے، اُسے خواہ چھپائے رکھو یا ظاہر کر دو، اللہ اُسے جانتا ہے[۴۰]۔ اُسے تو وہ سب بھی معلوم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ ہر شے پر قادر ہے ﴿۲۹﴾ اُس دن جب ہر ایک اپنی کی ہوئی نیکی کو اپنے سامنے پالے گا اور اپنی کی ہوئی برائی کو بھی، تو آرزو کرے گا کہ کاش اُس میں اور اس کی برائی میں بہت دوری ہوتی[۴۱]، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی شفیق ہے ﴿۳۰﴾

(۳۴) یہاں ایک طرف تو مالک کائنات کی مطلق وحدانیت، عظمت وکبریائی اور اس کے مختارِ کل ہونے اور دوسری طرف مخلوق کی بے بسی اور محتاجی کا موثر بیان ہے۔ وہ اکیلا اس کائنات کا خالق ومدبر الامور ہے، اس نے کسی کو بھی اپنے اقتدار واختیار میں شریک نہیں کیا (الفرقان: ۲) تمام فیصلے اس کی مشیت کے مطابق ہوتے ہیں، کسی کو اس میں مداخلت کا یارا نہیں۔ عالم اسباب میں دنیا کے کسی حصہ کا اقتدار اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے کچھ مدت کے لیے عطا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے اقتدار سے محروم کر دیتا ہے۔ شاہ کو گدا بنا دینا اور گدا کو شاہ بنا دینا، حاکم کو محکوم اور محکوم کو حاکم بنا دینا اس کے ایک اشارے پر موقوف ہے۔ دنیا کی نظر میں بڑی ہی شان وشوکت والا فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق کر دیا گیا اور بے بس اور بے وسائل بنواسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں زمین کے وارث بنا دیے گئے۔ انسانی تاریخ کے ایسے واقعات میں عبرت کا بڑا سامان ہے۔ بالخصوص اُن ناسمجھ اور کوتاہ اندیش لوگوں کے لیے جو چند روزہ شان وشوکت، ناپائدار وسائل اور دنیاوی جاہ وحشمت پر فخر وغرور، کبر وانانیت کے مرض میں مبتلا ہو کر فرعون، قارون اور ہامان کی طرح اس کو ذاتی ملکیت سمجھنے لگیں اور اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو جائیں۔ عزت اور ذلت صرف اسی کے اختیار میں ہے اور اسی کی مشیت پر منحصر ہے وہ جس کو عزت دے کوئی اس کو ذلیل نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ذلیل کرے، اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ ہر قسم کا نفع ونقصان بھی صرف اُسی کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کے پاس کچھ نہیں۔ جن وانس بشمول انبیاء وصلحاء سب اس کے محتاج ہیں اور اُسی کے در کے سوالی۔ مومن کا تو یہی ایمان وعقیدہ ہونا چاہیے اور اس کی زندگی اس کا عملی ثبوت ہو۔ کیسے بے عقل ونادان ہیں جو وفات شدہ ہستیوں سے عزت چاہتے یا خیر وبرکت کے طلبگار ہوتے ہیں اور حصول مقاصد کے لیے اُن کے آستانوں کے چکر لگاتے ہیں، دراں حالیکہ ان کو تو زندگی میں بھی اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہ تھا! یہ بات بھی باعث حیرت ہے کہ اس کلمہ گو اُمت کے نہ صرف سیاسی زعما بلکہ قرآن وحدیث کے عالم، دینی رہنما اور مفکر بھی جمہوریت کے بت کے پجاری بن جانے کے بعد مزاروں اور آستانوں پر حاضری دینے، شیرینی تقسیم کرنے اور ان آستانوں کی تعمیر وآرائش کے کاموں میں سر گرم نظر آنے لگتے ہیں! ستم بالائے ستم یہ کہ وہ کفر وشرک سے تعاون بلکہ اس کی سر پرستی پر مطمئن اور خوش ہیں جیسا کہ ان کے اخباری بیانات اور عوامی جلسوں میں خطابات سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا یہ اللہ کے حکم "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں تعاون نہ کرو)، (المائدۃ: ۲) کو پامال کرتے ہوئے اس کی پکڑ سے بالکل بے خوف ہو گئے ہیں؟ جب ان بڑوں، عالموں اور دانش وروں کا یہ عالم ہے تو پھر اگر عوام اپنے آپ کو "ان دروں کا سوالی" سمجھیں اور اس قوم کے مساکین تمام انبیاء کو "مدینے والے کے در کا سوالی" کہیں تو کیا عجب! پھر اس ظلم کی پاداش میں اس کلمہ گو امت پر اللہ کا قہر وغضب ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ العیاذ باللہ!

(۳۵) دن ورات کی تبدیلی انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن اس کا نظام

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت کا انتہائی حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ رات کو دن میں داخل کرنے اور دن کو رات میں داخل کرنے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ سال کے مختلف حصوں میں رات ودن کے دورانیہ میں کمی وزیادتی ہوتی ہے، گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے، رات چھوٹی ہوتی ہے اور سردیوں میں رات بڑی ہوتی اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔

(۳۶) بحروبر میں پائی جانے والی بے شمار مخلوق کا تخلیقی نظام انتہائی پیچیدہ اور حیرت انگیز ہے۔ بے جان عناصر سے جاندار پیدا کرنا اور جاندار سے بے جان نکالنا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے مظاہرات میں سے ہیں۔ حیات کو وجود میں لانے کے لیے پہلے بے جان کو تخلیق کیا گیا اور پھر ان میں جان ڈال دی گئی۔ عالم عدم سے وجود میں لاکر حیات آفرینی کے مراحل پر غور کرنے سے عقل انسانی ششدر رہ جاتی ہے، اس کی کچھ مثالیں تو انسانی مشاہدے میں بھی ہیں جیسے زندہ انسان سے بے جان نطفہ نکال کر اس کو مختلف مراحل سے گزار کر اس میں جان ڈال دینا (المومنون: ۱۲ تا ۱۴)، اسی طرح مرغی یا پرندے سے انڈے نکالنا اور پھر ان انڈوں سے بچے نکالنا باری تعالیٰ کی قدرت کے اس قدر حیرت انگیز مظاہرات ہیں جن پر غور کرنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

(۳۷) اولیاء ولی کی جمع ہے، یعنی دوست اور مددگار۔ دعوتِ حق پر ایمان لانے والے اپنے حقیقی مالک کے وفادار، اطاعت شعار اور صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں، ان کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ اس انقلابی دعوت نے ایمان لانے والوں کو ایک مقدس رشتۂ اُخوت میں منسلک کردیا ہے اور پیشروؤں کے اندھے مقلدین اور اکابر پرستوں سے جو مالکِ حقیقی کے ساتھ بے وفائی اور بغاوت کی روش اختیار کرنے والے ہیں بلکہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں، اُن سے ان کا تعلق قطعاً منقطع کردیا ہے۔ اب جبکہ حق وباطل کی کشمکش و معرکہ آرائی قتال کے مرحلے میں داخل ہوچکی ہے، ایک طرف حق کا کھل کر ساتھ دینے والے ہیں تو دوسری طرف اُن کے مدمقابل طاغوت کے پرستار ہیں تو لازم ہے کہ مومنوں کے دلوں میں کفار ومشرکین کے لیے کوئی مقام نہ ہو خواہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں، نہ ان کی طرف کوئی جھکاؤ اور میلان ہو بلکہ ان کے لیے نفرت اور بیزاری کا جذبہ ہو، مومنوں کی اجتماعیت سے خلوص اور وابستگی کا یہی تقاضہ ہے۔ کافر ایک دوسرے کے معاون ومددگار تو ہوسکتے ہیں لیکن مومنوں کے تو وہ خون کے پیاسے اور جان کے دشمن ہیں اور مومنوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانا ہی ان کا مقصدِ وجود ہے۔ اگر ایمان کے بعد بھی وہ ان سے تعلق رکھیں گے اور معاملات میں ان کو معاون و مددگار بنائے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے دوغلوں سے بری الذمہ ہے۔ قرآن میں ایمان کے اس اہم تقاضے کو متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے، خصوصاً سورۂ ممتحنہ کی ابتداء میں بڑے ہی موثر انداز میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ آج ایمان کے دعوے داروں اور نام نہاد اسلامی مملکتوں کے لیے جن کے ہنود ویہود کے ساتھ ایسے سفارتی وتجارتی تعلقات ہیں، جو تمام حدود وقیود سے تجاوز کرگئے ہیں، یہ آیات چشم کشا ہیں۔

(۳۸) یہاں ایمان والوں اور مومنوں کی جماعت کو مخالفینِ حق کے شروفتنہ سے بچاؤ اور دفاع کی حکمتِ عملی کے تحت وقتی طور سے کچھ سطحی اور ظاہر اتعلقات یا رواداری کی رخصت دی گئی ہے۔ اسی طرح کافر حکومت اور معاشرے میں رہنے والوں کو اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے اور دینی اقدار کی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے شر سے بچنے کے لیے کچھ مصلحتی انداز اختیار کرنے کی بھی رخصت ملتی ہے۔

(۳۹) جیسا کہ اوپر واضح کردیا گیا، ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد اللہ کے دشمنوں سے موالات (دوستی ومحبت) ایمان کے منافی اور منافقانہ انداز ہے اور اللہ کے قہرو غضب کو بھڑکانے والا ہے۔ اس سے ایمان والوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہے اور دشمنانِ حق کی چالوں کو تقویت ملتی ہے۔ آج یہ کلمہ گو امت اور ان کے حکمران اسی مرض میں مبتلا ہیں اور اس غدارانہ طرزِ عمل کی وجہ سے ہر سو اللہ کے عذاب سے دوچار ہیں، اور آخرت کا عذاب تو انتہائی شدید اور دائمی ہے۔ یہ آیت ان کو اور ان کے جیسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔

(۴۰) پچھلی آیات کے تسلسل میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت ورخصت کا ناروا استعمال نہ کیا جائے، نہ تو موہوم ومفروض شر یا خطرے کو بہانہ بنا کر دل میں چھپی ہوئی محبت یا چند دنیاوی مفادات کے لیے کفار سے دوستی کا تعلق ہو اور نہ اس معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت ومنافقانہ روش اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے خوب واقف ہے، اُس سے زمین وآسمان میں کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

(۴۱) یہاں متنبہ کیا گیا ہے کہ چند روزہ زندگی کے مفادات کی خاطر اگر ایمان کے منافی اور اجتماعی نظم کے خلاف روش اختیار کی تو کل یومِ حساب تم اپنے سارے کرتوت کو اپنے نامۂ عمل میں موجود پاؤ گے اور اللہ کا عذاب سامنے ہوگا، اس وقت وہ لذات ومفادات جو دنیا میں بہت اچھے لگتے تھے بالکل ہیچ اور انتہائی قابلِ نفرت معلوم ہوں گے اور ندامت وپشیمانی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوگی، لیکن یہ کوئی فائدہ نہ دے گی بلکہ حسرت کا سامان ہوگی۔ ابھی مہلت ہے، خلوصِ دل سے توبہ اور اصلاح کرکے یکسو ہوکر رجوع الی اللہ کرلو، مومنوں کی اجتماعیت سے مخلصانہ وابستگی اور مخالفینِ حق سے بَرأت واجتناب کا رویہ اپنالو، اسی میں تمہارے لیے خیر ہے۔ بلاشبہ ربِ کریم بے انتہا عفو ودرگزر کرنے والا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

(اے نبی ﷺ) ان سے کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو[۴۲]، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا[۴۳]، اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے ﴿۳۱﴾ تم کہدو کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا[۴۴] ﴿۳۲﴾ بے شک اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو، نوح (علیہ السلام) کو، خاندانِ ابراہیم (علیہ السلام) اور خاندانِ عمران کو دنیا والوں پر برگزیدہ کیا ہے[۴۵] ﴿۳۳﴾ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے، اور اللہ خوب سننے اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾

(۴۲) مختلف ادوار میں بنو اسرائیل کو اقوام عالم میں فضیلت ملتی رہی، ان میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اور ان کو ملوکیت بھی عطا کی گئی۔ چنانچہ یہود کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی اس خوش فہمی کا ذکر سورۂ مائدہ میں کیا گیا ہے "یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں"۔ (المائدۃ:۱۸) یہود و نصاریٰ کی خوش فہمی اور ان کے اس زعم باطل کو رد کرتے ہوئے اسی آیت میں فرمایا کہ ان سے کہو کہ (اگر یہ اللہ کے محبوب ہیں تو) اللہ انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں عذاب کیوں دے رہا ہے! یہاں فرمایا کہ ان کو بتاؤ کہ اگر تم واقعی دعوائے محبت میں سچے ہو تو اس کا معیار یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو، اگر اس معیار پر پورے اُترتے ہو تو اسی میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی خیر ہے۔ یہ اہل کتاب دین میں غلو کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر گئے تھے، یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کو بیٹا بنا کر ذات کا شرک کیا اور ستم ظریفی یہ کہ اس سنگین جرم اور ظلم عظیم کو انہوں نے اللہ و رسول سے محبت قرار دیا! بدقسمتی سے یہ کلمہ گو اُمت بھی اس مرض کا شکار ہو کر نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اپنی پیش رو قوموں کے راستہ پر ہی گامزن ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے محبت و عقیدت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ اللہ کا مدمقابل ٹھہرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اللہ کی ذات، اختیارات اور علم و تصرفات میں شرک ان کے ایمان کا حصہ بن گیا، اور شرک، بدعات و رسومات میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ یہود و نصاریٰ تو کیا، دنیا کی اور قوموں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، اسی لیے ہر سو اللہ کے عذاب کا شکار ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس سب کے باوجود حب رسول کے بھی بڑی شدت سے دعویدار ہیں! کیا یہ آیت ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں؟ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے بھی اتباع سنت رسول کو ہی محبت کا معیار قرار دیا ہے اور سنت سے انحراف کو بے دینی بتایا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی ایک طویل روایت میں واضح کر دیا کہ جو میری سنت سے انحراف کی طرف راغب ہوا، وہ مجھ سے نہیں۔ (بخاری: کتاب النکاح)

(۴۳) یہ انعام ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرنے لگے اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، گناہوں کی معافی اور انعامات کی بارش، دنیا میں عزت و سربلندی اور آخرت میں دائمی فلاح و کامرانی کا مژدہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، پس جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تو تم بھی اس سے محبت کرو، لہٰذا آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین (دنیا) میں بھی اس کے لیے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض کرنے لگے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں" تم بھی اس سے بغض رکھو، تو جبریل علیہ السلام اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتے ہیں، تم بھی اس سے بغض رکھو، وہ بھی بغض رکھنے لگتے ہیں، پھر زمین میں بھی اس کے لیے بغض ڈال دیا جاتا ہے۔

(بخاری: کتاب الادب / مسلم: کتاب البر والصلۃ والادب)

(۴۴) پچھلی آیت میں اتباع رسول ﷺ کو محبت کا معیار قرار دیا گیا تھا اور یہاں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت پر زور دیا جا رہا ہے اور اطاعت سے منہ پھیرنے والوں کو کافر قرار دیا جا رہا ہے۔ اتباع اور اطاعت کسی حد تک ہم معنی الفاظ ہیں لیکن اتباع میں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ اطاعت کا لفظ عموماً اوامر و نواہی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اتباع زندگی کے تقریباً تمام ہی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور سورۂ نساء میں رسول ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا گیا ہے (النساء:۸۰) اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو خوشخبری سنائی گئی کہ وہ اللہ کے انعام پانے والے بندوں، انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے (النساء:۶۹)۔ حب رسول کی دعویدار اس اُمت کو بھی اس آیت کی روشنی میں اپنے مقام اور انجام کا تعین کر لینا چاہیے کیونکہ یہ بھی ہر قسم کے شرک میں مبتلا ہے اور اتباع رسول ﷺ کے بجائے بدعات و رسومات ہی کو دین بنا بیٹھی ہے! اسی طرح ان منکرین حدیث کو بھی غور کرنا چاہیے جو اطاعت رسول ہی کے منکر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو شرک قرار دیتے ہیں، نعوذ باللہ!

(۴۵) یہاں سے نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔ اہل کتاب کے باطل عقائد و نظریات کا پوری طرح جائزہ لیتے ہوئے ان کی غلط فہمیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور دلائل کے ساتھ ان کو رد کیا گیا ہے۔ اس آیت میں پہلے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی دنیا والوں پر فضیلت کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خلق فرمایا اور پھر ان کی زوجہ حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور انہیں زمین پر بھیج کر نسل انسانی کو چلایا۔ ان کی پیدائش اور عز و شرف کی تفصیل سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں دی گئی ہے۔ پھر نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو پہلی مشرک قوم میں مبعوث ہوئے اور انہوں نے طویل عمر پائی۔ وہ ساڑھے نو سو سال تک انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ اپنی قوم کو پیغام ہدایت پہنچاتے رہے، بالآخر ان کی نافرمان اور سرکش قوم کو طوفان میں غرق کر دیا گیا اور نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو عذاب سے بچا کر زمین میں آباد کر دیا گیا۔

اس کے بعد خاندان ابراہیم علیہ السلام اور خاندان عمران کا ذکر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں، ان کا ذکر قرآن میں بہت کثرت سے کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد انہی کے خاندان میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے جن میں سے بعض کو ملوکیت بھی عطا کی گئی۔ پھر مریم علیہا السلام کے والد کا ذکر ہے اور آگے کی آیات میں اسی خاندان کے واقعات کا تسلسل ہے۔ مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اس خاندان کی فضیلت کا سبب ہیں۔ ان آیات میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ برگزیدہ خاندان جن میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے، انسان ہی تھے؛ مافوق البشر نہ تھے۔ ان کو جو اعلیٰ مرتبہ ملا وہ ان کے ایمان، تقویٰ، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اللہ کے دین کے لیے خود سپردگی، دین کے کاموں میں سبقت اور قربانیوں کی وجہ سے تھا، نہ کہ محض خاندانی نسبت کے سبب۔ آئندہ آیات میں اہل کتاب کے باطل عقائد کی تردید پر جو مضمون آ رہا ہے یہ اس کی موثر تمہید ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثٰى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ میرے رب! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے (دنیوی معاملات سے) آزاد کر کے تیری نذر کیا[۴۶] تو میری طرف سے قبول فرمالے، یقیناً تو بہت سننے، جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾ جب اس (بچے) کی ولادت ہوئی تو اس (خاتون) نے کہا کہ اے میرے رب! میرے تو لڑکی پیدا ہوئی ہے،[۴۷] اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے کیا پیدا ہوا، اور لڑکا تو لڑکی کے مانند نہیں ہو سکتا[۴۸] اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں[۴۹] ﴿۳۶﴾ اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول کیا[۵۰] اور احسن طریقے سے اس کی پرورش کرائی، اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔ جب بھی زکریا حجرے میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتے۔ زکریا نے کہا کہ اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے[۵۱] بے شک، اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿۳۷﴾

(۴۶) انہوں نے اپنے ہونے والے بچہ کو دنیوی معاملات و مشاغل سے آزاد اور فارغ کر کے دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تا کہ وہ پوری طرح یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کرے اور دین کی دوسری ذمہ داریاں سر انجام دے سکے۔

(۴۷) یہ الفاظ حسرت آمیز استعجاب کا اظہار کر رہے ہیں۔ اُم مریم کو تو یہ توقع تھی کہ اُن کے لڑکا ہوگا جو بیت المقدس کے دوسرے متولی اور ذمہ داروں کے ساتھ مل کر دین کی خدمت کرے گا اور اس طرح اُن کی نذر کا مقصد اچھی طرح پورا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی کی پیدائش نے اُن کی اس توقع کو پورا نہ کیا۔

(۴۸) بظاہر یہ جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کا کلام معلوم ہوتا ہے جو ممکن ہے کہ اُم مریم علیہا السلام کو تسلی دینے کے لیے کہا گیا کہ انہیں لڑکے کے بجائے لڑکی ہونے پر مایوسی اور ملال نہ ہو، یہ لڑکی بدرجہا افضل ہے، لڑکا اس جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔

(۴۹) اللہ کے صالح بندے جو آخرت کے لیے فکر مند ہوتے ہیں، دنیا میں ان کی کوششوں کا مرکز و محور آخرت کی کامیابی کا حصول ہی ہوتا ہے، لہٰذا ان کو ایمان سے محبت ہوتی ہے اور ان میں دین کا سچا ذوق ہوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کو بھی اسی راستہ پر چلانا چاہتے ہیں، وہ بچوں کے لیے معاشی مفادات اور دنیوی بڑائی حاصل کرنے سے زیادہ ان کو مومن و صالح بنانے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ خود بھی کوشش کرتے ہیں اور اللہ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو شیطان کے شر سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ مریم علیہا السلام اور ان کی اولاد کے لیے دعائیہ الفاظ اُم مریم علیہا السلام کے انہی جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

(۵۰) اُم مریم علیہا السلام کی پیشکش اور دعا کو کیسی قبولیت ملی، قرآن میں بیان کردہ بعد کے واقعات اس کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ خود مریم علیہا السلام کا اونچا مرتبہ جو قرآن اور متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے، اور ان کے بطن سے معجزانہ طور پر ایک اولوالعزم رسول عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی زندگی، اس کا بین ثبوت ہیں۔ ایک صحیح روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کو مس کرتا ہے تو وہ بچہ شیطان کے چھونے سے چیخنے لگتا ہے۔ سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام)۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو تلاوت کر لو اس آیت کی: إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ ...... (بخاری: کتاب التفسیر / مسلم: کتاب الفضائل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے ان کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

(۵۱) یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیک اور صالح خاتون کو جو برگزیدہ کیا کہ ان کے پاس فرشتے آئے، فوق الاسباب رزق ملا، تو یہ سب خاندانی تعلق یا کسی سلسلے سے وابستہ ہونے کے سبب سے نہ تھا بلکہ ماں کی دعا کے بعد خود ان کے زہد و تقویٰ اور اللہ کی عبادت اور اطاعت کے اسباب تھے جو تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تکریم فرمائی۔ سورہ یونس میں بتایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ وہی ہوتے ہیں جو ایمان والے اور متقی ہوں (یونس: ۶۳)، نہ کہ وہ جو کشف و کرامات، علم غیب، تصرف، حتی کہ موت و حیات پر قدرت رکھنے اور نظام عالم چلانے کے بھی دعویدار ہوں! ان واقعات میں بڑی ہی سبق آموز نصیحت ہے۔ اللہ کے سچے ولی اور مقرب بندے کن صفات کے حامل ہوتے ہیں اور وہ اپنی اولاد میں بھی کن اوصاف کو پروان چڑھاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی کیسی تکریم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝

اس وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی[۵۲] کہا کہ اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے، بے شک تو دعا سننے والا ہے ﴿۳۸﴾ جب وہ اپنی محراب میں کھڑے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے، تو فرشتوں نے ان کو آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، ضبط نفس والا (پاکباز) اور نبی ہوگا اور نیک لوگوں میں ہوگا[۵۳] ﴿۳۹﴾ انہوں نے کہا کہ اے میرے رب! میرے لڑکا کیسے ہوگا، مجھے تو بڑھاپا آ گیا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۴۰﴾ انہوں نے کہا کہ اے میرے رب، میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے، فرمایا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن بات نہ کرو گے سوائے اشاروں کے، تو اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا[۵۴] ﴿۴۱﴾

(۵۲) زکریا علیہ السلام بے اولاد تھے اور بوڑھے بھی ہو گئے تھے اور بیوی بانجھ تھیں لہٰذا بظاہر اولاد ہونے کے امکانات معدوم ہو چکے تھے۔ ان حالات میں جب انہوں نے مریم علیہا السلام کے کمرے میں مافوق الاسباب فراہم کردہ رزق پایا تو ان کے دل میں دفعتاً فطری طور سے اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ خرق عادت اُمور پر قادر رب اپنی قدرت کاملہ سے انہیں اولاد عطا فرمائے تو کیا عجب ہے، بلاشبہ وہ تو اسباب کا خالق اور ان پر قادر ہے، ان کا پابند نہیں، اس کی قدرت سے تو کچھ بھی بعید نہیں! لہٰذا اللہ پر توکل کرنے والے، اس کے فضل کے اُمیدوار بندے نے بغیر کسی واسطے، وسیلے کے براہ راست اپنے رب سے صالح اولاد کے لیے التجا کی۔ ان کو کامل یقین تھا کہ رب کریم اپنے بندے کی دعا براہ راست سنتا ہے۔ اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو براہ راست دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی، بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے بیٹے دیے اور بانجھ بیوی کے بھی اولاد ہوئی۔ یہ واقعات واسطے، وسیلے کے مشرکانہ عقیدے کے حاملین کے لیے چشم کشا ہیں جنھوں نے رب ذوالجلال پر افترا پردازی کرتے ہوئے اپنے اور رب کے درمیان واسطوں اور وسیلوں کی دیواریں کھڑی کر لی ہیں۔

(۵۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندے کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا، اور وہ بھی اس شان سے کہ فرشتوں کے ذریعہ بیٹے کی خوشخبری دی گئی، نام بھی یحیٰی خود ہی تجویز کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس سے پہلے اس کا کوئی ہمنام پیدا نہیں کیا گیا (مریم: ۷) اس کی کچھ صفات کا بھی ذکر کر دیا گیا: وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا، بنی اسرائیل کا سردار اور ضبط نفس کی صفت کا حامل یعنی انتہائی پاکباز ہوگا وہ نبی ہوگا اور اللہ کا صالح بندہ ہوگا۔

(۵۴) بندگی کا یہی تقاضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی بندے کا یہی انداز مطلوب ہے کہ، خواہ وہ نبی ہو یا اُمتی، حاجت روائی کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرے، اسی سے مدد مانگے، مراد بر آنے پر اس کا شکر ادا کرے، اس کی حمد و ثنا اور عظمت و کبریائی کا خوب ذکر کرے۔ لہٰذا زکریا علیہ السلام کو یہی ہدایت کی گئی کہ خاموشی کی حالت میں بھی صبح و شام یعنی ہر وقت اللہ کی تسبیح کرتے رہنا تاکہ ملنے والی نعمت کی خوشخبری پر رب کریم کی شکر گزاری کا حق ادا ہو سکے۔ بندے پر مالک کائنات کا یہی حق ہے کہ بندہ پریشانی میں صبر کرے اور رب کی عطا پر شکر کرے، اور عنایت و نوازش جتنی زیادہ ہوتی ہی زیادہ شکر گزاری ہو اس احساس کے ساتھ کہ حق ادا نہ ہوا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ الْعَٰلَمِينَ ﴿۴۲﴾ يَٰمَرْيَمُ اقْنُتِى لِرَبِّكِ وَاسْجُدِى وَارْكَعِى مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى الدُّنْيَا وَالْءَاخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾

اور جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں برگزیدہ کر لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں میں سے منتخب کر لیا ہے[55] ﴿۴۲﴾ اے مریم، اپنے رب کی فرمانبرداری کرو، سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہارے پاس بھیج رہے ہیں۔ اور تم ان کے پاس نہیں تھے[56] جب وہ (بطور قرعہ اندازی) اپنے قلم ڈال رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ مریم کا کفیل کون ہو، اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ﴿۴۴﴾ جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے[57] کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، جو دنیا اور آخرت میں عزو شرف والا ہوگا اور مقربوں میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ گہوارے میں لوگوں سے کلام کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی کلام کرے گا، اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ﴿۴۶﴾

(۵۵) والدہ کی دعا کی قبولیت اور مریم علیہا السلام کا زہد و تقویٰ اور اللہ کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا، یہ تھے اسباب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو تقرب الی اللہ کا شرف حاصل ہوا، فرشتوں نے ان سے کلام کیا اور ان کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی خواتین پر ان کو فضیلت دی اور برگزیدہ کیا ہے۔ بخاری میں علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام بنت عمران اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (بخاری: کتاب الانبیاء) دیگر روایات میں مریم کے علاوہ آسیہ زوجہ فرعون، عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(۵۶) ان الفاظ نے نبی ﷺ کے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صریح نفی کر دی ہے۔ قرآن نے غیر اللہ کے عالم الغیب ہونے کی مطلقاً نفی کی ہے، اور بے شمار آیات اس کی تردید کرتی ہیں، ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرنا ہے اور بلاشبہ یہ ظلم عظیم ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ خبریں جو نہ تو آپ کے علم میں ہی تھیں اور نہ آپ کی قوم کے علم میں، جیسا کہ سورہ ھود میں مذکور ہے (آیت ۴۹) بلکہ وحی الٰہی کے ذریعہ آپ ﷺ کو دی جا رہی تھیں، اور آپ ان صدیوں پرانے واقعات کو اس ربط و تسلسل کے ساتھ بیان کر رہے تھے کہ یہ لوگوں کے لیے باعث حیرت تھا۔ یہ معجزہ آپ کی نبوت کی صریح و قوی دلیل تھا لیکن پھر بھی اہل کتاب ایمان نہ لائے، سوائے چند کے۔ ان کی پیشہ ورانہ سوچ، مسلک پرستی اور دنیاوی مفادات نے انہیں ہٹ دھرم بنا دیا اور ان میں اللہ کے سچے دین سے شدید بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا جس نے انہیں دعوت حق پر ایمان لانے کے لیے آگے نہ بڑھنے دیا۔

(۵۷) یہ "کلمۃ اللہ" عیسیٰ علیہ السلام تھے جن کی پیدائش کی بشارت مریم علیہا السلام کو دی گئی۔ یہ دوسری خبر تھی جو فرشتوں کے ذریعہ ان کو دی گئی اور ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ اوصاف بھی بیان کر دیے گئے: ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، وہ دنیا و آخرت میں عزو شرف والے ہیں، وہ گہوارے میں اور پھر بڑی عمر میں لوگوں سے کلام کریں گے۔ گہوارے میں کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بات کرنے کی عموی عمر سے پہلے ہی شیر خوارگی کے ایام میں بات کرنا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ ہوئی، گہوارے میں کلام کیا اور فرمایا: إِنِّى عَبْدُ اللَّهِ ...... الآیۃ" میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا" (مریم: ۳۰) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گہوارے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے: ایک عیسیٰ علیہ السلام اور

دوسرے دو بچے جو بنی اسرائیل کے پچھلے دور میں تھے۔ نبی ﷺ کے ان کے بارے میں بیان کردہ طویل واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جریج نامی ایک شخص پر قوم نے زنا کی جھوٹی تہمت لگائی تو اس سے منسوب شیر خوار بچے ہی نے اس کی بے گناہی کی شہادت دیدی۔ دوسرے واقعہ میں بھی شیر خوار بچہ کے کلام کرنے کا ذکر ہے۔ (بخاری: کتاب الانبیاء) یہ بات قابل غور ہے کہ منکرین حدیث اپنے بڑوں کی اندھی تقلید اور یہود و نصاریٰ کی پیروی میں معجزوں کے انکاری ہیں، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ معجزانہ پیدائش کو نہیں مانتے۔ آیات قرآنی کے آگے بے بس تو ہو جاتے ہیں لیکن ہٹ دھرمی سے باطل موقف پر ہی جمے رہتے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی مفید ہوگی کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور گہوارے میں کلام کرنا معجزہ ہے، اسی طرح آپ کا رفع یعنی زندہ اٹھالیا جانا بھی معجزہ ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت نزول ہوگا جس کا قرآن میں بھی ذکر ہے (النساء: ۱۵۹، الزخرف: ۶۱) اور احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بحیثیت نبی اور عادل حکمراں ہوگا اور بعض یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئیں گے (النساء: ۱۵۹)، لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ نزول کے بعد وہ مومنوں کے امام کے پیچھے ہی پہلی صلوٰۃ ادا کریں گے، گویا کہ وہ اسی آخری شریعت اسلامی کے تابع ہوں گے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

انہوں نے کہا کہ اے میرے رب! میرے لڑکا کیوں کر ہوگا، مجھے تو کسی بشر نے چھوا ہی نہیں۔ فرمایا کہ اسی طرح (ہوگا)، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے[۵۸] ﴿۴۷﴾ اور اللہ ان کو لکھنا (پڑھنا)، حکمت و دانائی اور تورات و انجیل سکھائے گا[۵۹] ﴿۴۸﴾ اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (وہ ان کو بتائیں گے) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں مٹی سے پرندہ کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک ماروں گا تو وہ اللہ کے حکم سے (ذی روح) پرندہ ہو جائے گا[۶۰]، میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو وہ تمہیں بتا دیتا ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو[۶۱] ﴿۴۹﴾ اور میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو پہلے سے نازل شدہ موجود ہے، اور (میں اس لیے آیا ہوں) تاکہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو[۶۲] ﴿۵۰﴾

(۵۸) بڑھاپے میں اولاد کا ہونا جبکہ بیوی بھی بانجھ ہو بظاہر قانون فطرت کے خلاف ہے، اسی لیے زکریا علیہ السلام کو تعجب ہوا تھا جیسا کہ اس سے پہلے آیت میں آچکا ہے۔ لیکن بغیر تزویج اولاد کا ہونا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے چنانچہ مریم علیہا السلام نے اس خبر پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ استفسار کیا۔ ان کو دیا ہی جواب دیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کا پابند نہیں، اس کی عظیم قدرت کے لیے یہ بالکل ہی آسان ہے، پوری کائنات کا نظام اور سارے قوانین اس کے اذن و اشارے پر پل بھر میں بدل سکتے ہیں۔ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور اسے اپنے حکم "کن فیکون" کے تحت پل بھر میں نافذ کر دے، تو اس کے اذن و مشیت میں نہ تو کوئی رکاوٹ ہو سکتی ہے اور نہ مداخلت۔

(۵۹) انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اہم اور نمایاں معجزہ ان کا علم تھا جو دنیاوی ذرائع سے ماوراء انہیں دیا گیا۔ وحی کے ذریعہ ان کو کتب آسمانی کی تعلیم دی گئی اور گزشتہ انبیاء اور اقوام کے حالات سے بھی باخبر کیا گیا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ پر نازل شدہ قرآن بلاشبہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے، جس کے دلائل ناقابل رد اور اس کی فصاحت و بلاغت بے مثال ہے۔ چنانچہ مخالفین حق کو چیلنج دیا گیا کہ اگر اس کو آسمانی کلام نہیں مانتے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی پیش کر دو۔ عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سکھایا گیا، تورات و انجیل کا علم دیا گیا اور حکمت و دانائی کے رموز سکھائے گئے۔

(۶۰) "مٹی سے پرندہ کی شکل بناتا ہوں" اس سے مراد ہے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بنانا، پھر بتایا گیا کہ پھونک مارنے پر وہ مٹی کا مجسمہ اللہ کے حکم سے جاندار اور صحیح سالم پرندہ بن جاتا ہے۔ یہاں پھر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ بے جان کو جاندار بنانا یہ اللہ ہی کے حکم اور مشیت پر موقوف ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بے جان سے جاندار نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان (آل عمران: ۲۷)، یعنی موت و حیات اللہ ہی کے اختیار میں ہے، کسی اور کو موت و حیات پر کوئی قدرت نہیں خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو! یہ بات بھی قابل غور ہے کہ معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ "باذن اللہ" (اللہ کے حکم سے) کے الفاظ کہے، اس مغالطے کا سد باب کرنے کے لیے کہ نبی معجزہ اپنی مرضی اور ارادے سے دکھا سکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نبی معجزہ دکھانے پر قادر نہیں بلکہ اللہ نے جب چاہا اپنی قدرت سے یہ کارنامہ دکھایا، نبی کی نبوت کے ثبوت کے لیے اور منکرین حق پر اتمام حجت کے لیے۔ اب یہ اور بات ہے کہ امت کے بگاڑ کے دور میں معجزات کو نبی کے تصرفات قرار دے کر شرک کے لیے جواز فراہم کر لیا جاتا ہے! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ مختلف ادوار میں لوگوں کی سوچ اور ان کے انداز فکر کے لحاظ سے انبیاء کو مختلف نوعیت کے معجزے عطا کیے گئے۔

(۶۱) جیسا کہ اوپر کہا گیا معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صریح نشانیاں ہوتے ہیں اور نبوت کی حسی دلیل، نیز منکرین حق کے لیے وہ حجت ہوتے ہیں۔ ایسی صریح نشانیاں

دیکھ لینے کے بعد پھر انکارِ حق کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ البتہ دلیل کی بنیاد پر حق کو تسلیم کر لینے کا ذوق رکھنے والے تو اس پر فوراً آمنّا (ہم نے مان لیا) کہتے ہیں لیکن ہٹ دھرمی اور سرکشی کی فطرت رکھنے والے بے حس لوگوں کے لیے یہ نشانیاں بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔

(۶۲) ہر نبی دینِ اسلام لے کر آیا جس کی دعوت کا مرکزی نکتہ یہی رہا کہ شرک سے پاک الٰہ واحد کی بندگی اور طاغوت کا کفر اور اس سے اجتناب۔ وہ خود اسی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور قوم کو کھلی اور صاف دعوت دیتا ہے کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، تمہارا نفع و نقصان صرف اور صرف اُسی کے اختیار میں ہے، اور ایک دن اس زندگی کا حساب دینے کے لیے اُسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، چنانچہ نبی کی اطاعت ہی دینِ اسلام ہے۔ ہر نبی نے اس پر زور دیا ہے، پہلی مشرک قوم میں مبعوث ہونے والے نبی نوح علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (نوح:۳)

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝

بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی، پس اسی کی عبادت کرو،[۶۳] یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا تو کہا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟[۶۴] حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (فرمانبردار) ہیں ﴿۵۲﴾ اے ہمارے رب! تو نے جو نازل فرمایا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس رسول کے متبع ہو گئے، پس ہمیں شہادت دینے والوں میں لکھ لے[۶۵] ﴿۵۳﴾ انہوں نے چال چلی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے[۶۶] ﴿۵۴﴾

(۶۳) گزشتہ سطور میں یہ آ چکا ہے کہ ہر نبی الٰہ واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے اور خود اس کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے، لیکن نبی کے اُمتی گمراہی کا شکار ہو کر خود نبی ہی کو اللہ کا ہمسر ٹھہرا لیتے ہیں اور اس کی بندگی کرنے لگ جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا دم بھرنے والوں نے ان کی دعوت و تعلیمات سے صرفِ نظر کر کے ان کو اللہ کی ذات میں شریک کیا اور ان کی بندگی کرنا شروع کر دی، اور اپنی اس مشرکانہ روش کو حبِ رسول کا رنگ دے دیا! کیا یہ تم ظریفی نہیں کہ نبی کی تعلیمات کو پامال کرنے والے ہی نبی سے محبت کے دعویدار بن جائیں؟ اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی بلیغ انداز میں اس ہٹ دھرمی کی گرفت کی ہے، فرمایا کہ کسی بشر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب و حکمت عطا کریں اور نبوت کے منصب پر فائز کریں اور پھر وہ لوگوں کو یہ بتائے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ! بلکہ وہ تو ان کو یہ تعلیم دے گا کہ (لوگو!) تم اللہ والے بن جاؤ (آل عمران:۷۹) بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں اپنا رب ماننے والا خود ہی رب ہونے کا دعویدار بن بیٹھے، العیاذ باللہ!

(۶۴) دعوتِ حق اٹھنے کے بعد مخالفت زور پکڑتی ہے، پیشہ ور احبار و رہبان اور قوم کے سردار معاشرے میں اپنے مقام و مفادات کو بچانے کے لیے عوام کو مخالفت پر اکساتے ہیں، معجزات کو سحر بتاتے ہیں اور نبی کے خلاف پروپیگنڈوں اور الزام تراشیوں میں حد سے گزر جاتے ہیں اور پھر سب متحد ہو کر حق کی آواز کو دبانے کی کوشش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ حق و باطل کی یہ کشمکش بالآخر شدید معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت ضروری ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اس دعوت پر ایمان لانے والوں کے عزم و حوصلہ کو ابھارے اور ان کو تیار کرے کہ وہ یکسو ہو کر باطل کا مقابلہ کرنے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان و مال کی قربانی دینے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے حقداروں اور انعام پانے والوں کو چھانٹ لیتا ہے۔ اُس وقت عیسیٰ علیہ السلام ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھے یہودی علماء نے کھل کر مخالفت کی روش اپنائی ہوئی تھی اور اس میں وہ حد سے گزر گئے تھے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے ایمان والوں کو راہِ حق میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی (الصف:۱۴) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان سے اسی بات کا مطالبہ کیا گیا۔ (المائدہ:۱۱۱) ہجرت کے بعد انصار و مہاجرین نے ایمان کی بنیاد پر مل کر حق کا ساتھ دینے والوں کی ایک جماعت تیار کر لی تو دوسری طرف پورا عرب ان کے مقابلے کے لیے صف آرا ہو گیا، لہٰذا اس فیصلہ کن مرحلہ میں ایمان والوں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ بھی انصار اللہ بن کر باطل کے سر پر چوٹ لگانے کے لیے میدان میں اُتریں، ان کا اللہ کے ساتھ جان و مال کے بدلے جنت کا سودا ہے۔ ان کو بتا دیا گیا کہ اس معرکہ آرائی میں اللہ کی مدد ہمیشہ انصار اللہ کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور وہی غالب ہوتے ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہوا، لہٰذا غلبہ بالآخر انہی کو ہو گا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض لوگ ''من انصاری الی اللہ'' کے الفاظ سے غیر اللہ سے استعانت اور استمداد کے لیے جواز نکالتے ہیں جو بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ یہ استمداد تو ماتحت الاسباب ہے نہ کہ مافوق الاسباب، اور ماتحت الاسباب کسی فرد یا جماعت سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے اور یہ انسانی زندگی میں عام معمول ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کو شرک کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد مافوق الاسباب استمداد ہے۔

(۶۵) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ سبق آموز واقعات بیان فرمائے ہیں واضح کر دیا گیا کہ حق و باطل کی معرکہ آرائی میں ایسے ہی مخلص اور جاں فروش ایمان والے تمام مخالفتوں اور مزاحمتوں سے بے پروا ہو کر راہِ حق میں آگے بڑھتے اور ہر قسم کی آزمائش میں نبی کا ساتھ دیتے ہیں، پھر انہی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ باطل کو سرنگوں کر کے ان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ یہاں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپیل پر حواریوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ شہادتِ حق اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں، اور انہوں نے اپنے ایمان کے اس اقرار پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔

(۶۶) مکر کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ یہودیوں کے پیشہ ور علماء نے حکمرانوں کے ساتھ مل کر عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کیں، اتہام طرازی اور پروپیگنڈے کے

ذریعے دعوت حق کو دبانے اور عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کی مزید تفصیل سورہ النساء میں دی گئی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کے سارے چالباز اور سازشی اکٹھے ہو کر دعوت حق کو دبانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے ان کو ناکامی اور پسپائی کا ہی منہ دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی چالوں کو ناکام کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف رفع کر لیا اور دعوت حق کو کامیابی سے نوازا اور بالآخر عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے یہودیوں پر غالب رہے جیسا کہ سورہ صف میں فرمایا کہ ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور وہ غالب ہو گئے۔ (الصف:۱۴)

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں پورا پورا لے لوں گا،[۶۷] اور تمہیں اپنی طرف (جسم کے ساتھ) اٹھالوں گا اور کافروں سے تمہیں پاک کر دوں گا[۶۸] ، اور جو تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک کے لیے فوقیت دوں گا[۶۹] پھر تم سب لوٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے تو میں ان معاملات کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تم آپس میں اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾ پھر جنھوں نے کفر کی روش اختیار کی ان کو میں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دونگا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۵۶﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کو اللہ تعالیٰ پورا صلہ دے گا، اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ﴿۵۷﴾ ہم یہ آیات اور یہ حکمت بھرا بیان تمہیں تلاوت کر کے سنا رہے ہیں ﴿۵۸﴾ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے[۷۰] ، ان کو (اللہ نے) مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا (وجود میں آ گیا) ﴿۵۹﴾ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ﴿۶۰﴾

(۶۷) متوفی دراصل توفی کا اسم فاعل ہے اور اس کا مادہ وفی ہے جس کے لغوی معنی پورا کرنے کے ہیں۔ توفی کے معنی پورا پورا لینا یا پورا پورا دینا ہے، چنانچہ اسی سورہ میں دوسری جگہ آیا ہے تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یعنی تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (آل عمران:۱۸۶) قرینے کے لحاظ سے یہاں یہی معنی درست ہوں گے کہ تمہیں پورا مع الجسم لے لوں گا یعنی اپنی طرف اُٹھالوں گا۔

(۶۸) یہودی علماء اور ان کے پیروکار عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشوں اور باطل پروپیگنڈے میں حد سے گزر گئے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی اور وعدہ فرمایا کہ میں تمہیں ان کی سازشوں اور چالوں سے اپنی حفاظت میں لے لوں گا اور تمہاری یہ مدت پوری ہونے کے بعد تمہیں اپنی طرف اُٹھالوں گا۔ بالآخر یہودیوں کی چالیں ناکام ہوئیں، وہ نہ تو ان کو قتل کر سکے اور نہ ہی صلیب پر چڑھا سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے نبی علیہ السلام کو (زندہ) اپنی طرف اُٹھالیا جیسا کہ سورۂ نساء میں بیان کیا گیا ہے۔ (النساء:۱۵۸)

(۶۹) عیسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ اس معرکۂ حق و باطل میں تمہاری پیروی کرنے والے اور حق کا ساتھ دینے والے ہی بالآخر کامیاب ہوں گے اور باطل پسپا اور نامراد ہوگا، کیونکہ اللہ کی مدد بہرحال، اللہ کے دین کی نصرت کرنے والے انصار اللہ کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ (محمد:۷، الصف:۱۴)، اور اللہ کی نصرت جن کے ساتھ ہو ان پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا (آل عمران:۱۶۰) اللہ کا وعدہ پورا ہوا، نصاریٰ نے یہودیوں پر غلبہ حاصل کیا، ان کی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیا، جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہوا ہے۔

(۷۰) ان آیات کا شان نزول نجران کے عیسائی علماء کے وفد کی نبی ﷺ سے ملاقات ہے، جنھوں نے ایمان و عقائد پر گفتگو کی، بالخصوص عیسیٰ علیہ السلام کے الوہیت کے نظریہ پر۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ معجزانہ پیدائش سے ایک طرف تو یہودیوں کو جواز ملا کہ انہوں نے اخلاق، حیا و غیرت کو پس پشت ڈال کر آپ کے خلاف اتہام طرازی کا طوفان اٹھا دیا تو دوسری طرف نصاریٰ نے اس کو بنیاد بنا کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ بنا ڈالا۔ لہٰذا یہاں مختصراً واقعۂ پیدائش کو بیان کر کے بڑے ہی بلیغ اور مدلل انداز میں یہود و نصاریٰ کے باطل نظریات اور سازشی کردار پر بھرپور چوٹ لگائی گئی، بتایا گیا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ پیدائش کے معاملہ میں بے سروپا اور گمراہ کن تاویلات کی دلدل میں پھنس گئے ہو، اگر قیاس آرائیوں کے بجائے تم آدم علیہ السلام کی تخلیق پر ہی غور کر لیتے تو اس طرح نہ بھٹکتے! آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، مٹی کا پتلا بنا کر اس میں جان ڈال دی ذرا غور کرو کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا تو کیا تم ان کو ابن اللہ مانو گے؟ وہ ابن اللہ ہرگز نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے ابن اللہ ہو گئے؟

امر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے قوانین بنائے ہیں وہ خود ان کا پابند نہیں، اس کے حکم ''کن'' کے آگے قانون بالکل عاجز ہوتا ہے، اور وہ جب چاہے معجزات کی شکل میں مافوق الاسباب مظاہرات پیش کر سکتا ہے، وہ قادر مطلق ہے۔ اور اس کے اذن و مشیت میں نہ تو کوئی مداخلت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی رکاوٹ ڈال سکتا ہے۔ نجران کے عیسائی علماء کے پاس ان دلائل کا بھلا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس صحیح موقف پر آخری مہر ثبت کر دی گئی کہ یہی بات حق ہے، تم اس پر ذرا بھی شک نہ کرنا شک کرنے والے گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝

اب علم آجانے کے بعد بھی اگر کوئی تم سے اس معاملہ میں حجت کرے[۷۱] تو کہدو کہ آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور عورتوں کو، اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور عورتوں کو اور ہم خود بھی آئیں اور تم بھی آؤ اور دونوں فریق (اللہ سے) التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں[۷۲] ﴿۶۱﴾ بلاشبہ یہ سچے واقعات ہیں، اور (یہی حقیقت ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی غالب، حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پھر بھی اگر یہ روگردانی کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے[۷۳] ﴿۶۳﴾

(۷۱) پچھلی آیات میں حقائق و دلائل کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کو رد کیا گیا تھا، اب اسی تسلسل میں بتایا جارہا ہے کہ حق پورے دلائل کے ساتھ واضح کردینے کے بعد اتمام حجت ہوچکا ہے اور ایمان و عقائد اور عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں اب کسی بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے باوجود اگر یہ مباحثہ و مناظرہ کا انداز اختیار کرتے ہیں تو اس کا تو یہی علاج ہے کہ تم ان کو دعوت مباہلہ دے دو۔

(۷۲) اس آیت میں مباہلہ کا ذکر ہے اس لیے اس کو آیت مباہلہ کہا جاتا ہے۔ مباہلہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے اہل و عیال کے ساتھ باہر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر عذاب نازل فرمادے۔ چنانچہ حکم الٰہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو دعوت مباہلہ دی اور انہوں نے اس کو قبول کرلیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا اور اللہ سے دعا کی "اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں" (مسلم: باب فضائل علی رضی اللہ عنہ) بخاری حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو سردار عاقب اور سید، رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کے لیے آئے، ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا "ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہوئے تو نہ ہم فلاح پاسکیں گے اور نہ ہمارے بعد ہماری اولاد"۔ لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی اطاعت کرتے ہیں، آپ جو چاہیں ہم سے طلب کرلیں۔ آپ ہمارے ساتھ ایک امانت دار شخص کو بھیج دیجیے، اور صرف امین ہی کو بھیجیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ پکے اور سچے امین ہی کو بھیجوں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس شرف کے متمنی تھے۔ نبی ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور کہا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔ (بخاری: کتاب المغازی)

یہ بات قابل غور ہے کہ منکرین کا ضمیر تو گواہی دے رہا ہے کہ یہ سچے نبی ہیں، اسی لیے مباہلہ سے گریزاں ہیں، لیکن ضد، کبر و نخوت و انا پرستی قبول حق میں مانع ہے۔

(۷۳) یہ دھمکی کے الفاظ ہیں کہ دلائل کے سامنے لاجواب ہوکر بھی حق ماننے اور قبول کرنے کے بجائے اگر سرکشی سے منہ موڑیں تو اللہ کی نظر میں یہ مفسد ہیں اور اللہ کے عذاب کے مستحق۔ لیکن اہل نجران نے جزیہ دینا اور اسلامی حکومت کے ذمی بن کر رہنے کو ترجیح دی۔

قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَمَآ أُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

تم کہدو کہ اے اہل کتاب، آؤ اس ایک بات[۷۴] کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو بھی رب نہ بنائے[۷۵] پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو کہدو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم[۷۶] (فرمانبردار) ہیں ﴿۶۴﴾ اے اہل کتاب، تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو، تورات وانجیل تو اُن کے بعد ہی نازل کی گئیں، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟[۷۷] ﴿۶۵﴾ اب دیکھو تم نے ایسی بات میں تو جھگڑا کرلیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا، مگر اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں، اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے[۷۸] ﴿۶۶﴾

(۷۴) اُمت میں اختلاف و افتراق شیطانی راستہ ہے اور فتنہ و فساد کی جڑ، چنانچہ قرآن تفرقہ پردازی کو ختم کرکے لوگوں کو ایک اُمت مسلمہ بن جانے کی دعوت دیتا ہے۔ اسی مقصد کے تحت یہاں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ بات اہم اور قابل غور ہے کہ جس اصول کے تحت ان کو اتحاد کی دعوت دی گئی ہے وہ نہ تو کسی سیاسی حکمت پر مبنی ہے اور نہ دنیاوی مفاد پر بلکہ ایمان خالص کے بنیادی نکات ہی اس کی اساس ہیں۔ قرآن میں زندگی کے ہر گوشہ اور پہلو کے لیے رہنما اصول فراہم کردیے گئے جو قیامت تک ایمان والوں کے لیے مشعل راہ ہیں اور دنیا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ۔ بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ہرقل والیٔ روم کو جو خط بھیجا تھا، اس میں انہی آیات کے ذریعے اس کو دعوت حق پیش کی گئی تھی۔ اس نے خط کو پڑھا پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، بلا کر کچھ سوالات کیے۔ جوابات کو سن کر اس نے مان لیا تھا کہ یہ سچے نبی ہیں چنانچہ اس نے اپنی قوم کو بھی دعوت دے کر ہمنوا بنانے کی کوشش کی، لیکن ان کی شدید مخالفت پر اس نے حیلہ سازی کرکے رجوع کرلیا اور اپنے آبائی دین پر ہی رہا۔ اس طرح دنیا کی بادشاہت، جاہ و ثروت اس کے ایمان کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ یہ خلاصہ ہے اس روایت کا۔ (بخاری: کتاب التفسیر)

(۷۵) یہ ہیں وہ تین بنیادی نکات جن پر بات کرنے کی دعوت دی گئی اور جن کا کوئی اہل کتاب عالم اصولاً انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اسی لیے کہا گیا کہ یہ باتیں ہمارے اور تمہارے درمیان برابر یعنی دین میں یکساں اہمیت کی حامل اور قدر مشترک ہیں۔ پہلی

بات یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہوگی اور دوسری یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے گا، نہ ذات وصفات میں اور نہ علم وتصرفات اور نہ حقوق واختیار میں۔ پھر ہر مشکل ومصیبت میں صرف اسی کو پکارا جائے گا، اسی سے بغیر واسطے ووسیلے کے دعا مانگی جائے گی اور خیر وبرکت کی اُمید رکھی جائے گی اور نفع ونقصان کا عقیدہ صرف اُسی ایک ہستی سے وابستہ رکھا جائے گا، شکر گزاری اور نذر ونیاز بھی اس کی ہوگی کسی اور کی نہیں۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ، اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دے کر ربوبیت میں شامل کرلیا ہے، تو یہ باطل عقیدہ ان کو ترک کرنا ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔ نیز شریعت میں کمی وبیشی یا تغیر وتبدل کا اختیار بھی کسی کو نہ دیا جائے گا اور ایسا کرنے والے کو اللہ کا باغی اور طاغوت تصور کرتے ہوئے اس سے برأت کا اظہار اور مکمل اجتناب کیا جائے گا۔

تیسری بات یہ کہی گئی کہ ہم میں سے کوئی کسی کو بھی اللہ کے سوا رب نہ بنائے گا، یعنی نہ تو ہم کسی نبی یا ولی کو کسی بھی طریقے سے اللہ کے ساتھ شریک کریں گے اور نہ علماؤ مشائخ میں سے کسی کی بات کو اللہ ورسول کی بات پر فوقیت دی جائے گی اور نہ اُن کو دین میں کوئی نئی راہ نکالنے (بدعت) کی چھوٹ ملے گی، اور نہ قرآن کے خلاف کوئی عقیدہ ونظریہ اختراع کرنے یا اللہ کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا اختیار ہوگا۔ سورۂ توبہ میں ہے کہ "انہوں نے (اہل کتاب نے) اپنے احبار ورہبان کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے"۔ (التوبۃ:۳۱) عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کے استفسار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمادی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہارے علماء اللہ کے حلال کو حرام قرار دیں اور حرام کو حلال اور تم اُن کی بات مان لو تو یہی ان کو رب بنانا ہے۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن) یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر اس بات پر بھی ذرا غور کرلیں کہ آج ایمان کے دعویداروں، علماء ومفکرین اور سیاست دانوں کی نظر میں ایمان وعقیدے میں مرکزی حیثیت رکھنے والے ان اصولی نکات کی کتنی اہمیت ہے! توحید باری تعالیٰ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اسلامی مملکت کے علماء کا اتحاد تو قبر پرستی اور ہر قسم کے کفر وشرک وبدعات کی بیخ کنی اور قوم کے ایمان وعمل کی مکمل اصلاح کے مرکزی نکتہ پر ہونا چاہیے تھا، لیکن افسوس صد افسوس کہ ان کے یہاں اسی کا فقدان ہے، گویا ایمان وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین مسئلہ کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں جبکہ قرآن انہی نکات کو اتحاد کی اساس قرار دیتا ہے، آج بھی، کل بھی اگر ان کے اتحاد کی بنیادیں ذاتی اغراض ومفاد پرستی، اقتدار کا حصول اور دنیا بٹورنا ہیں!

(۷۶) ایمان خالص کے بنیادی نکات کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا کہ ان اہل کتاب کو واضح کردو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اتحاد کے لیے بنیادی اصول صرف اور صرف ایمان خالص ہے جس کے یہ تین تقاضے پورے کرنے ہوں گے، اگر یہ اس سے منہ پھیرتے ہیں تو صاف کہدو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے اطاعت گزار ہیں، کسی اور کے نہیں، نہ تو کسی مسلک کے اور نہ کسی گروہ کے، اور یہ بات تمہارے مشاہدے میں ہے اور تم اس کے گواہ ہو۔ یہ اگر آج ہٹ دھرمی کی روش اپناتے ہیں تو کل انہیں اللہ کو جواب تو دینا ہی ہوگا!

(۷۷) اہل کتاب ایک طرف تو یہودیت ونصرانیت کے علمبردار تھے تو دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ومحبت کے بھی دعویدار تھے۔ اُن کے اس زعم باطل پر چوٹ لگائی گئی ہے کہ فرقہ یہود تو موسیٰ علیہ السلام پر نزول تورات کے بعد وجود میں آیا اور فرقہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام پر نزول انجیل کے بعد پیدا ہوا، اس طرح یہ دونوں فرقے بہرحال ابراہیم علیہ السلام کے صدیوں بعد معرض وجود میں آئے، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے باطل نظریات کا ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی اسلام سے کوئی جوڑ اور تعلق ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ان کا ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کا دعویٰ سراسر باطل ہے اور اس معاملے میں ان کی بحث وتکرار قطعاً بے بنیاد اور نری جہالت ہے۔

(۷۸) اہل کتاب علماء کی بددیانتی اور فریب کاری پر مزید چوٹ لگاتے ہوئے بتایا کہ تمہیں اپنے دین اور کتاب کا جو تھوڑا بہت علم ہے تو اس پر بحث کرلینے کا تو تمہارے لیے جواز ہے لیکن اس پر بھی تمہارا موقف سراسر باطل اور بے عقلی پر محمول ہے اور تمہارے مشرکانہ عقائد تو تمہاری کتاب کے بھی بالکل برعکس ہیں، لیکن ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے دین کے بارے میں تو تمہیں کوئی علم نہیں اور اس بارے میں تمہاری معلومات اور تمہارے عقائد ونظریات کا ماخذ تو محض تمہارے بڑوں کے اقوال اور خود ساختہ نظریات ہیں، لہٰذا اس پر تمہاری بحث وتمحیص کا تو کوئی جواز ہی نہیں! ذرا غور کرو کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تو وحی الٰہی پر ہی مشتمل ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان کررہے ہیں وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، تمہیں اس پر بلا پس وپیش ایمان لے آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے اور تمہارے بڑوں کے علم وفہم کی کیا حیثیت ہے؟

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَدَّت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ یکسو مسلم تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے[۷۹] ﴿۶۷﴾ بلاشبہ ابراہیم سے سب سے زیادہ قریبی نسبت تو ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اُن کی پیروی اختیار کی ہے[۸۰]، اور اس نبی اور ان پر ایمان لانے والوں کو (زیادہ نسبت ہے)، اور اللہ مومنوں ہی کا دوست ہے[۸۱] ﴿۶۸﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کردے[۸۲]، وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو جبکہ تم ان کے (برحق ہونے پر) گواہ ہو[۸۳] ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب تم حق وباطل کو خلط ملط کیوں کرتے ہو[۸۴]، اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور تم (صحیح وغلط کو) جانتے ہو ﴿۷۱﴾

(۷۹) یہاں یہود ونصاریٰ کی فرقہ پرستی پر ایک اور چوٹ لگائی گئی ہے۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ تم اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہو، اس پر فخر کرتے ہو اور ابراہیم علیہ السلام سے محبت کے بھی دعوے دار ہو، یہ دونوں تو متضاد باتیں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی، وہ تو شرک سے قطعاً بیزار یکسو مسلم تھے اور مشرک نہ تھے۔ انہوں نے تو کفر وشرک اور فرقہ واریت کی بیخ کنی کرنے اور شرک کی علامات کو نیست ونابود کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اور تم کفر وشرک کی نجاست سے آلودہ فرقہ واریت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہو بھلا تمہارا اُن سے کیا تعلق اور اُن کی تم سے کیا نسبت! یہ آیت آج اس کلمہ گو اُمت کے لوگوں کے لیے بھی چشم کشا ہے جو اپنی شناخت کسی نہ کسی فرقہ یا گروہ سے کراتے ہیں اور ان کے عقائد بھی قرآن کی آیات کے خلاف ہیں، شرک سے آلودہ ہیں اور یہود وہنود وغیرہ کی رسومات کو انہوں نے دین میں شامل کیا ہوا ہے، ان کے لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کہاں تک رسالت کے زبانی اقرار اور نبی ﷺ سے محبت کے دعوے میں سچے اور حق بجانب ہیں!

(۸۰) پچھلی آیت کے تسلسل میں اہل کتاب کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے قربت ونسبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تم اُن کے ہم عقیدہ ہو اور اُن کے طریقہ کی پیروی کرو، کفر وشرک سے توبہ کرو، گمراہ فرقوں اور گروہوں سے علیحدہ ہو کر ایک مسلم جماعت میں ضم ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ ملت ابراہیمی کے پیروکار ہی ابراہیم علیہ السلام سے قریبی نسبت کے حقدار ہیں اور جو اس راستہ سے منحرف ہوں تو ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور سراسر باطل ہے۔

(۸۱) مزید بتایا جارہا ہے کہ ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو کہ یہ نبی محمد ﷺ اسی دین ابراہیمی یعنی اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور ان پر ایمان لانے والے اسی ملت ابراہیمی کے پیروکار ہیں، تو اب انصاف کے ساتھ خود ہی فیصلہ کرلو کہ ابراہیم علیہ السلام سے نسبت اور تعلق کس کو ہے! ترمذی کی ایک روایت میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں ہر نبی کے ولی ہوتے ہیں اور میرے ولی میرے باپ اور رب کے خلیل ابراہیم علیہ السلام ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ ...... وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن) قرآن میں نبی ﷺ کو ملت ابراہیم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا: ”پھر ہم نے آپ کو وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ملت ابراہیم کی پیروی کرو، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا“۔ (النحل: ۱۲۳) یہ بھی قابل غور ہے کہ ہم نبی ﷺ پر جن الفاظ میں صلوٰۃ (درود) پڑھتے ہیں، اُن میں ابراہیم علیہ السلام پر بھی صلوٰۃ کا ذکر ہے: اس سے بھی ابراہیم علیہ السلام سے نسبت وتعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اصول واضح کر دینے کے بعد کہ اتباع سنت رسول ہی ایمان کا معیار ہے، یہ فیصلہ بھی سنا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تو مومنوں اور نبی کی پیروی کرنے والوں کو ہی دوست رکھتا ہے۔ یہ بات پہلے بھی زور دے کر کہی جاچکی ہے۔ (ملاحظہ ہو آل عمران: ۳۱) اور یہ بات کہ اللہ مومنوں ہی کا دوست ہے، قرآن میں دیگر مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے، مثلاً: المائدۃ: ۵۵، وغیرہ۔

(۸۲) فرقہ واریت اور قومی عصبیت نے یہود ونصاریٰ کے اندر بغض وعناد کی ایسی آگ بھڑکا دی تھی کہ حق کو جانتے ہوئے بھی انہوں نے روگردانی کر کے مخالفت کی روش اپنائی اور ایمان والوں کو گمراہ کرنا اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔ یہ انسان کی بدبختی ہے کہ وہ ضلالت وگمراہی میں اتنا آگے بڑھ جائے کہ باطل پرستی کا داعی بن کر لوگوں کو راہِ حق سے روکنے اور برگشتہ کرنے لگ جائے! اس طرح وہ حق پر چلنے والوں کو تو بھلا کیا نقصان پہنچائے گا البتہ وہ خود اپنی توبہ، رجوع الی اللہ اور اصلاح کا دروازہ ہی بند کر دے گا!

(۸۳) اہل کتاب کے علماء کو کتاب کا علم تھا، نبی کی بعثت کی بشارت تورات و انجیل میں پڑھ چکے تھے، وہ دعوت حق کو پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، آخرت کی پیشی اور حساب وغیرہ کے مسائل سے لاعلم نہ تھے، اس کے باوجود انہوں نے جانتے بوجھتے انکارِ حق کی سنگین مجرمانہ روش اپنائی جو انتہائی قابل مذمت تھی۔ دراصل اُن کی دنیا پرستی اور آخرت فراموشی نے ان کو بالکل ہی اندھا کر دیا تھا اور وہ اس گمراہی کی راہ پر چل پڑے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

(۸۴) وہ (علماء اہل کتاب) راہِ حق کو چھوڑ کر دین کو پیشہ اور کمائی کا ذریعہ بنا بیٹھے، اُن کے قلب وذہن سے اُخروی فلاح کا تصور مفقود ہوگیا، اور مادہ پرستانہ انداز فکر نے دنیوی مفادات کے حصول کو ہی کامیابی کا ذریعہ اور مقصد حیات قرار دے دیا چنانچہ ان کی عقل وخرد پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اپنے باطل طرز عمل اور مشرکانہ دین کا دفاع کرنے کے لیے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کرنے کو وہ جائز سمجھنے لگے۔ لیکن لوگوں میں علم اور دینداری کے تاثر کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے باطل نظریات میں کچھ حق کی آمیزش بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ اس طرح حق و باطل کی تلبیس کرنا یا حق کو چھپا کر اس جگہ باطل کی پیوندکاری کرنا ان علماء کی سرشت بن گئی تھی۔ ان جرائم کی نشاندہی کر کے یہاں اہل کتاب کو ان سے باز رہنے کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں کھلی اور دوٹوک دعوت حق اور اُن کے باطل نظریات کو رد کرنے والی آیات کا انکار ان کے لیے از بس ضروری تھا۔ یہ مضمون سورہ بقرہ میں بھی آچکا ہے (البقرہ ۴۲)، وہاں روئے تخاطب قوم یہود کی طرف ہے۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

اور اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان والوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس پر دن کے شروع میں ایمان لے آؤ اور آخری حصہ (شام) میں اس کا انکار کر دو شاید وہ (ایمان سے) پھر جائیں [۸۵] ﴿۷۲﴾ اور (کہتے ہیں کہ) جو تمہارے دین کا پیروکار ہے اس کے سوا کسی اور کی بات نہ مانو [۸۶]۔ (اے نبی!) تم کہہ دو کہ ہدایت تو

اللہ ہی کی ہدایت ہے[87]، اور (اس پر بھی یقین نہ رکھو کہ) جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس جیسا کسی اور کو دیا جائے گا[88] یا یہ کہ وہ تمہارے رب کے پاس تم سے حجت کر سکیں گے۔ تم کہدو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بہت ہی وسعت اور علم والا ہے ﴿۷۳﴾ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے[89] ﴿۷۴﴾ اور اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر اس کے پاس تم (دولت کا) ایک ڈھیر امانتاً رکھو تو وہ تمہیں ادا کر دے گا، اور کوئی ایسا ہے کہ اگر اس کے پاس تم ایک دینار رکھو تو وہ بھی تمہیں واپس نہ دے گا جب تک کہ تم ہر دم اس کے سر پر ہی کھڑے نہ رہو۔ یہ (روش) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اِن پڑھ لوگوں (کی حق تلفی) کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں[90] اور (اس بات کو) جانتے ہیں ﴿۷۵﴾ کیوں نہیں! (مواخذہ تو ہوگا) جس نے اپنا عہد پورا کیا اور وہ اللہ سے ڈرا تو اللہ پرہیزگاروں ہی سے محبت کرتا ہے[91] ﴿۷۶﴾

(۸۵) یہاں ان کے مزید سازشی حربوں کا ذکر ہے جو وہ حق کی مخالفت میں استعمال کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ لوگوں کی نظر میں صاحب علم ہیں لہٰذا گر وہ دن کے شروع میں ایمان لا کر شام کے وقت پھر جائیں تو اس سے نئے اور ناپختہ ایمان والوں کے ذہنوں میں شکوک پیدا ہوں گے کہ شاید اس دین میں کچھ خامیاں ہیں اسی لیے یہ علم والے اپنے دین میں پلٹ گئے، اس طرح ان کا ایمان متزلزل ہوگا۔

(۸۶) یہودی علماء اپنے مسلک کے لوگوں کو برابر یہ سمجھاتے رہتے کہ تمہارا دین سچا دین ہے، تم دوسروں کی باتوں میں نہ آنا، وہ تمہیں تمہارے آبائی دین اور بزرگوں کے مسلک سے پھیر دینا چاہتے ہیں...... اس طرح ایک طرف ایمان والوں کو حق سے برگشتہ کرتے اور دوسری طرف اپنے ہم نواؤں کو باطل پر جمائے رکھتے تاکہ وہ دعوت حق کی طرف مائل نہ ہوں تاکہ اُن کے پیشہ اور کاروبار پر چوٹ نہ پڑے اس طرح انہوں نے چندروزہ دنیوی مفادات کے لیے شیطانی کردار اپنا لیا تھا۔

(۸۷) یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔ جس کو درمیان میں لا کر ان کی بے دلیل بات کو رد کر دیا گیا، نبی ﷺ سے کہلوا دیا گیا کہ دراصل اللہ کی بات سچی اور اس کی ہدایت برحق ہے، اس کے مقابلہ میں تم لوگوں کی بات جنھوں نے دین کو محض دنیوی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، قطعاً نامعقول و بے سروپا ہے اور سراسر گمراہی۔ یاد رکھو تمہارے مکر و سازشوں سے کچھ نہ ہوگا، ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ جسکو چاہے عطا فرمائیگا۔

(۸۸) یہ بھی پچھلی بات کے تسلسل میں یہودی علماء کا قول ہے۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو بتاتے کہ تمہیں کسی اور کی بات نہیں سننا کیونکہ جو دین تمہیں ملا ہے وہ کسی کو نہیں ملا اور تمہیں اس بات کا بھی اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ (اہل ایمان) تمہارے خلاف اللہ کی بارگاہ میں حجت قائم کر سکیں گے۔

(۸۹) یہاں ان کے زعم باطل اور سازشی حربے کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو محض تمہاری خوش فہمیاں ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کسی گروہ یا قوم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ یہ تو اسکی حکمت و منشاء پر ہی موقوف ہے، اور جس کو اہل سمجھتا ہے اپنے بے پایاں فضل سے نوازتا ہے اور عزّ و شرف عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت میں بے حد وسعت ہے۔

(۹۰) یہودیوں میں کچھ راست باز اور امانت دار بھی تھے، لیکن ان کی اکثریت بدقماش لوگوں پر ہی مشتمل تھی جن کے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف شدید بغض و کینہ بھرا ہوا تھا اور اس کا اظہار مومنوں کے ساتھ حقارت آمیز رویہ اور لین دین میں اُن کے طرز عمل سے ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مال و زر کے حریص اور بے حد لالچی تھے اور حد درجہ کے خائن۔ ان کی اسی خصلت کی یہاں عکاسی کی گئی ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ یہ لوگوں کی معمولی سے معمولی رقم میں بھی خیانت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ایک دینار قرض یا امانت کو بھی واپس نہیں کرتے جب تک کہ قرض خواہ ان کے سر پر سوار ہو کر ہی اُن سے وصول نہ کرے۔ اور اس کے لیے حیلہ یہ بناتے ہیں کہ ان اُمیوں کی حق تلفی گناہ نہیں ہے اور اس پر ہم سے مواخذہ نہ ہوگا! اگر غور کریں تو ایمان والوں کے ساتھ یہودیوں کے نسلی تعصب کا یہ کھلا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نقاب ہٹا کر یہودیوں کا چہرہ دکھا دیا ہے۔ وہ اپنے مزعومہ علم اور اپنی سیاسی و اقتصادی قوت کے بل بوتے پر بظاہر ان پڑھ اور کمزور ایمان والوں کے مال و جان اور آبرو کو اپنے لیے حلال کیے ہوئے تھے اور اس کے جواز کے لیے پُرفریب حیلہ سازی پر دینی رنگ کا ملمع چڑھایا ہوا تھا۔ کیا یہ تاریخی واقعات آج بھی ہمارے لیے چشم کشا نہیں؟ جاہلانہ اور ظالمانہ تاریکیوں کے ادوار میں یہی اصول کارفرما رہا ہے کہ اقویاء کے لیے اضعفاء کے جان و مال جائز ہیں۔ یہود نواز مغرب آج اسی اصول پر کاربند ہے۔ ان کی حیلہ سازی کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اللہ کے یہاں ظالم و خائن اور حق مارنے والوں کی سخت پکڑ ہوگی۔ یہ بات یاد رہے کہ امانت میں خیانت اور حق تلفی جس طرح اہل ایمان کے ساتھ قابل مواخذہ ہے اسی طرح کافروں و مشرکوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف میں امتیاز اور جانبداری کی قطعاً گنجائش نہیں۔

(۹۱) اُن کی مغالطہ آرائی پر مزید نشترزنی کرتے ہوئے فرمایا کہ کیوں نہیں، مواخذہ تو ضرور ہوگا۔ اللہ رب العالمین عادل حقیقی ہے، اس کے فیصلوں کا انحصار تمہاری خوش فہمیوں پر نہیں بلکہ اس کے عادلانہ اصولوں پر ہے۔ جس نے بھی اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا اور صحیح معنوں میں ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے پرہیزگارانہ زندگی گزاری تو وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ سے بچے گا بلکہ وہ اللہ کی محبت کا مستحق ٹھہرے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے حقیر قیمت وصول کرتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ ان سے نہ تو کلام کرے گا، نہ روز قیامت ان کی طرف دیکھے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے[۹۲] ﴿۷۷﴾ اور ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب کو پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتے ہیں[۹۳] تاکہ تم اس کو کتاب کی عبارت سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتی، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور اس کو جانتے ہیں ﴿۷۸﴾ کسی بشر کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ[۹۴] بلکہ (وہ کہے گا کہ) تم اللہ والے بنو، جیسے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور (خود بھی) پڑھتے رہتے ہو ﴿۷۹﴾ وہ اس بات کا حکم تو نہ دے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کو رب بنالو! کیا وہ تمہیں مسلم ہونے کے بعد کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟[۹۵] ﴿۸۰﴾

(۹۲) اہل کتاب کے علماء اللہ سے کیے ہوئے عہد سے ناواقف نہ تھے، اللہ کو رب مان لینے کے بعد وہ اس بات کے پابند تھے کہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب کی پیروی کریں، اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اس کا ساتھ دیں۔ لیکن آخرت سے بے پرواہی، مال وزر کی حرص وطمع اور دین کے معاملہ میں ان کی غیر سنجیدہ روش نے انھیں راہ حق کی طرف آنے سے روک دیا تھا۔ وہ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو کر مالی لین دین اور کاروبار میں اپنے مفادات کی خاطر جھوٹی قسمیں کھانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ اس گناہ کی شدت کا اندازہ نبی ﷺ کی اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جو کسی مسلم کا مال مارنے کی غرض سے جھوٹی قسم کھائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس بات کی تصدیق فرمائی۔ (بخاری: کتاب التفسیر) ایک دوسری روایت میں آپ کا فرمان ہے کہ تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا سودا بیچتا ہے (مسلم: کتاب الایمان، باب تنفیق السلعة)

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسے مال وزر کے دیوانے اور نفس کے بندے جو بدعہدی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرتے رہیں اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال و دولت کے حصول کو ہی زندگی کا مقصد بنالیں تو ایسے ایمان سے عاری اور کبیرہ گناہوں میں ملوث لوگوں کا بھلا آخرت میں کیا حصہ ہوگا، اور وہ رب کریم سے شرف کلام کے مستحق کیسے ہوسکتے ہیں! اللہ تعالیٰ اُن کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرے گا، اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا بلکہ وہ المناک عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ العیاذ باللہ!

(۹۳) کتاب اللہ میں لفظی اور معنوی تحریف کے علاوہ اہل کتاب کے علماء کی پیشہ ورانہ فریب کاری کا ایک اور انداز سامنے آرہا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ کتاب اللہ کو پڑھتے ہوئے زبان کو اس طرح مروڑتے کہ سننے والا اصل متن کے بجائے کچھ اور سنے اور اس کو اس طرح سمجھے جس طرح یہ چاہیں۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی کہی ہوئی بات کو کتاب اللہ کی بات سمجھ لیا جائے، چنانچہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے مختلف حربوں میں سے ان کا ایک حربہ یہ بھی تھا تاکہ اس طرح اپنے مطلب کی بات کو کتاب اللہ کی بات ثابت کریں اور اپنے مفادات اور باطل نظریات کے لیے کتاب اللہ کی تائید فراہم کریں۔ ان علماء کا اللہ کی پکڑ سے بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ سے غلط باتیں منسوب کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہ کرتے۔ اس امت کی بدنصیبی کہ اس کے پیشہ ور علماء بھی اس فن میں اہل کتاب کے علماء سے کسی طرح پیچھے نہیں! اس کی متعدد مثالیں ان کے مرتب کردہ قرآن وحدیث کے ترجموں اور حاشیوں میں مل جائیں گی جیسا کہ اشرف علی تھانوی کا پیچھے نقل کردہ یہ قول کہ قرآن کی آیت: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ میں ضمیر متکلم کا مرجع نبی ﷺ کی ذات ہے (امداد السلوک: صفحہ ۹۳)۔ نبی ﷺ کے بشر نہ ہونے کے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے ان مسلک پرستوں کے خطیب برسر منبر سورہ کہف کی آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ...... میں "اِنَّ" اور "مَا" کو علیحدہ کرکے پڑھتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں کہ "کہو میں نہیں ہوں تمہارے جیسا بشر" جو اصل کے بالکل برعکس ہے۔ اصل ترجمہ تو یہ ہے کہ "کہو کہ میں تمہارے جیسا ہی بشر ہوں"۔ ان کے اس ترجمہ کو اسی طرح لیا جائے تو قرآن کی متعدد آیات کے مفہوم بالکل الٹ ہوجائیں گے، حرام حلال اور حلال حرام ہوجائے گا، شرک توحید میں اور توحید شرک میں بدل جائے گی جیسے فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ، قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ...... وغیرہ

(۹۴) یہ ان احبار ورہبان کے طرز عمل پر زبردست طنز ہے جو کتاب اللہ کی تعلیمات کو چھپا کر اپنے خود ساختہ باطل عقائد ونظریات پر مشتمل مسخ شدہ دین کو لوگوں پر مسلط کردیتے ہیں۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ ایک طرف تو رسالت کا اقرار اور حب رسول کا دعویٰ کرنا اور پھر کفر وشرک وبدعات میں حد سے تجاوز کر جانا، خود اللہ کے رسول کو ابن اللہ قرار دے کر اللہ کی ذات میں شریک کرلینا، اس کی صفات واختیارات میں شریک کرکے اس کی بندگی شروع کردینا، یہ تم لوگوں نے کونسا دین اپنایا ہوا ہے اور کس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو! یہ اللہ اور اس کے رسول کا بتایا ہوا دین تو ہو نہیں سکتا۔ کیا اللہ کا رسول اللہ کی طرف سے علم وحکمت سے نوازے جانے کے بعد منصب نبوت پر فائز ہو کر اپنی قوم کو یہ سکھائے گا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کریں، اس کو اللہ کی ذات وصفات اور اختیارات میں شریک کریں، اس کو ابن اللہ اور "نور من نور اللہ" بنائیں، عالم الغیب ٹھہرائیں، پھر اس کی نذر ونیاز کریں اور بدعات ورسومات ہی کو دین بنالیں! بلکہ وہ تو یہی دعوت دے گا کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے احکامات کی پیروی کرو۔ اللہ کا یہ نبی خود اپنی ان تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرکے دکھائے گا۔ اس پر نازل شدہ کتاب کی یہی تعلیم ہے جس کو یہ علماء خود پڑھتے اور لوگوں کو اس کا درس دیتے ہیں۔

(۹۵) ان کو غور کرنا چاہیے کہ کیا اس کی شریعت میں، اس پر نازل شدہ کتاب ہدایت میں اور اس کی دی ہوئی تعلیمات میں کہیں یہ احکامات ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اس کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو، اُن کو مدد کے لیے پکارو، خود تراشی ہوئی ان کی مورتیوں کو اور قبروں کو آستانے بنا کر وہاں حاضریاں دو، عقیدت کا اظہار کرو اور اُن کے گرویدہ یا مجاور بنے رہو؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ خالص اللہ کی بندگی کی دعوت دینے والا نبی ﷺ الٰہ واحد پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے والے مسلم بندوں کو کفر کی تعلیم دینے لگ جائے!! ان آیات نے ایک نہایت ہی اہم اصول اور کلیہ بیان

کر دیا۔ اگر کسی کا قول یا کسی کتاب کی تعلیم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کی ترغیب دے یا عقیدہ بیان کرے یا کسی نبی یا ولی کو اللہ کا مدمقابل ٹھہرائے، اس کا مقام و درجہ اللہ کے برابر تک پہنچائے تو وہ یقیناً نبی کی تعلیم کے خلاف اور سراسر باطل قرار دی جائے گی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جس طرح اہل کتاب کے علماء کے ہاتھوں دین کی شکل بگڑی تھی، اس امت کے علماء نے اس مشن کے سرانجام دینے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ذات وصفات اور اختیار کے شرک پر مبنی عقائد مختلف فرقوں کے عقائد کی کتابوں میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہیں، اور ان کے ملفوظات کی کتابیں تو یہ کارنامہ سرانجام دینے میں اپنی مثال آپ ہیں! یہاں تک کہ انہوں نے قرآن وحدیث میں لفظی ومعنوی تحریف کے ذریعے بھی اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور موضوع ومنکر روایات کے ذریعہ ذات میں شرک کا عقیدہ بھی گھڑ لیا ہے!

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْھًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا[96] کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور اس کتاب کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تمہیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور اسکی نصرت کرنا ہوگی۔ (پھر ان سے) کہا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور میرے اس عہد کا ذمہ لیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ﴿۸۱﴾ پھر اس کے بعد جو بھی (اس سے) پھر گیا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں[97] ﴿۸۲﴾ کیا یہ اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں[98]، حالانکہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب خوشی یا ناخوشی سے اسی کے تابع فرمان ہے، اور یہ اسی کی طرف لوٹائے جائینگے ﴿۸۳﴾ (اے نبی!) کہدو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا ہے، اور جو ابراہیم واسماعیل، اسحٰق ویعقوب اور انکی اولاد پر نازل ہوا، اور جو موسیٰ، عیسیٰ اور (دیگر) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا، اور ان کے درمیان کسی میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں[99] ﴿۸۴﴾ اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا[100] ﴿۸۵﴾

(۹۶) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ اگر تمہاری زندگی میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث ہو، اور وہ تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے تو تم اس نبی پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ اس تاکیدی حکم کے بجالانے کی ان سے توثیق کرائی گئی اور شہادت بھی لی گئی۔ یہ حکم ہر نبی کی امت پر بھی بطریق اولیٰ نافذ العمل ہے۔

(۹۷) اس میثاق کی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس میثاق کے بعد ہر نبی کے اُمتی اس حکم پر عمل پیرا رہنے کے پابند ہیں، روگردانی کرنے والے نافرمان اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ اس آیت میں اہل کتاب کے لیے سخت تنبیہ ہے کیونکہ وہ اس حکم کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہیں (اگرچہ کفار مکہ بھی خطاب میں شامل ہیں) اس کے مطابق یہودی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کا ساتھ دینے کے پابند تھے لیکن انہوں نے روگردانی کی اور پھر یہود ونصاریٰ آخری رسول محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے اور نقض عہد کے مرتکب ہو کر فاسق بلکہ کافر قرار دیے گئے اور اس طرح دین اسلام ہی سے نکل گئے۔ دراصل نبی برحق پر ایمان نہ لانے کی وجہ اُن کا صدیوں کا بگاڑ، ایمان وعقیدہ میں کفر وشرک کی ملاوٹ، دنیا پرستی اور مال وزر کی حرص وطمع جیسے عوامل تھے۔ ان ظالموں نے اپنے مفاد کی خاطر حرام کو حلال کرنے اور باطل موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اپنی کتابوں میں تحریف تک کر ڈالی تھی۔ قومی ومسلکی تعصب اور باطل موقف پر ضد وہٹ دھرمی سے عناد قبول حق میں رکاوٹ تھا اور اس کے لیے انہوں نے دلیل اور جواز محرف کتابوں سے پیش کرنے کی کوشش کی اور لوگوں کو بہکایا کہ ہم اس کو کیسے قبول کریں، یہ دعوت تو ہمارے اکابرین کے ایمان وعقیدے اور ہماری کتابوں ہی کے خلاف ہے! یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول ﷺ سے قبل انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا جاتا رہا اور انہوں نے بعد والے نبی کی بشارت بھی دی لیکن آپ ﷺ سے ایسا نہ کوئی عہد لیا گیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی آنے والے نبی کی بشارت دی کیونکہ سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہو گیا تھا۔ پچھلے انبیاء کے عہد کا تو ذکر پچھلی آیت میں ہے، نبی ﷺ سے عہد کا کہیں ذکر نہیں۔ قرآن وحدیث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی مبعوث نہ ہوگا۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرب قیامت ان کا نزول ہوگا اور وہ اسی شریعت کی اتباع کریں گے۔

(۹۸) بتایا جا رہا ہے کہ دین اسلام کے پیروکار تو مذکورہ میثاق کے تحت اس حکم پر عمل درآمد کرنے کے پابند ہیں، تو اب اس سے انحراف کرنے والے بھلا کس طرح مسلم رہیں گے؟ اہل کتاب کو جھنجوڑا گیا ہے کہ یاد رکھو، اللہ کا پسندیدہ دین دین اسلام ہے اور پوری کائنات طوعاً وکرہاً اسی پر عمل پیرا ہے۔ ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھو، یہ کائنات، اس کے تمام عوامل اور مخلوقات عالم، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں، کوئی اس کی اطاعت سے سرِ مو انحراف نہیں کرتا، پھر تم اس کے دین سے روگردانی کرکے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟ سورۂ رحمٰن میں اس بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اے گروہ جن وانس اتمہارے اندر اتنی سکت نہیں کہ حدود کائنات سے فرار ہو سکو یعنی تم میں اتنی قوت کہاں ہے کہ اللہ کی اطاعت سے گریز کرکے اس کی پکڑ سے بچ سکو!

(۹۹) یہاں دین اسلام کی حقانیت پر مزید زور دیتے ہوئے استدلال کو وسعت دی گئی اور نبی ﷺ سے کہلوایا گیا کہ آپ ان کو بتا دیں کہ ہم نہ صرف اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے بلکہ ہم پچھلی کتابوں اور صحیفوں پر بھی لائے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی تھیں۔ وہ سب اللہ کے سچے نبی تھے اور ان پر نازل شدہ آسمانی کتابیں دین اسلام پر ہی مشتمل تھیں۔ اس بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم ان سب کو اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان پر نازل شدہ کتب کو برحق سمجھتے ہیں اور ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے (البقرہ:۲۸۶)، البتہ ہم آخری نبی ﷺ کی شریعت ہی کے پیروکار ہیں، اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن اللہ کے آخری رسول ﷺ پر نازل شدہ کتاب ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، اور یہ شریعت قیامت تک نافذ العمل ہے۔

(۱۰۰) پچھلی آیت میں جامع انداز میں استدلال کو سمیٹ دینے کے بعد یہاں دو ٹوک فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطلوبہ دین اسلام ہی ہے، ہر نبی نے اسی دین کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر اس دین کی تکمیل فرما دی ہے (المائدۃ:۳) اس میں اب کسی بھی قسم کے رد و بدل یا کمی و بیشی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، اور قیامت تک یہی دین نافذ العمل رہے گا۔ لہٰذا اب ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کا تو کسی اور طرف ذرا بھی میلان نہ ہونا چاہیے، ان کے لیے دائمی خسارے سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے بلا پس و پیش ایمان کا اقرار کر لیں اور قومی و مسلکی عصبیت کا شکار ہو کر روگردانی کی روش نہ اپنائیں ورنہ ان کے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے اور وہ دائمی خسارہ کے گڑھے میں ڈال دیے جائیں گے!

یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کا منبع اور سرچشمہ قرآن اور صحیح احادیث ہیں جو تا قیامت محفوظ ہیں، اس سے ہٹ کر نہ تو کوئی دین قابل قبول ہوگا اور نہ ایمان و عقیدہ میں کوئی تبدیلی، اور سنت سے ہٹ کر ہر بدعت و رسم قابل رد ہوگی (بخاری: کتاب الصلح)، اور ایسا کرنے والے دین اسلام سے منحرف سمجھے جائیں گے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن و حدیث کے خلاف ہر نظریہ و نظام خواہ وہ جمہوریت کا طاغوتی نظام ہو یا اشتراکیت وغیرہ کے بے دینی پر مبنی نظریات ہوں، قابل رد ہوں گے اور ایسے نظریات پر اسلامی لیبل لگا کر قابل قبول بنانے کی کوشش بھی محض فریب کاری سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اسلامی شریعت کے مقابلے میں تصوف کا نظام طریقت جس کے نظریات و اعمال قرآن و حدیث سے یکسر خلاف بلکہ قرآن و حدیث کا سراسر مذاق ہیں، قطعاً مردود ہے۔ ایسے نظریات پھیلانے والے طواغیت سے مکمل برأت و اجتناب کا رویہ اپنایا جائے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لا کر کافر ہو گئے[۱۰۱]، جبکہ وہ اس کی گواہی بھی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس اس کی واضح نشانیاں بھی آ گئی تھیں۔ اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۸۶﴾ ان کی تو سزا ایسی ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو، فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت ہو ﴿۸۷﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کو مہلت ملے گی[۱۰۲] ﴿۸۸﴾ سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کر لیں، تو یقیناً اللہ بہت زیادہ مغفرت فرمانے اور رحم فرمانے والا ہے[۱۰۳] ﴿۸۹﴾ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھتے ہی رہے، اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، اور یہ لوگ ہیں ہی گمراہ[۱۰۴] ﴿۹۰﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے، تو ان میں کسی سے بھی زمین بھر سونا بھی فدیہ میں قبول نہ کیا جائے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا[۱۰۵] ﴿۹۱﴾

(۱۰۱) جو شخص دعوت حق پر ایمان لا کر دین اسلام کو قبول کر لے، اور پھر دانستہ محض بغض و عناد، انا پرستی یا دنیاوی مفاد کی خاطر دین سے پھر جائے تو ایسا شخص اصطلاحاً مرتد ہوتا ہے اور اس کا یہ عمل ارتداد کہلاتا ہے۔ ایمان کی نعمت پا کر پھر اس کو ٹھکرا دینا بڑی ہی بدنصیبی کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات اور کتاب اللہ کی آیات میں کھلی نشانیاں اور واضح دلائل دیکھ لینے کے باوجود ایمان کی ناقدری اور غیر سنجیدہ روش ان لوگوں کی ہی ہوتی ہے جو یوم حساب سے غافل ہوں اور خواہشات نفس کی تکمیل کو زندگی کا مقصد قرار دے لیں۔ ایسے لوگ اس نعمت کے اہل نہیں ہوتے اس لیے ان سے یہ نعمت بالآخر چھین لی جاتی ہے۔ ایسے لوگ کسی اور کا نقصان نہیں کرتے، اپنی ہی آخرت برباد کر کے اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم اور پھٹکار زدہ ہو کر دائمی خسارہ کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ فرمان رسول ﷺ ہے کہ من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه (ابوداؤد: کتاب السنة فی قتل الخوارج) "جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ نکال پھینکا"۔

اس سورۃ میں آگے آنے والی آیات میں آخرت کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دن کا خیال کرو جبکہ کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ سیاہ، تو سیاہ چہرے والوں سے کہا جائے گا کہ کیا تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے، تو لو چکھو اب کفر کی روش اختیار کرنے کا مزہ؛ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (آل عمران:۱۰۶،۱۰۷) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہود و نصاریٰ جو آخری نبی ﷺ کی بعثت کا اپنی کتابوں کے حوالہ سے ذکر کرتے تھے اور نبی ﷺ کی نبوت کی نشانیاں بھی انہوں نے دیکھی تھیں، اور اُن میں سے بعض ایمان لے بھی آئے، اس کے باوجود ان کے دنیوی مفادات، ضد اور تعصب نے انہیں ایمان لانے کے لیے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ان آیات میں اُن کی ہٹ دھرمی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے شدید انذار و تنبیہ ہے۔

وضاحت: دینِ حق قبول کر کے اس سے پھر جانے یعنی دوبارہ کفر اختیار کرنے والا شخص اصطلاحاً مرتد کہلاتا ہے جس کے عقائد اسلامی عقائد سے متصادم ہوتے ہیں جیسے کوئی مسلمان عیسائیت یا قادیانیت اختیار کر کے اسلام کے بنیادی عقائد سے منحرف ہو جائے۔ تاہم اس اصطلاح میں وہ شخص بھی داخل ہوگا جس کے عقائد اگرچہ اسلام کے عین مطابق ہی ہوں مگر وہ اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو کافر گردانتا ہو کیونکہ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنے والے کی طرف کفر پلٹتا ہے (بخاری: کتاب الادب) یعنی وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اور ایمان دار ہونے کے بعد کافر ہونا ہی مرتد ہو جانا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ بھی مرتدین کے زمرے میں داخل ہیں جو بظاہر یا واقعتاً عقیدے کی کسی خرابی میں مبتلا نہ ہوں مگر صحیح العقیدہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہوں۔

(۱۰۲) یہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسلام قبول کر کے پھر جانے والے کتنے بڑے مجرم ہیں۔ دراصل یہ دوسرے کفار و مشرکین سے بھی زیادہ سنگین جرم کے مرتکب ہیں، کیونکہ انہوں نے تو ایمان لانے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے کتاب اللہ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے آئینہ میں ایک طرف تو ایمان خالص کے خوش آئند نتائج، جنت کی دائمی اور بیش بہا نعمتوں کا اور دوسری طرف جہنم کی ہولناکیوں کا چشمِ دل سے مشاہدہ بھی کر لیا تھا، پھر بھی فریبِ نفس کا شکار ہو کر روگردانی کی روش پر چل پڑے۔ ان بدبختوں نے ہدایت کی جگہ گمراہی اور اللہ کی رحمت و مغفرت کے مقابلہ میں اُسکے قہر و غضب اور دنیا و آخرت کی دائمی ذلت و رسوائی کو پسند کر لیا لہٰذا ان کے لیے نہ تو مزید مہلت ہے اور نہ عذاب کی شدت میں کوئی کمی۔

(۱۰۳) گزشتہ سطور میں کی گئی تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مرتد ہونے والوں کی توبہ و رجوع کرنے کا امکان کم ہوتا ہے، تاہم اگر ان میں کچھ ایسے ہوں جن کے اندر ایمان کی قدر و قیمت کا کچھ احساس پیدا ہو جائے اور وہ اپنے نفس، خارجی دباؤ اور شیطانی ترغیبات پر قابو پا کر توبہ کر لیں اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی اصلاح کر کے ایمان والوں میں دوبارہ شمولیت اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ کا دامنِ رحمت و مغفرت تو بہت ہی وسیع و کشادہ ہے۔ سچی و مخلصانہ توبہ و انابت الی اللہ سے پچھلے گناہوں کی تلافی ممکن ہے۔ سورۂ بقرہ میں سچی توبہ کی شرائط میں یہ بتایا گیا ہے کہ توبہ و اصلاح کے ساتھ ہی بیانِ حق بھی کر دیں۔ (البقرہ: ۱۶۰) مومنوں میں اعلانِ رجوع کرنے سے دلوں میں ان کا کھویا ہوا مقام، محبت و احترام بحال ہو جاتا ہے۔

(۱۰۴) ایمان لا کر پھر جانا اور بغاوت و سرکشی اور حق کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں آگے بڑھتے رہنا، اللہ کے رسول اور ایمان والوں کے خلاف پروپیگنڈے اور سازشوں میں سرگرمی اللہ کے قہر و غضب کو بھڑکانے کا انداز ہے، اس سے ایک طرف تو وہ اپنے لیے رجوع و توبہ کا راستہ بند کرتے ہیں تو دوسری طرف ایمان خالص کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کو ہی اپنا مقصدِ وجود قرار دے لیتے ہیں اور اس کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کرنا جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ جس کام کو پہلے ناجائز سمجھتے تھے، اب بڑی بے باکی سے کر گزرتے ہیں اور کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس طرح جرم پر جرم اور گناہ پر گناہ کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں اور گمراہی میں اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ یہ نفس کے پرستار خود طاغوت بن جاتے ہیں، اور مومنوں کی جماعت میں فتنہ و انتشار کے جراثیم پھیلانے لگتے ہیں۔ مرتد کے لیے شدید اُخروی عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور اسلامی ریاست میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مرتدین کے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کٹوا دیے، ان کی آنکھوں میں دہکتی سلائیاں پھروا دیں اور ان کے زخموں کو داغے بغیر اسی طرح مدینے کی پتھریلی زمین پر پیاسا تڑپ تڑپ کر مرنے دیا۔ (بخاری: کتاب المحاربین) حالانکہ آپ ﷺ تو رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین تھے، کسی کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے، مگر مرتدین کے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہیں کی گئی کہ ان کا جرم بہت ہی سنگین تھا۔

(۱۰۵) آج یہ دنیا کے ناپائیدار مفادات اور متاعِ قلیل کے حصول کی خاطر اللہ کی مغفرت اور اُخروی فلاح کو بے جھجک داؤ پر لگا رہے ہیں، لیکن کل جب دنیا کی زینت و دلفریبی کا پردہ گرے گا اور آخرت کا ہولناک منظر سامنے ہوگا تو یہ چاہیں گے کہ کرۂ ارض کے برابر سونا اللہ کی بارگاہ میں پیش کر کے اپنے عذاب میں کچھ کمی کرا لیں، ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے کم عذاب والے جہنمی سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا "اگر تیرے پاس وہ سب کچھ ہو جو دنیا میں ہے تو کیا اسے تو اپنے لیے فدیہ میں دے دے گا؟" وہ کہے گا کہ "ہاں" تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا "جب تو آدم کی پشت میں تھا تو میں نے تجھ سے اس سے آسان تر بات طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو نے نافرمانی کی اور شرک پر ہی جما رہا"۔ (بخاری و مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ صفۃ اہل النار)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞

تم ہرگز نیکی نہ پا سکو گے جب تک (اللہ کی راہ میں) وہ خرچ نہ کرو جو خود پسند کرتے ہو[۱۰۶] اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ کو خوب معلوم ہے ﴿۹۲﴾ بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے حلال تھے سوائے اُن کے جو تورات نازل ہونے سے قبل یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے[۱۰۷] تم کہہ دو کہ لے آؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو ﴿۹۳﴾ پھر اس کے بعد جو کوئی اللہ پر جھوٹ باندھے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں[۱۰۸] ﴿۹۴﴾ تم کہو کہ اللہ نے سچ کہا ہے، پس تم ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو جو یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے[۱۰۹] ﴿۹۵﴾ بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے[۱۱۰] وہ برکت والا ہے اور دنیا والوں کے لیے ہدایت (کا مرکز) ہے ﴿۹۶﴾ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے[۱۱۱] جو اس (گھر) میں داخل ہوگا وہ امن پائے گا۔ اور لوگوں میں جو اس کے سفر کی استطاعت رکھتے ہوں اُن پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج فرض ہے، اور جو کفر کی روش اختیار کرے گا[۱۱۲] تو اللہ (سب) دنیا والوں سے بے نیاز ہے[۱۱۳] ﴿۹۷﴾

(۱۰۶) پورے شعور و خلوص کے ساتھ ایمان کا اقرار کرنے والے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اب انہوں نے اپنے رب سے جان و مال کے عوض جنت کا سودا کر لیا ہے، چنانچہ اللہ کی دی ہوئی جان اور اس کا عطا کیا ہوا مال اس کی مرضی کے مطابق ہی استعمال کیا جائے گا۔ اس طرح اللہ کی رضا کا حصول ان کی زندگی کا اولین اور اہم ترین مقصد بن جاتا ہے۔ ان مخلص مومنوں کو یہ اصول بتایا گیا ہے کہ برّ و تقویٰ کا مطلوبہ معیار حاصل کرنا ممکن ہی نہیں جب تک تمہارے اندر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو کہ اللہ کی راہ میں نہ صرف حلال اور طیب مال ہی خرچ کرنا ہے، بلکہ وہ مال خرچ کرنا ہے جو تمہیں زیادہ پسند ہو۔ سچے اور مخلص ایمان والوں کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں ردّی اور غیر پسندیدہ مال دیں! (مزید وضاحت، البقرہ:۲۶۷) اسی حکم کے تحت ابوطلحہ ؓ نے اپنا پسندیدہ ترین باغ بیرحا صدقہ کر دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰۷) یہودی یہ الزام تراشی کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو حرام چیزوں کو بھی حلال کر لیا ہے، اُن کو بتایا گیا اُن کا یہ اعتراض سراسر باطل ہے۔ بنی اسرائیل پر تو سب طیب اشیاء حلال تھیں، البتہ تورات کے نزول سے سالہا سال قبل یعقوب ؑ نے خود اپنے اوپر (کسی عذر کے تحت) بعض اشیاء کو ممنوع کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ یہودیوں پر اُن کی باغیانہ روش کے سبب بعض حلال کھانے بطور سزا حرام کر دیے گئے تھے، (النساء:۱۶۰) ان کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے، (الانعام:۱۴۶) اُن کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو لے آؤ تورات اور اُس سے ثابت کرو کہ اُن چیزوں کو کہاں حرام کیا گیا ہے جن کو تم حرام کہتے ہو؟ دراصل تم نے خود ہی ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، لہٰذا شریعت ابراہیمی کو بدل ڈالنے کے مجرم تو تم خود ہی ہوئے!

(۱۰۸) اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنا اور حرام کردہ اشیا کو حلال قرار دینا شریعت الٰہی میں تبدیلی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا افتراء پردازی کی بدترین مثال ہے اور بلاشبہ انتہائی قابل مذمت اور ظالمانہ روش ہے۔ علمائے اہل کتاب یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں جس کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے پیروکار ان علماء کے خود ساختہ اور خلاف شرع احکامات کو بے چون و چرا مان کر ان کو "أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ" بنا لیتے ہیں، (التوبہ:۳۱) اس کلمہ گو اُمت کے احبار و رہبان بھی ان علمائے اہل کتاب سے کسی طرح کم نہیں اس کے شواہد مناسب مواقع پر فراہم کیے جائیں گے۔

(۱۰۹) رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی کی بات سچی ہے اور اس کے خلاف ہر بات جھوٹی ہے۔ مزید بتایا گیا کہ ابراہیم ؑ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی شریعت ہی کے پیروکار تھے، وہ سچے اور یکسو مسلم تھے اور قطعاً مشرک نہ تھے بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے۔ انہوں نے تو ایمان خالص کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا تھا۔ اُن کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا بہترین نمونہ تھی، لہٰذا تم ان کے ہی طریقہ کی پیروی کرتے رہو، اس سے ہٹ کر راستہ اختیار کرنے والا ابراہیم ؑ سے تعلق و نسبت اور محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

(۱۱۰) مکہ میں بیت اللہ ساری دنیا کے ایمان والوں کی عبادت، حج، طواف و سعی کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہے، اور تمام ایمان والوں کی بین الاقوامی مرکزیت کو قائم کرنے والا پہلا گھر ہے۔ ابراہیم ؑ نے اللہ کے حکم سے اس گھر کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کیا تھا۔ اس طرح یہودیوں کے اس اعتراض و پروپیگنڈے کی تردید کر دی گئی کہ بیت المقدس قبلۂ اول ہے۔

(۱۱۱) اللہ تعالیٰ نے حرم کعبہ کو ابتدائے آفرینش سے مقدس و محترم بنایا ہے، اور شروع ہی سے یہ ساری دنیا کے ایمان والوں اور انبیاء ؑ کی اُمتوں کے لیے ایک مرکز کی شکل اختیار کیے رہا ہے ابراہیم ؑ اور اسماعیل ؑ کے ہاتھوں اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے اس کے نمایاں مقام و مرکزی حیثیت کی تجدید کرا دی گئی۔ اس کی حرمت، امتیازی حیثیت اور اس کے تقدس کے شواہد و دلائل اور اس کی واضح نشانیاں لوگوں کے علم و مشاہدے میں رہی ہیں اور ہر دور میں اس کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ ابراہیم ؑ کا اپنے شیر خوار بیٹے اور اپنی بیوی کو صرف اور صرف اللہ پر توکل کرتے ہوئے مختصر خورد و نوش کے سامان کے ساتھ اس بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ جانا، وہاں چشمۂ زمزم کا یکایک جاری ہو جانا، آب زمزم کا غذائیت سے بھرپور اور متعدد بیماریوں کے لیے شفا ہونا اور اتنی افراط میں ہونا کہ لاتعداد افراد کے لیے کافی ہو، حرم کعبہ کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی اہتمام، ابرہہ کے لشکر اصحاب الفیل کی معجزانہ ہلاکت و تباہی، چاروں طرف فتنے اور قتل و غارتگری کے ماحول میں کعبہ کا دارالامن ہونا، یہ اُن واقعات میں سے ہیں جن کا انکار ممکن نہ تھا۔ بخاری عبداللہ ابن عباس ؓ سے ایک روایت لائے ہیں جس میں نبی ﷺ نے مکہ کی حُرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا جس دن کہ زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی یہ حُرمت قیامت تک قائم رہے گی، (بخاری، ابواب العمرۃ) اس میں ایک نشانی مقام ابراہیم ہے، وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم ؑ نے کعبہ کی دیواروں کو اونچا کیا تھا۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت صلوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ (البقرۃ:۱۲۵) یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر ذرا اس بات پر بھی غور کر لیا جائے کہ بیت اللہ کی حرمت، امتیازی حیثیت اور آفاقی مرکزیت تو مسلّم ہے، قرآن و حدیث نے اس کو واضح کیا ہے اور ہر مومن کے دل میں کعبۃ اللہ کا احترام و تقدس ہونا لازم ہے لیکن اس کے مقابلے میں نبی ﷺ کی قبر کی مٹی جو نبی ﷺ کے "جسد اطہر" سے مس ہو رہی ہے، اس کو کعبۃ اللہ سے کس طرح اعلیٰ و افضل قرار دیا گیا ہے، وہ بھی اپنی مثال آپ ہی ہے:

"وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کیے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔" (عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، صفحہ ۲۱۹)

کیا یہ نہ صرف کعبۃ اللہ بلکہ رب کریم کے عرش عظیم کی تحقیر اور اُس کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں؟

(۱۱۲) اسلام کی بنیاد جن پانچ ارکان پر ہے ان میں پہلا رکن اللہ اور رسول پر ایمان کا اقرار ہے اور پانچواں حج ہے جو بشرط استطاعت ہے۔ لہٰذا ایمان کا اقرار کرنے کے بعد جو بھی صاحب استطاعت ہو، یعنی اپنے گھر والوں کے اخراجات کے علاوہ وہ سفر حج اور قیام مکہ کے اخراجات برداشت کر سکے اور صحت مند بھی ہو تو اس پر حج کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے کہ صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ قرآن و حدیث میں تاکید اور درج بالا نشانیوں پر مبنی حقائق اور ترغیبات کی روشنی میں ایک مخلص اور سچے مومن کے دل میں زیارت بیت اللہ کا جذبہ و شوق شدید ہو جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کے مقدس گھر کی زیارت کر کے فرض ادا کرے اور اپنے رب سے قربت اور دعاؤں کی قبولیت اور پچھلے گناہوں کی معافی و

مغفرت کے بہترین اور قیمتی مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا موقع ملتے ہی وہ حج کا عزم کر لیتا ہے۔ ایک دفعہ حج کر لینے کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ حج تو عمر بھر میں صرف ایک دفعہ ہی فرض ہے لیکن موقع ملنے اور وسائل ہونے پر دوبارہ حج یا عمرہ کر لیا جائے کیونکہ اس کا اجر بے انتہا ہے: پچھلے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا کہ ابھی پیدا ہوا ہے۔ اس کے برعکس اگر استطاعت ہونے کے باوجود کسی کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہ ہو، دنیا کا کاروبار اور اس میں دلچسپی وانہماک اس کو بیت اللہ کی زیارت اور حج کی ادائیگی کی طرف راغب نہ ہونے دیں

تو اس کا ایمان ناقص یا ناقابل اعتبار ہے اور اس کی یہ کافرانہ روش اس کے لیے تباہ کن۔ حدیث میں اس کے لیے سخت وعید ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (ترمذی: ابواب الحج)

(۱۱۳) ایمان کا زبانی اقرار کرنے والا حج کی استطاعت ہوتے ہوئے بھی اگر حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اس طرزِ عمل سے قطعاً بے نیاز ہے۔ سارے دنیا والے اگر کفر کی روش اختیار کر کے نافرمان بن جائیں تو بھی اللہ کی الوہیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا!

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو جب کہ اللہ تمہارے اعمال پر گواہ ہے[۱۱۴] ﴿۹۸﴾ کہو کہ اے اہل کتاب! جو لوگ ایمان لے آئے ہیں تم اُن کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، اس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے ہو، اور تم اس (کے برحق ہونے) کے گواہ ہو[۱۱۵]! اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو، اگر تم نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مانی تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کفر کی طرف پھیر دیں گے[۱۱۶] ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کیوں کر کرو گے جب کہ تمہارے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت ہوتی ہے، اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ جو کوئی اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھامے رہا اس نے صراط مستقیم پالی[۱۱۷] ﴿۱۰۱﴾

(۱۱۴) اللہ کے رسول ﷺ پر نازل شدہ آیات کا کفر کرنا بڑی ہی جہالت اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔ کتاب اللہ کی آیات تو انتہائی مدلل اور فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہیں اور یہ اُن کے برحق ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ پھر اُن کا انداز ایسا سادہ اور دلگداز ہے کہ ہر سننے اور غور کرنے والے کے قلب و ذہن میں اُتر جائیں! اس پر مستزاد یہ کہ تورات و انجیل میں ان کے برحق ہونے کی شہادت بھی موجود ہے۔ اس کے باوجود یہود و نصاریٰ اس پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔ ان کی مفاد پرستانہ ذہنیت اور آخرت فراموشی نے ان کو ایسا ضدی اور تنگ نظر بنا دیا ہے کہ وہ تمام حقائق و دلائل سے صرف نظر کر کے کفر پر جمے رہنے پر ہی راضی و مطمئن ہیں۔ اُن کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے کرتوت اللہ کی نظر میں ہیں۔

(۱۱۵) یہاں اہل کتاب کے گمراہ کن سازشی کردار اور طریقہ کار کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ اللہ کے عذاب سے ان کی بے خوفی کا یہ عالم ہے کہ کفر کی روش اپنا کر اسلام دشمنی میں آگے ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، دعوت حق پر ایمان لانے والوں کو بھی راہ حق کی طرف بڑھنے سے روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے من گھڑت باطل عقائد کو بنیاد بنا کر نئے شوشے چھوڑتے ہیں، اور دین اسلام میں عیب جوئی کر کے ایمان والوں کو ورغلانے اور راہ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اس دین کے برحق ہونے پر خود ان کا ضمیر معترف ہے، اس کے باوجود وہ اس کی مخالفت میں سرگرم ہیں، دنیاوی مفادات نے ان کو اللہ کی پکڑ سے کیسا بے پرواہ بنا دیا ہے! بہر حال، اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت سے بے خبر نہیں۔

(۱۱۶) علمائے اہل کتاب کی سازشوں سے آگاہ کر کے اب اہل ایمان کو ہوشیار کیا جا رہا ہے کہ وہ ان پیشہ وروں کے دھوکہ میں نہ آئیں جو جھوٹی اور من گھڑت باتوں کو نظریاتی رنگ دے کر خوشنما اور مؤثر انداز میں پیش کرنے اور سیدھے سادے لوگوں کو ورغلا کر اصل دین سے برگشتہ کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، لہٰذا اپنے ایمان کی بیش بہا نعمت کو ان کے پُر فریب حربوں اور ہتھکنڈوں سے پوری طرح محفوظ رکھیں۔ ایمان والوں کو متنبہ کیا گیا کہ اب دشمنانِ حق کے لیے تمہارے دلوں میں کوئی مقام نہ ہونا چاہیے، اگر تم نے ان کی بات کو سنا اور مانا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ دوبارہ کفر کی طرف پلٹ جاؤ، اور یہ بلاشبہ دائمی خسارہ اور بربادی کی بات ہوگی!

(۱۱۷) کتاب اللہ کی آیات کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت پر مشتمل دین ہر قسم کے مشرکانہ عقائد و نظریات اور بدعات و رسومات کی بیخ کنی کرنے اور اہل ایمان کے قلب و ذہن کی مکمل صفائی کرنے کے لیے کافی و شافی ہے اور ہر قسم کی شیطانی ترغیبات اور اکساہٹوں کے اثر و نفوذ کا سدباب کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس سے پوری طرح وابستگی ہر قسم کے شیطانی حملوں سے ایمان والوں کو ایمان کی مدافعت کا ایک محفوظ حصار فراہم کر دیتی ہے، اُن کے قلب و ذہن میں جو بھی اختلاف یا اشکال پیدا ہو اللہ کی کتاب اور احادیث نبویہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے سے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ یہی حبل اللہ ہے یعنی قرآن و حدیث جو دین اسلام کا ماخذ اور سرچشمہ ہدایت ہے اور قیامت تک اہل ایمان کے دین و ایمان کی حفاظت کی ضمانت ہے، اسی لیے اس کو مضبوطی سے تھامے رہنے پر زور دیا گیا ہے۔ (بقیہ تفسیر ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں)

(بقیہ تفسیر ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں)

سانحۂ ارتحال

تنظیم ابھی اعظم صاحب اور صدیق بلوچ صاحب کی وفات کے جانکاہ صدموں سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ یکے بعد دیگرے دو صدمے اور سہنے پڑ گئے۔ ہمارے حلقہ وسطی پنجاب کے رفیق ضلع قصور مختلف علاقوں کے ناظم ناصر جمیل بیگ صاحب اور راولپنڈی حلقے کے ناظم محمد علی صاحب بھی، جو کافی عرصے سے علیل تھے، وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ دونوں انتہائی مخلص ساتھی تھے اور اپنی گوناگوں بیماریوں کے باوجود بڑی تندہی اور جذبے کے ساتھ دعوت توحید کی اشاعت میں ہمہ تن سرگرم تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ انہی جیسا دینی شوق و جذبہ بھی عطا فرمائے۔ آمین

سمع وطاعۃ

اسلام ایک مکمل دین یعنی ضابطہ حیات ہے۔ اللہ رب العزت نے دین اسلام کے ماننے والوں کے لیے ان کی زندگی کے ہر لمحہ کے لیے مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ جو شخص بھی مسلم ہو کر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے گلے سے تمام طوق اتار کر دین اسلام کا طوق پہنتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے زندگی گزارنے کا مکمل نظام اللہ کی طرف سے نافذ کردہ موجود ہے۔ ایک مسلم کسی شتر بے مہار کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ اسے اپنی تمام زندگی دین اسلام کے قواعد وضوابط کے تحت گزارنی ہوتی ہے۔ ان قواعد و ضوابط پر سختی سے عمل پیرا ہونا انفرادی و اجتماعی دونوں صورتوں میں لازم ہے۔ بلکہ اجتماعیت تو نام ہی اس تنظیم کا ہے کہ اس کا ہر رکن اس ضابطے پر سختی سے عمل پیرا ہو۔

دین اسلام میں اصول وضوابط مقرر کرنے والی ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے:

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (الانعام:۶۲)۔ تمام مسلمین پر فرض ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام اوامر ونواہی پر سختی سے کاربند ہوں۔ اور اس پر سختی سے کاربند ہونے ہی کا نام اطاعت ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ احکامات کی عملی صورت اس کے رسول کی ذات ہوتی ہے۔ اس لیے رسول کے ہر حکم کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ہی اصل میں اسلام ہے۔

اللہ کی طرف سے مسلمین کو اطاعت کے لیے چند اصولوں کا پابند کیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ **اصل مطاع** (جس کی اطاعت کی جائے) تو اللہ کی ذات ہی ہے کیونکہ اس کائنات کا خالق، مالک، قادر مطلق، حلت وحرمت کا مختار، وہی ہے۔ ایک مسلمان کی انفرادی زندگی اور مسلمانوں کی جمعیت، دونوں کا محور ومرکز اللہ ہی کی ذات ہے۔ اسی کے حکم پر چلنا ان کا منشور ومنشاء ہوتا ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:۵۴)

''خبردار! یہ ساری مخلوق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے''

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰)

''حکم صرف اللہ ہی کا ہے''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلم کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ ہی کے حکم کے تابع ہونا چاہیے۔ اللہ کی اطاعت سے روگردانی اسلام کی اساس کی نفی ہے۔ اس لیے ایسی تمام وفاداریاں یا طاعات جو اللہ کے حکم کے خلاف ہوں، وہ قابل رد ہوں گی۔ اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

(ترمذی: کتاب الجهاد، ترجمة الباب)

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے''

فرمان رسول ﷺ ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

(مسند احمد/مسند العشرة المبشرین بالجنة/ جلد ۵، صفحه ۶۶)

''اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں''

۲۔ **پیغمبر کی فرمانبرداری:** اللہ کا رسول اللہ کی منشاء ومرضی کا مظہر اور اس کے اوامر ونواہی کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ اور رسول کی زندگی اللہ کے احکامات کی پہچان ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہونا محض ایک خام خیالی ہوگی جب تک اللہ کے رسول کی زندگی وتعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوں۔ اللہ کے رسول کی ہر بات کو حرف آخر سمجھنا ہر مسلم پر لازم ہے یعنی رسول کی اطاعت کے بغیر مسلم ہونا بالکل ناممکن ہے کیونکہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء:۶۴)

''ہم نے کوئی رسول بھی نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے''

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''

اللہ سے محبت کا دعویٰ رسول کی اطاعت میں ہی مضمر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ......(آل عمران:۳۱)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو......''

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی مزید وضاحت فرمائی کہ

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ

(مسلم: کتاب الامارة)

''جس کسی نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے کیونکہ مخلوق میں سے رسول ہی وہ ہستی ہے جو خالق کی مکمل اطاعت کا مظہر ہے۔ اللہ کے رسول اسی لیے مطاع قرار دیے گئے کہ وہ اللہ کے تمام احکامات کا ہم تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہیں اور اطاعت و معصیت کی پہچان، رسول کے ذریعے سے ہی ہوتی ہے۔ نیز اللہ کے احکامات کی جو وضاحت وتشریح رسول اللہ نے فرمائی ہے، وہ اللہ کی منشاء کے عین مطابق ہے۔

۳۔ **اولوا الامر کی اطاعت:** - اولوا الامر سے مراد وہ امراء ہیں جو کسی اسلامی اجتماعیت و ریاست میں کسی بھی ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہوں۔ جو شخص جس

حیثیت سے بھی ذمہ دار ہے، وہ صاحب امر ہے اور اطاعت کا مستحق ہے۔ لیکن جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے، اسی طرح صاحب امر کی اطاعت غیر مشروط نہیں بلکہ یہ ایک مشروط اطاعت ہے۔

اولوالامر کے لیے دو بنیادی شرائط ہیں: اولین یہ کہ وہ خود مسلم ہو اور دوسری یہ کہ وہ خود اللہ اور اس کے رسول کا مطیع وفرمانبردار ہو۔ لہٰذا اولوالامر کی اطاعت اس بات سے مشروط ہوئی کہ وہ صحیح العقیدہ اور صالح العمل مسلم ہو اور اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کا مطیع وفرمانبردار رہو۔ نیز یہ کہ اس کا حکم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف یعنی مبنی بر معصیت نہ ہو۔ اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو پھر اس کی اطاعت فرض نہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ اس قابل نہیں کہ اس کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھ کر کی جائے۔ ایک روایت میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ

لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ (ابن ماجة: کتاب الجہاد)

''جو اللہ کا نافرمان ہو، اس کی کوئی اطاعت نہیں''

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت بھی دراصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا اور کوئی حکم دیتا ہے؛ اور امیر کی نافرمانی دراصل اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے۔ اطاعت امیر کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

(النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی؛ اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر کسی بات پر تمہارے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ یہی طریقہ کار بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے''

اس آیت میں جہاں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے، وہیں اولوالامر کی اطاعت کا بھی مشروط طور پر ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ اولوالامر سے یا مومنین کا آپس میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو اس کے حل کا طریقہ کار بھی بتایا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اولوالامر کی اطاعت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ اولوالامر کی اطاعت اسلامی نظام کی چند بنیادی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ اسی لیے رب العزت نے اپنی لاریب کتاب میں بڑے متین انداز سے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ اسلامی نظام میں بنیادی اور مستند چیز اللہ کا حکم اور رسول کا طریقہ ہی ہے۔ یہ فرد واحد یا جمہور کی مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ تبعین اسلام کی راہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے برعکس متعین کر دیں، بلکہ سب طاقتیں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے تحت ہی ہوں گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

لَا طَاعَةَ فِي الْمَعْصِيَةِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ

(صحیح بخاری: کتاب الاحکام)

''معصیت میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف معروف میں ہی ہے''

اطاعتِ امیر اور فرامین رسول ﷺ: اطاعت امیر کے متعلق اللہ کے واضح احکامات کی تشریح فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ضرورت واہمیت پر زور دیا جو کہ متعدد احادیث میں مروی ہے۔ نیز اطاعت امیر سے انحراف، جو کہ اسلامی معاشرے میں انحطاط کا سبب بنتا ہے، سے سختی سے منع فرماتے ہوئے سخت وعیدیں بھی بیان فرمائیں۔ اس ضمن میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة

(بخاری: کتاب الاحکام)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مسلم شخص پر امیر کا حکم سننا اور اسے ماننا فرض ہے، خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اور اگر اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر نہ ایسے حکم کو سننا لازم ہے اور نہ اس کی اطاعت۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امیر کے ہر ایسے حکم کو ماننا مسلمانوں پر فرض کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے تحت ہو۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص امیر کی اطاعت اور جماعت سے الگ ہوا، پھر اسی حال میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(مسلم: کتاب الامارۃ)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امیر کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے مسلمین کی اجتماعیت سے الگ ہونے پر کیسی سخت وعید بیان فرمائی کہ ایسا کرنے والا جاہلیت کی موت مرا اور اخروی زندگی میں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ٹھہرا کیونکہ اس نے اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنے نفس کی بات مانی اور اسلام کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جبکہ اللہ رب العزت نے اسلام کی اس اجتماعیت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امیر کی اطاعت اور جماعت سے چمٹے رہنے کی یوں تاکید فرمائی:

حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے: (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا اور جماعت سے چمٹے رہنا، کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے الگ ہوا، اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ لوٹ آئے۔ (ترمذی: ابواب الامثال)

صحیح بخاری میں **''امام کے لیے سمع وطاعت، جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے''** کا باب باندھتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو''

(بخاری: کتاب الاحکام)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے رنگ ونسل، جسمانی ساخت وہیئت سے

بالاتر ہو کر امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی تو اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ اگر کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوگا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب القضاء والامارۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو امیر کی اطاعت کرتا ہے اس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرتا ہے اس نے میری نافرمانی کی۔

(بخاری: کتاب الجہاد / مسلم: کتاب الامارۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نبی ﷺ کا دوسرا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

''تجھ پر تنگی و فراخی، خوشی و ناخوشی، اور تجھ پر کسی کو ترجیح دی جائے (یعنی تیری حق تلفی کی جائے تو بھی) ہر صورت میں امیر کی بات کو سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے۔''

(مسلم و نسائی بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب القضاء والامارۃ)

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ میں سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ امیر ہاتھ پاؤں کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو۔

(مسلم: کتاب الامارۃ)

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ امیر کی بات سن اور اطاعت کر اگرچہ تیری پیٹھ پر مارا جائے یا تیرا مال غصب کر لیا جائے پھر بھی ان کی بات سن اور اطاعت کر۔ (ایضاً)

عرفجہ رضی اللہ عنہ سے فرمان رسول ﷺ مروی ہے کہ عنقریب فتنے فساد ہوں گے تو جو اس امت کے معاملہ میں تفرقہ ڈالے جبکہ وہ متحد ہو، (اور ایک روایت میں ہے کہ) جماعت کا کسی ایک شخص پر اتحاد و اتفاق ہو اور وہ شخص تمہاری جمعیت میں پھوٹ ڈالنا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو، خواہ کوئی بھی ہو۔ (ایضاً)

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جو تمہارے لیے مبغوض ہوں اور تم ان کے لیے مبغوض ہو، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جب یہ صورت ہو تو کیا ہم ان سے مقابلے پر نہ اٹھ کھڑے ہوں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان صلوٰۃ قائم کرتے رہیں؛ نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان صلوٰۃ قائم کرتے رہیں۔ (ایضاً)

عرفجہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ

يد الله مع الجماعة والشيطان مع من خالفهم يركض

(النسائی بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب القضاء والامارۃ)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور شیطان جماعت کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، جو ایڑ لگاتا ہے۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''کسی مسلم کا خون حلال نہیں جو توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہو مگر تین باتوں میں کسی ایک پر: شادی شدہ زانی، قاتل، اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والا۔

(بخاری: کتاب الدیات)

مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ بھی ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں اطاعت امیر، جماعت سے تادم آخر وابستگی اور مسلمین کے درمیان اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے احکامات روایت کیے گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سمع و طاعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اور اطاعت امیر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں چاہے امیر خود رسول اللہ ﷺ ہوں (اپنی حیات طیبہ میں) یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی دوسرا امیر مقرر کیا گیا ہو:

مکی دور کے اندر كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ کے حکم کے تحت دین اسلام کی راہ میں مصائب و آلام کا بلا چوں و چرا برداشت کرنا؛

☆ ہجرت حبشہ ہو یا ہجرت مدینہ، گھر بار چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی کرنا؛

☆ شعب ابی طالب میں کٹھن مراحل سے گزرنا؛

مدنی دور میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی تو پھر ہر موقع پر سمع و طاعت کا معاملہ مدنظر رکھا گیا چاہے

☆ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا معاملہ ہو؛

☆ تحویل قبلہ کا معاملہ ہو؛

☆ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب ہوں؛

صحابہ کرام ہمیشہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کا عملی نمونہ بنے رہے۔

☆ غزوہ احد میں کچھ لوگوں کی اجتہادی غلطی کے سبب لشکر اسلام کو شدید ہزیمت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن بعد میں زخم خوردہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کا تعاقب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے ہمکنار فرمایا؛

☆ صلح حدیبیہ پر چند صحابہ ظاہری طور پر اس فیصلے سے مطمئن نظر نہ آئے لیکن اطاعت کرتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا؛

☆ فتح مکہ کے وقت کسی لمحہ اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا؛

☆ غزوہ تبوک کی تیاری، سفر، واپسی، تین صحابہ کرام پر پابندی کا معاملہ، ہر لمحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اطاعت میں ہی گزارا؛

وفات النبی ﷺ کے بعد بھی مختلف مراحل آئے:

☆ امت کا پہلا اجماع جو وفات النبی ﷺ پر ہوا؛

☆ جیش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روانگی کا معاملہ؛

☆ منکرین زکوٰۃ اور نبوت کے جھوٹے مدعین کا معاملہ؛

ان سب مراحل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمع و طاعت کا پیکر نظر آئے۔

☆ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار سے عام سپاہی بنا دیے گئے، لیکن اطاعت امیر سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اطاعت امیر سے روگردانی نہیں کی اور امت میں جب بھی امیر کی اطاعت سے روگردانی کی گئی، ایسے عناصر کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور ان کا قطعاً ساتھ نہیں دیا۔

اطاعت امیر کی اہمیت

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تحت دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی اطاعت ہے اور ایک اسلامی معاشرہ اور جمعیت دراصل اطاعت امیر سے ہی عبارت ہے۔ اگر اطاعت نہیں ہوگی تو فتنہ فساد ہوگا، امت مسلمہ کے اندر اختلافات ہوں گے، آپس میں پھوٹ پڑے گی اور یوں مسلمین کی اجتماعیت کو نقصان پہنچے گا۔ کچھ لوگ ذاتی اغراض و مفادات کے لیے دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے اختلاف کی روش اپناتے ہیں۔ ایسے لوگ شیطان کے عملی پیروکار بن کر مسلمین کی ذاتیات پر کیچڑ اچھال کر مسلمین کے درمیان فتنہ و فساد و بددلی پھیلاتے ہیں۔ ان کا ہدف سب سے پہلے اسلامی تنظیم کے ذمہ داران ہی ہوتے ہیں۔ اور یوں وہ تجسس اور نجویٰ کے ختم نہ ہونے والے قلبی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں اور اصلاح احوال کی بجائے تفرقہ و فساد برپا کرنے کے درپے رہتے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ یعنی ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں لیکن أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ درحقیقت یہی فساد پھیلانے والے ہوتے ہیں۔ کبھی یہ اپنے آپ کو عہدے یا ذمہ داری کے لیے پیش کرتے ہیں اور اس کے نہ ملنے پر معاندانہ ردعمل کے جذبہ کے ساتھ مسلمین کو "معروف میں اطاعت" کا جھانسہ دے کر اپنا ہم نوا بناتے اور سمع و طاعت سے انحراف پر اکساتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث (معصیت میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں) کا سہارا لے کر لوگوں کو بہکانے لگتے ہیں گویا کہ ان سے کسی معصیت کے ارتکاب کا تقاضا کیا جا رہا ہو اور وہ اُس سے مجتنب رہنا چاہتے ہوں! ایسے فتنہ انگیز عناصر کی شدت سے حوصلہ شکنی ہونی چاہیے، نہ کہ اُن کے ساتھ تعاون؛ فرمان الٰہی ہے کہ نیکی اور تقوے کے کاموں میں تعاون کیا جائے لیکن گناہ اور ظلم و عدوان میں کسی سے کوئی تعاون نہ کیا جائے (المائدہ:۲) اور یہ کہ اس شخص کی اطاعت نہ کرو جو ہماری یاد سے غافل ہو، خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہو اور جس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو (الکہف:۲۸) یعنی جو خود اطاعت سے روگرداں ہو اس کی کوئی اطاعت نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَنْ لَمْ يُطِعِ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ

(مسند احمد/مسند باقی المکثرین/حدیث نمبر ۱۲۸۱۳)

"اس کی کوئی اطاعت نہیں جو خود اللہ عزوجل کی اطاعت نہیں کرتا"

لہٰذا سمع و طاعت سے متعلق مذکورہ ماقبل فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ایسے فریب خوردہ لوگوں کے بہکاووں سے ہوشیار رہا جائے جو نام نہاد اصلاح کا جھنڈا بلند کر کے فساد برپا کرنے کے درپے ہوتے ہیں لیکن خود ان کا اپنا معاملہ حدود سے متجاوز ہوتا ہے، یہ خود سمع و طاعت سے باہر ہو کر قابل اطاعت نہیں رہتے۔ مسلمین پر لازم ہے کہ ایسے عناصر پر کڑی نگاہ رکھیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے، اجتماعیت کو نقصان پہنچانے سے ہمیشہ دور رہیں اور درج ذیل باتوں سے حتی المقدور بچیں جو مسلمین کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ تنظیمی ساتھیوں کے ذاتی معاملات کی ٹوہ میں لگے رہنا؛

۲۔ جھوٹے اور بے بنیاد پروپیگنڈے کے ذریعے ساتھیوں میں فتنہ پھیلانا؛

۳۔ امراء اور دیگر ذمہ داروں پر بے بنیاد الزامات اور تہمتیں لگانا؛

۴۔ نئے ساتھیوں کو جھوٹ پر مبنی باتوں میں الجھانے کی کوشش میں لگے رہنا؛

۵۔ امراء اور ناصحین کی کسی لغزش یا کوتاہی کو خوب اچھالنا، اُن کی تحقیر و استہزاء کو اپنا معمول بنا لینا؛

۶۔ تنظیم کے ساتھیوں کے بارے میں افواہیں پھیلانا، معمولی باتوں کو توڑ مروڑ کر مبالغہ آرائی کے ساتھ پیش کرنا اور ساتھیوں کی کردار کشی کو اپنا شعار بنا لینا؛

۷۔ اپنی انفرادیت کو تنظیم کی اجتماعیت میں ضم کرنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش میں لگے رہنا؛

۸۔ کسی مالی بدعنوانی یا بے ضابطگی پر گرفت کی جائے یا نظم کی خلاف ورزی پر کوئی تادیبی کاروائی ہو تو معافی تلافی اور اصلاح کے بجائے اپنے آپ کو مظلوم بنا کر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا اور ہم خیال و ہم ذوق افراد کے ساتھ مل کر پریشر گروپ بنانا اور تنظیم میں محاذ آرائی کی کوشش کرنا؛

۹۔ تنظیم کے ساتھیوں میں مایوسی اور بددلی پھیلانے کی کوشش کرنا؛

۱۰۔ تنظیمی پروگرام جو انفرادی تزکیہ نفس و تربیت کا موثر آلہ اور تنظیم کے ساتھ اپنی وابستگی کو مضبوط رکھنے کا ذریعہ ہیں، ان میں شرکت سے گریزاں رہنا؛ یا اگر بددلی سے شرکت بھی کرنا تو بہت تاخیر سے آنا، کسی بھی عمل میں کوئی حصہ نہ لینا بلکہ فضول و لایعنی باتوں میں وقت گزارنا، الٹا بدنظمی پیدا کر کے منتظمین کے لیے مسائل پیدا کرنا اور انتظامات پر بے جا تنقید کرنا؛

۱۱۔ اگر آپ کے اپنے طرز عمل سے تنظیم میں آپ کو کسی اہم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل نہ سمجھا جائے تو بغض و عناد اور انتقامی ردعمل کا انداز اپنا لینا؛

۱۲۔ صبر و تقویٰ، سمع و طاعت، عجز و انکساری، خشیت و خاکساری، اعلیٰ ظرفی اور شائستگی کے مومنانہ اوصاف کے بجائے خودسری، خودنمائی، تکبر و ہٹ دھرمی، ترش روئی و تندخوئی، نفس پرستی و انانیت کے خصائل اپنائے رہنا۔

یہ ہیں ایمان کے منافی وہ خصائل جو کسی فرد میں مومنانہ اوصاف کو نہیں ابھرنے دیتے جب تک ان پر پوری طرح قابو نہ پا لیا جائے۔ اگر ان جراثیم کے حامل افراد کسی اجتماعیت میں شامل ہو جائیں تو یہ اُس کے استحکام میں شدید رکاوٹ ثابت ہوں گے تاوقتیکہ ذمہ دار افراد ان کا پوری طرح علاج نہ کر دیں۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ ایمان خالص کے حامل افراد پر مشتمل امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قائم رہنے والی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا ایسے عناصر اس اجتماعیت کو تو بھلا کیا نقصان پہنچا پائیں گے (کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے تکوینی نظام کے تحت چھانٹ کر الگ کر دے گا)، البتہ یہ خود شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہو کر جہالت و گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں اور اس مبارک اجتماعیت سے نکل کر انجام کار واصل جہنم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا فلاح و نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے کہ اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت پر کاربند رہتے ہوئے مسلمین کی اجتماعیت کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے تاکہ جو اصل مقصد ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا، اسے پورا کیا جائے۔ اور اس دور میں جب ہر طرف کفر و شرک کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، شرک کو توحید اور بدعت کو سنت کہا جا رہا ہے، اللہ کے ساتھ اس کی ذات اور صفات میں ہر سو شریک ٹھہرائے جا رہے ہیں، تو ایسے حالات میں ایمان کی حفاظت کا ادراک کرتے ہوئے مسلمین کی اجتماعیت و نظم کو مضبوط کرتے ہوئے، ہر معاملہ میں کتاب اللہ،

(باقی صفحہ 80 پر)

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ!

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۞ (البقرۃ: ۱۷۵،۱۷۴)

"جو لوگ اللہ کی کتاب سے اس کو چھپاتے ہیں جو کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں کو محض آگ سے بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ روزِ قیامت بات بھی نہ کرے گا، نہ ان کا تزکیہ کرے گا؛ اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید ا ہے۔ یہ جہنم کی آگ پر کیسے صابر ہیں!"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ (التوبۃ: ۳۴)

"اے ایمان لانے والو! ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان کو اللہ کے راستے سے بھی روک دیتے ہیں"۔

مسدس حالی میں بھی ان پیشہ وروں کے انداز و فکر کی ترجمانی کی گئی ہے:

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل ...... نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چلانے کے قابل ...... نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

مالکِ کائنات کا بے پایاں احسان کہ اس نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کی ہدایت کا بندوبست فرمایا اور انہیں گمراہی کی ایک ایک روش اور سمت سے آگاہ فرمایا۔ لیکن انسان اگر ربِ کائنات کے اس عظیم احسان سے بے پرواہ ہو جائے اور اپنی لگام انہی کے ہاتھ میں دے ڈالے جن سے بچے رہنے کی تلقین کی گئی تھی تو پھر یہ انسان کا اپنا ہی قصور ہے۔ قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے کا یہ دعویدار دنیا کی زندگی میں مست ہو گیا، اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ اس ہدایت نامہ کو کھول کر پڑھ سکے جو اس کے مالک نے اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ مالک نے اسی قرآن میں بتا دیا تھا کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: ۲۲)

"ہم نے قرآن سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، ہے کوئی جو سوچے سمجھے"

قرآن پر ایمان کا یہ دعویدار اللہ کے اس حکم سے بے خبر رہا، کیونکہ مولوی نے اسے بتایا کہ اس قرآن کو سمجھنے کے لیے اٹھارہ (۱۸) علوم چاہئیں، یہ تمہارے بس کا روگ نہیں...... یہ قرآن کی اس آیت کا کھلا انکار ہے، لیکن اس کلمہ گو نے بڑی آسانی سے مولوی کی اس بات پر یقین کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نام کے ان مسلمین نے قرآن مجید کو ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ خیر و برکت کے لیے اپنے گھروں میں رکھا ہے۔ لہٰذا وہ مولویوں کی بات پر یقین کر کے اس ہدایت نامے سے دور ہو گئے۔ دراصل کتابِ ہدایت سے دور ہونے کے سبب سے پیشہ ور مولوی جو چاہتا ہے ان کے قلب و ذہن کی خالی تختی پر رقم کر دیتا ہے، اسی پر یہ بلا پس و پیش ایمان لے آتے ہیں! چنانچہ مولویوں کو بھی خوب کھل کھیلنے اور کھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ قرآن کا انکار کرتے ہوئے فرقے اور گروہ بنائے اور پھر ہر گروہ کے مولوی نے اپنے مسلک والوں کو خوب ہی لوٹا!

ماضی قریب میں، اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک سے لبریز اس ماحول میں اپنے ایک بندے ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ اس نے ان مسلک پرستوں کے عقائد کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے ان کا کفر و شرک واضح کیا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جہاں کتاب اللہ کے حوالے سے ان کے باطل عقائد کا پوسٹ مارٹم کیا وہاں ان کی اس کمائی کی حیثیت بھی واضح فرمائی جو یہ دینی سوداگر "حلال" ثابت کر کے کھا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد بھی اس موضوع پر قرآن وحدیث کے دلائل پر مبنی ایک کتاب تالیف کر کے فی سبیل اللہ تقسیم کی گئی۔ لوگوں کو جب اس کمائی کے حرام ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے اس قسم کے لوگوں اور فرقوں سے علیحدگی اختیار کرنی شروع کر دی۔ مولویوں کے لیے یہ زندگی و موت والا معاملہ بن گیا۔ جب مقتدی ہی نہیں رہیں گے تو پیسہ کہاں سے آئیگا! چنانچہ کسی مولوی نے کسی انداز میں اور کسی مولوی نے کسی انداز میں اپنے اپنے مقتدین کو اس بارے میں بہکانے کی کوشش کی۔

حاکی جان دامانوی نامی ایک مفتی نے اس سلسلے میں ایک کتابچہ "دینی امور پر اجرت کا جواز" لکھ ڈالا کیونکہ یہ مولوی اب اہلحدیثوں کا ہی نمک خوار ہو گیا ہے اور اس نے اسی مسلک کو اپنا لیا ہے جس نے صحیح احادیث کے انکار کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے اور ضعیف و منکر روایتوں پر اپنے ایمان اور مسلک کی بنیاد رکھی ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی اس روش کو ما انا علیہ و اصحابی بھی قرار دیا ہے یعنی معاذ اللہ ان کے جیسے خلافِ قرآن وحدیث عقائد و اعمال بعینہٖ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی تھے! موصوف کی علمی قابلیت اور خیانتوں سے تو آپ بخوبی واقف ہوں گے۔ حبل اللہ کے مجلہ نمبر ۲۲ اور ۲۳ میں عذابِ قبر کے سلسلے میں ان کے عقائد کا پوسٹ مارٹم کیا جا چکا ہے اور اس سے قبل بھی حبل اللہ کے شمارے میں "ذوالوجہین" میں ان کا اصل چہرہ دکھایا گیا ہے۔ یہ کتابچہ لکھ کر ایک مرتبہ پھر انہوں نے باطل کو حق بنا کر پیش کرنے کی

کوشش کی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے اسکی حقیقت واضح کی جائے۔

مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ

کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ موصوف نے دہکتے انگاروں پر بیٹھ کر لکھا ہے، اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ جب کوئی کسی کی ''عزت کی کمائی'' پر قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کردے کہ ''حضرت'' کی یہ کمائی ''حرام'' ہے، تو وہ جس قدر بھی پیچ و تاب کھائے کم ہے۔ مشہور قول ہے کہ غصہ جہالت سے شروع ہو کر ندامت پر ختم ہوتا ہے۔ یہ بھی سنتے چلے آئے ہیں کہ غصے میں عقل آدھی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اسی غیظ وغضب میں موصوف تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہود ونصاریٰ اور انکے ایجنٹوں نے ایک جدید منصوبہ بنایا کہ قرآن وحدیث کے تمام اداروں کو بند کر دیا جائے اور وہ اس طرح کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ دینی امور پر اجرت حرام ہے کیوں کہ اگر براہ راست یہ بات کہہ دی جائے کہ دینی اداروں کو بند کر دیا جائے تو اس بات کے خلاف دنیا کے تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا اسلسلہ وار اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جائے اس فتویٰ کے ذریعے جب عوام الناس کے ذہنوں کو واش کر دیا جائے گا تو پھر دینی اداروں پر پابندی لگانا ان کے خیال کے مطابق آسان ہو جائے گا اور یہ فتویٰ جب ہر طرف سے اور ہر سٹیج سے اٹھے گا اور علماء کرام کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ معاش کے لئے دنیا کی طرف رجوع کریں اس طرح ان کے خیال کے مطابق یہ دینی ادارے علماء کرام کی سرپرستی سے محروم ہوتے چلے جائیں گے'' (صفحہ ۷)

اس اقتباس سے غصے کی پہلی صفت تو واضح ہوگئی لیکن دوسری صفت ہنوز سربستہ ہے، نہ معلوم اس کا جواب پڑھ کر انہیں ندامت بھی ہوگی یا نہیں۔ موصوف نے قرآن وحدیث پر اجرت نہ لینے والوں اور اسے حرام سمجھنے والوں کو یہود کا ایجنٹ قرار دیا۔ کاش کہ موصوف غصے میں یہ تحریر لکھنے سے پہلے تسلی سے قرآنی آیات پر غور کر لیتے کہ اللہ کی کتاب پر اجرت لینے کی صفت کس امت کے مولویوں کی تھی؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء کی ہی تو یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ قرآنی آیات کے عوض دنیاوی منفعت حاصل کیا کرتے تھے، لہٰذا ان کو منع کیا گیا:

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا (البقرۃ: ۴۱) ''میری آیات کو (دنیا کی) قلیل قیمت پر نہ بیچو''۔

اب موصوف ذرا سوچیں کہ یہودی ایجنٹ کون کہلائے گا: وہ جو قرآن وحدیث کے بیان کے مطابق ان کی کمائی کو حرام سمجھتا ہو یا وہ جو اللہ کے بیان کردہ اس حکم کے خلاف اللہ کی آیات پر اجرت کو جائز قرار دیتا ہو! اور یاد رکھیے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ ایک یہودی ایجنٹ میں تو وہی صفات ہوں گی جو اس کی قوم کا خاصہ تھیں۔ کیا ان کا ایجنٹ خود انہی کی کمائی کو حرام قرار دینے کی جرأت کرے گا!

> حالت کا بھی اپنی کچھ احساس نہیں مجھے
> اوروں سے سنا ہے پریشان ہوں میں

لاکھ اختلاف سہی لیکن اس ایک ''مسئلے'' پر سب کا اتفاق

موصوف نے بڑے زور وشور سے تمام مدرسوں کی بقا کا نعرہ بلند کیا ہے لیکن یہ سب محض ایک فریب ہے ورنہ اگر موصوف اور ان کے ہمنوا دیگر اہلحدیث، ان تمام مدرسوں میں دی جانی والی تعلیم کو عین اسلامی سمجھتے ہیں تو موصوف اپنی مسجد میں فوری طور پر ایک بریلوی موذن اور ایک اہل تشیع امام رکھیں تا کہ سب افراد کی تسلی ہو سکے کہ واقعی موصوف جن مدرسوں کی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں، وہ ان کی نظر میں عین اسلامی ہیں! یاد رہے کہ یہ وہی مدرسے ہیں جہاں بغیر رفع یدین کے صلوٰۃ کی تعلیم دی جاتی ہے، امین بالجہر کو نہیں مانتے، انبیاء واولیاء کے وسیلے سے دعا کرنا ان کے نزدیک جائز ہے، اذان سے پہلے نبی ﷺ پر خود ساختہ درود پڑھنا ان کے ایمان کا حصہ ہے، نبی ﷺ کو حاضر وناظر مانتے ہیں............ کیا موصوف ان امور کو عین اسلامی سمجھتے ہیں کہ ان کی بقا کے لیے آواز بلند کر رہے ہیں؟ اور دوسرے مدرسوں میں سینہ کوبی کو باعث ثواب سمجھا جاتا ہے اور عزاداری ان کے دین کا جزو لازم ہے، ان کی اذان مختلف، نماز مختلف حتیٰ کہ کلمہ توحید تک مختلف: جن صحابہ کرام پر اللہ کی رضوان ہے، ان کے لیے ان کی زبانوں پر کثرت سے تبرا بازی ہے: جس ام المومنین کی برأت میں قرآن نازل ہو کر قیامت تک اس کی پاکبازی کی گواہی دے، اس کی شان میں یہ مدرسے ناقابل بیان الفاظ ادا کرنے کی جسارت کرتے ہیں............ کیا موصوف ان باتوں کو بھی قرآن وحدیث کے عین مطابق اور دین کی خدمت سمجھتے ہیں کہ ان کی اشاعت کرنے والے مدرسوں کی بقا کی فکر انہیں لاحق ہے! حالانکہ موصوف اور ان کے ہم مسلکوں کی تحریریں ان سب باتوں کا انکار کرتی ہیں: انہوں نے تو ان کے خلاف ضخیم کتابیں لکھ ماری ہیں۔ موصوف ذرا وضاحت تو فرمائیں کہ جن مدرسوں کی بقا کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں، ان اداروں سے تربیت حاصل کرنے والوں پر موصوف اور ان کے اہل فرقہ نے فتوے کیوں لگائے ہیں؟ اگر یہ مدرسے عین اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں تو یہ اہلحدیث کیوں ان کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں؟ کیوں ان مسائل پر اشتہار بازی کرتے رہتے ہیں جن کی تعلیم انہی مدرسوں میں دی جاتی ہے؟ ان سے ہٹ کر اپنا ایک الگ فرقہ کیوں بنایا ہوا ہے؟ اگر یہ سب واقعی عین اسلام کی خدمت کر رہے ہیں کہ اگر یہ باقی نہ رہے تو اسلام کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی تو پھر کیوں اسلام کے نام پر تفرقہ ڈالا ہوا ہے؟ انہی کے ساتھ کیوں نہیں مل جاتے!

دراصل بات یہ نہیں ہے کہ موصوف ان مدرسوں کے لیے اس وجہ سے لڑ رہے ہیں کہ وہاں اسلام کی تعلیم دی جارہی ہے اور ان کے بند ہونے سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ ان مدرسوں کے لیے یہ صرف اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ان مدرسوں سے انہی کے ہم ذوق وہم پیشہ ''مستفید'' ہو رہے ہیں! مدرسہ کسی بھی مسلک کا ہو، کیسی ہی تعلیم دی جارہی ہو، آپس میں بظاہر کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن ان سب میں ایک چیز بہرحال مشترک ہے اور وہ ہے دین کے ذریعے کمائی۔ جو یہاں پڑھا رہا ہے وہ ''ثمن قلیل'' کے لیے پڑھا رہا ہے اور جو پڑھ رہا ہے وہ بھی اسی امید پر پڑھ رہا ہے کہ فارغ ہو کر اس منافع بخش کاروبار کے ذریعے مال سمیٹ کر وارے نیارے کرے گا! یہ مولوی ایک طرف تو اذان دینے، امامت کرانے اور قرآن کی تعلیم کی ''تنگی بندھی'' تنخواہ وصول کرتے ہیں تو دوسری طرف انہوں نے تعویذ گنڈہ، جھاڑ پھونک، دم درود، نذر و نیاز، قرآن خوانی، ''ختم شریف'' اور اسی قسم کے دوسرے افعال کے ذریعے ''اوپر'' کی کمائی کا بھی بندوبست کر رکھا ہوتا ہے۔ یہی حال ان موصوف کا بھی ہے کہ اس ''تنگی بندھی'' کے علاوہ ''اوپر'' کی بھی انہیں بڑی طلب ہے۔ چنانچہ حسرت ویاس کی تصویر بنے اپنے اس کتابچے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ عذاب قبر جیسے اہم موضوع پر میں نے کئی کتابیں شائع کی ہیں، کیوں کہ ان کی اس وقت شدید ضرورت ہے اور لوگ ان کتابوں کا خطوط کے ذریعے مطالبہ کر رہے ہیں لیکن وسائل نہ ہونے کی بناء پر میں انہیں دوبارہ شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اور اس سلسلے میں کسی

پبلشرز نے مجھ سے رابطہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ ان کتابوں کی اس وقت شدید ضرورت ہے کیوں کہ اعمال سے پہلے عقیدے کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن اعمال کی اہمیت پر بہت کتب شائع ہو رہی ہیں اور اس اہم مسئلہ سے چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اہل خیر حضرات اس طرف توجہ فرمائیں اور اس عظیم فتنے سے مقابلہ کرنے میں میرے ممد و معاون بنیں'' (صفحہ ۸، ۹)

یہ موصوف بھی انہی مدرسوں کی خاک چھان کر خاکی جان سے "فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر مفتی ابو عبداللہ جابر دامانوی'' بنے ہیں لہٰذا حق نمک ادا کرتے ہوئے ان مدرسوں کے لیے تو انہیں لڑنا ہی ہے۔ البتہ ان "فضیلۃ الشیخ'' نے مدرسے میں پڑھ کر کیا سیکھا ہے، اس کی ایک جھلک تو آپ کو ہمارے سابقہ مضامین میں نظر آ ہی گئی ہوگی اور بقایا اس مضمون میں بھی آپ انہیں اچھی طرح پہچان لیں گے۔ عقیدہ عذاب قبر کی بابت موصوف نے جو چند ورقی رسالے اور کتابچے لکھے ہیں، جن کے یہ گن گا گا کر نہیں تھکتے، ان میں ایک ہی راگنی گائی گئی ہے۔ ایک ہی جیسے مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود "تصانیف'' کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے اور حصول زر کے لیے نام اور ٹائٹل بدل بدل کر انہیں بیچا گیا ہے۔ کسی کو "خلاصہ'' کا نام دیا اور کسی کو "عقیدہ'' کے نام سے بیچا۔ اب ایک بار پھر اوپر کی کمائی بند ہونے پر موصوف پبلشرز اور "اہل خیر حضرات'' کے آگے دست طلب دراز کیے نظر آ رہے ہیں۔ ان کے الفاظ دوبارہ پڑھ کر دیکھیں، کیسی حسرت ٹپک رہی موصوف کی اس فریاد میں!

یہ "اہل خیر'' کون ہیں؟

جن "اہل خیر'' میں مولویوں کی اور اس "خاکی جان'' کی جان اٹکی ہوئی ہے، دراصل ان سے "اہل کیش'' مراد ہیں۔ مولوی کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی حامل ایمان نہیں ہوتا۔ جمعہ والے دن جب ان "اہل خیر'' میں سے کوئی امام صاحب کی جیب میں کچھ ڈالتا ہے تو مولوی صاحب کے منہ سے اس کے لیے بے ساختہ بے حساب دعائیں نکل جاتی ہیں: اللہ آپ کے کاروبار میں اور ترقی عطا فرمائے، آپ تو دین کے سچے خیر خواہ ہیں، آپ جیسے افراد ہی نے تو اسلام کو قائم رکھا ہوا ہے...... حالانکہ مولوی صاحب کو پتہ ہے کہ اسلام میں سود، رشوت، جھوٹ، فریب، موسیقی وغیرہ کے ذریعے کی گئی کمائی حرام ہے مگر اس فکر میں پڑنے سے ہاتھ آنے والی موٹی رقم کے ڈوبنے کا خطرہ ہے اور ویسے بھی اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے کیونکہ جب قرآن ہی کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنالیا تو اب مزید حجاب کیسا!! مفتی جابر صاحب بھی اہل خیر سے فریاد کرتے نظر آتے ہیں کہ کیا آپ لوگ مجھے بھول گئے؟ میری کتابوں کو بھول گئے؟ میری کمائی......؟ ایسی ہی ایک اور درخواست موصوف نے اپنے کتابچے "قرآن و حدیث میں تحریف'' کے آخری صفحے پر بھی کی ہے۔ دراصل یہ رسالے لکھنے کا مقصد "کمائی'' ہی ہے، ورنہ اگر یہ اسلام کی تبلیغ کے لیے لکھی جاتیں تو مکمل طور پر "فی سبیل اللہ'' ہوتیں جس طرح ڈاکٹر عثمانی نے حصول علم سے فارغ ہونے کے باوجود دین کو پیشہ نہیں بنایا اور اپنے عالم دین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی محنت کی کمائی سے ان موصوف اور ان کے قبیل کے دوسرے افراد کی اصلاح کے لیے کتاب و سنت کے بھرپور دلائل پر مبنی لٹریچر فی سبیل اللہ چھپوا کر تقسیم کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

حق کو مشتبہ بنانا

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مذکورہ احکام الٰہی کی اطاعت میں اللہ سے ڈرتے اور کتاب اللہ کے انکار پر مبنی اس "تجارت'' سے توبہ کرتے، لیکن ہوا یہ کہ اللہ کے اس حکم کو باطل کے ساتھ ملا کر اسے مشتبہ بنانے کی کوشش کی تاکہ انتہائی منافع بخش کمائی پر آنچ نہ آئے اور یہ سلسلہ روز افزوں جاری رہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں موصوف لکھتے ہیں:

"آج کل عذاب قبر کے منکرین نے عذاب قبر کے علاوہ دینی امور پر اجرت کے مسئلے کو بھی اپنا ایشو بنا رکھا ہے اور اس بات کی وہ رات دن تبلیغ کر رہے ہیں کہ دینی امور پر اجرت ناجائز ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے لٹریچر بھی شائع کیا ہے جس میں کچھ روایات سے انہوں نے اجرت کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے یہ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ عذاب قبر کی صحیح اور متواتر احادیث کو تو یہ فرقہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن دینی امور پر اجرت کے مسئلہ کے لئے ضعیف روایات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جو روایات اجرت کے جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں ان کی دور از کار قسم کی تاویلات پیش کی گئی ہیں'' (صفحہ ۱۰)

مفتی موصوف کا یہ کہنا کہ ہماری جماعت عذاب قبر کی صحیح اور متواتر احادیث تسلیم نہیں کرتی، سراسر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے۔ الحمدللہ موصوف کے اس جھوٹ کی مکمل قلعی اتار دی گئی ہے اور اگر موصوف میں آخرت کا ذرا بھی خوف ہوگا تو آئندہ اس جھوٹ کی ہمت نہ کریں گے۔ موصوف کا یہ کہنا بھی بالکل جھوٹ ہے کہ دینی امور پر اجرت کے سلسلے میں ضعیف روایات بیان کی گئی ہیں (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔ ہم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے قرآنی آیات پیش کی ہیں لیکن موصوف نے ان آیات کے بجائے بات احادیث کے حوالے سے شروع کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی آیت کو مفتی صاحب نہ ضعیف قرار دے سکتے تھے اور نہ ہی موضوع، لہٰذا انداز یہ اپنایا ہے کہ ان سے صرف نظر کیا جائے اور ابتداء احادیث کے حوالے سے شروع کی جائے اور پھر ضعیف و موضوع کا فریب دے کر اپنے پیش رو علماء اہل کتاب کی طرح حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کر دیا جائے۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي کی تاویلیں

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا (البقرۃ: ۴۱)

"اور میری آیات کو (دنیا کی) قلیل قیمت پر نہ بیچو''

اس آیت کے حوالے سے موصوف نے اپنے کتابچے کے صفحہ نمبر ۵۷ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ہم نے اس آیت میں تحریف کی ہے۔ اسے کہتے ہیں "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے''! موصوف نے اپنے طرز عمل کو ہمارے اوپر منڈھ دیا ہے۔ عذاب قبر کے بارے میں ہمارے مضمون میں موصوف کی ان خیانتوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جو انہوں نے اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات کے ساتھ کی ہیں۔ وہی انداز مولوی صاحب نے یہاں بھی اپنایا ہے کہ قرآنی آیت کا مدعا ہی بدل ڈالا (جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے)۔ اس آیت کی صاف اور سادہ سی تفسیر یہ ہے کہ قرآن کی آیات کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے۔ اللہ کے اس حکم کی تشریح نبی ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ

"قرآن پڑھو...... اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ، نہ اس کے ذریعے دنیاوی فائدے حاصل کرو'' (مسند احمد: جلد ۵، صفحہ ۴۴۴)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن پر ہدیہ لینے سے بھی منع کر دیا اور اسے آگ کا طوق قرار دیا (ترمذی: کتاب الفضائل)

لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس ہدایت نامہ کو اپنی معاش کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، وہ یہ

بات ٹھنڈے پیٹوں کیسے قبول کرلیں! چنانچہ موصوف نے اس آیت کی تشریح میں سورہ بقرہ آیت ۷۹، ۱۷۴ اور سورہ آل عمران آیت ۱۸۷ کو بھی شامل کر دیا اور اس کا رخ اس طرف موڑ دیا کہ اس آیت میں جو قرآن کو ذریعہ معاش نہ بنانے کا ذکر ہے تو یہ ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے جو اللہ کی نازل کردہ باتوں کو چھپاتے اور اس کے عوض معاوضہ لے لیتے ہیں، یا پھر ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے اور لوگوں میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ اللہ کا حکم ہے۔ موصوف نے اپنی کمائی کو حق ثابت کرنے کے لیے اس آیت کی تفسیر میں دوسری آیات کی تفسیر شامل کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ قرآن کی تفسیری تحریف ہے۔ ان مذکورہ دوسری آیات میں بے شک اس بات کو بیان کیا گیا ہے لیکن وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ والی آیت میں بہرحال قرآنی آیات پر اجرت لینے سے ہی منع کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث اوپر بیان کی جا چکی ہے، اس میں نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "قرآن پڑھ کر، اسے چھپا کر، اسے ذریعہ معاش نہ بناؤ" بلکہ فرمایا:

اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به

(مسند احمد: جلد ۵ صفحہ ۴۴۴)

"قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فوائد حاصل کرو۔"

دوسری روایت میں ہے:

تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا عَلِمْتُمُوْهُ .... وَلَا تَاْكُلُوْا بِهٖ

(مسند احمد، مسند المكيين، حديث عبد الرحمن بن شبل ﷺ)

یعنی قرآن سیکھو اور جب سیکھ جاؤ تو ...... اسے کمائی کا ذریعہ نہ بنالینا۔

کیا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت کی جو تشریح موصوف بیان کر رہے ہیں، وہ نبی ﷺ کو (معاذ اللہ) معلوم نہیں تھی جب ہی تو انہوں نے عبادہ بن الصامت ﷺ کو تعلیم قرآن پر ہدیہ (تحفہ) تک لینے سے روک دیا تھا! کیا عبادہ بن الصامت ﷺ قرآن کی آیات یا اس کے حکم کو چھپا رہے تھے جو انہیں تحفہ تک لینے سے منع کر دیا گیا؟

موصوف اور ان کی قبیل کے وہ تمام لوگ جو قرآن و حدیث کے اس واضح حکم کے برخلاف آج کتاب اللہ کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں، بڑے زور و شور سے ابو سعید الخدری ﷺ اور ابن عباس ﷺ والی روایات جو ایک ہی مخصوص واقعہ کے بارے میں ہیں پیش کرتے ہیں۔ ان روایات کے مطابق جب قبیلے والوں نے طے شدہ معاہدے کے مطابق انہیں وہ بکریاں دینی چاہیں تو صحابہ ﷺ نے کہا:

لا ناخذه حتى نسأل النبي ﷺ

"ہم اسے اس وقت تک نہ لیں گے جب تک اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلیں"

ابن عباس ﷺ والی روایت میں ہے کہ

فكرهوا ذالك

"انہوں نے اس کو لینے میں کراہیت محسوس کی"

آخر کیا وجہ تھی کہ صحابہ ﷺ نے اسے لینے میں کراہیت محسوس کی؟ اگر موصوف کی تشریح کے مطابق آیتِ مذکورہ میں صرف اس کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے جو اللہ کے نازل کردہ حکم کو چھپا کر یعنی حق فروشی کے سبب حاصل کی جاتی ہے تو پھر صحابہ ﷺ کو بکریوں کی اس بکری کو لینے میں ذرا بھی شک نہ ہونا چاہیے تھا، کیونکہ وہ اسے قرآن کے کسی حکم کو چھپا کر تو حاصل نہیں کر رہے تھے۔ ع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

نبی ﷺ کی تعلیم اور صحابہ کرام ﷺ کے عمل سے اس بات کی مکمل وضاحت ہوگئی کہ اس آیت کے بارے میں کی گئی موصوف کی تشریح محض دھوکہ و فریب اور اپنی حرام کمائی کو حلال ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ موصوف خود اللہ کی آیات کی معنوی و تفسیری تحریف کرتے ہیں اور الزام دوسروں پر لگاتے ہیں!

موصوف نے اس آیت کے بارے میں دیگر کئی مفسرین کے بھی حوالے دیے ہیں۔ ایک دو چھوڑ کر سب ہی فرقہ اہلحدیث سے وابستہ یعنی "گھر کے بندے" ہیں۔ قارئین جن کے تفسیری حوالے موصوف نے دیے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ تفاسیر لکھ کر بیچی ہیں۔ اب جو خود اس "تجارت" میں ملوث ہوں وہ اپنی کمائی کو حرام قرار دیں گے؟ لیکن ہم پھر بھی ان تفسیری حوالہ جات کو آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ ان تفاسیر میں قرآن و حدیث کی اصل تعلیم بیان کی گئی ہے یا ان سے روگردانی کرتے ہوئے صرف اپنے پیشے کا دفاع کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کریں ابن کثیر کی تفسیر:

"میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے، میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلے میں تھوڑی، بہت تھوڑی ہے، اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ سنن ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کیے ہوئے لینا جائز ہے، اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کرسکیں ......" (صفحہ ۷۶، ۷۷)

اس کی دلیل میں حافظ ابن کثیر نے سانپ کے ڈسے ہوئے پر دم والی اور اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی ایک صحابیہ ﷺ کے قرآن کے عوض نکاح والی روایت پیش کی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

مفتی جابر نے اس آیت کی یہ تشریح بیان کی تھی کہ یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو چھپا کر دنیاوی منفعت حاصل کرتے ہیں لیکن اس کی تائید میں پیش کردہ ابن کثیر کی مذکورہ بالا تفسیر میں ایسی کوئی بات بیان ہی نہیں کی گئی۔ گویا مفتی صاحب نے اپنے حق میں جو تشریح پیش کی تھی، اس کی رو سے بھی خود وہی جھوٹے ٹھہرے! اب کوئی بتائے کہ موصوف کی بیان کردہ تشریح کو صحیح سمجھیں یا ان کی طرف سے پیش کردہ ابن کثیر کی تشریح؟ بہتر ہے کہ اس کا فیصلہ خود موصوف ہی فرمادیں۔

ابن کثیر کی مذکورہ تفسیر میں ابو داؤد کی ایک حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے کہ

"جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے، اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا"

یہ قرآن و حدیث کا ہی علم ہے جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

اقرءوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تاكلوا به ولا تستكثروا به

(مسند احمد: جلد ۵ صفحہ ۴۴۴)

"قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فوائد حاصل کرو"

جس کسی نے یہ علم اس لیے حاصل کیا کہ اسے سمجھے، اس کے مطابق عمل کرے، اپنے گھر والوں، خاندان والوں اور دوسرے لوگوں کو اس کی فی سبیل اللہ تعلیم دے، تو بے شک وہ اللہ کی رضا حاصل کرے گا (ان شاء اللہ) اور اسی بنیاد پر مالک کائنات اس کی مغفرت فرماتے ہوئے اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے والا یہ ذریعہ ایک پیشے میں بدل دے تو ایسے شخص کی اللہ کے یہاں مغفرت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

کذب بیانیاں

حافظ ابن کثیر نے اپنی بحوالہ بالا تفسیر میں "میری آیات کو نہ بیچو" کو "میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو" میں تبدیل کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی ابوداؤد کی حدیث بھی بیان کر گئے کیونکہ فی الحقیقت ان سب کے تحت الشعور میں یہ بسا ہوا ہے کہ دینی امور پر اجرت لینا حرام ہے لیکن ان لوگوں کی جرأت ملاحظہ فرمائیں کہ اس واضح حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا پھر بھی وہی جو اجرت کو ثابت کرنے کے لیے لکھنا بہر حال ان کی مجبوری تھا:

> "علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کیے ہوئے لینا جائز ہے، اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔۔۔۔"

قرآن و حدیث کے دو ٹوک بیان کے بعد ان کا یہ کہنا کیا اس بات کو واضح نہیں کرتا کہ یہ لوگ کس قدر قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والے ہیں؟

یہاں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر بقول مفتی موصوف حق کو چھپانا اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ سے منسوب کر دینا اور اس کے عوض اجرت وصول کرنا ہی زیر بحث آیت کا موضوع ہے تو پھر ابن کثیر کو گھما پھرا کر یہ کیوں کہنا پڑا کہ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کیے لینا جائز ہے۔۔۔۔ انہیں تو سیدھا سیدھا یہی کہنا چاہیے تھا کہ ہر طرح سے اجرت جائز ہے سوائے ان دو باتوں کے جو مفتی موصوف نے بیان کی ہیں یعنی حق کو چھپانا اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ سے منسوب کر دینا۔

دینی امور پر اجرت کے جواز میں مذکورہ صدر تفسیر ابن کثیر میں سانپ کے ڈسے ہوئے پر دم کرنے اور ایک صحابیہ ﷺ کے قرآن کے عوض نکاح کرنے سے متعلق روایات سے استدلال کیا گیا تھا۔ قرآن و حدیث کے واضح حکم کے برخلاف، بخاری کی ان دو احادیث سے انہوں نے جواز اجرت کے اپنے باطل عقیدے کا استخراج کیا ہے (جس کی حقیقت ہم نے اپنی کتاب میں وضاحت کے ساتھ پیش کر دی ہے)۔ افسوس کہ شیطان نے انہیں گمراہی کی راہ پر بہت دور لا کر پھینک دیا ہے۔

عبادہ بن صامت ﷺ والی روایت پر بحث کرتے ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں:

> "ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم (صفحہ ۱۷، ۲۷)

ملاحظہ فرمایا کہ حافظ صاحب نے کیسی عیارانہ تشریح فرمائی ہے۔ ان کی اس تشریح کے مطابق تعلیم القرآن دو صورتوں پر دی جا سکتی ہے: نمبر (۱) فی سبیل اللہ یعنی صرف حصول ثواب کے لیے، اور نمبر (۲) فی سبیل المال، یعنی حصول معاش کے لیے۔ پہلی صورت میں کوئی دنیاوی معاوضہ یا ہدیہ لینا چاہے تو یہ جائز نہیں ہوگا البتہ دوسری صورت میں اگر کوئی دنیا کمانے کے لیے تعلیم القرآن دے تو اس پر معاوضہ لینا بالکل جائز ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح) مفتی موصوف جواب دیں کہ کیا یہی قرآن و حدیث کی تعلیم ہے؟ حافظ صاحب نے خود ہی تو یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ علم جو اللہ کی رضا کا سبب بنتا ہے، کوئی دنیا کمانے کے لیے سیکھے گا تو جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ گویا کہ ایسا علم اجرت لے کر سکھانا تو دور کی بات، اس بنیاد پر اس کا سیکھنا ہی جنت حرام کر دیتا ہے۔ قارئین! آپ کو یقیناً اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ مفسر، قرآن و حدیث بیان کر رہے ہیں یا اپنی روزی کو جائز قرار دینے کا جواز کشید کر رہے ہیں؟ کیا یہ چند ٹکوں کے لیے حق کو چھپانے والا انداز نہیں؟ (ان کی اس تحریر پر ان شاء اللہ آگے مزید بحث کی جائے گی)۔

نبی ﷺ پر بدترین بہتان

مولوی موصوف نے محمود آلوسی کی بھی ایک تحریر کا حوالہ دیا ہے:

> "اور (تعلیم القرآن پر اجرت کے عدم جواز پر) جو احادیث روایت کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، ہم تعلیم القرآن پر اجرت لے سکتے ہیں؟ پس آپ نے فرمایا کہ بہترین اجرت وہ ہے جو کتاب اللہ پر حاصل کی جائے" (صفحہ ۲۷، ۳۷)

جب کتاب اللہ سے تمسک ختم ہو جائے اور ایمان کی بنیاد محض اپنے اسلاف ہی کی تحریریں بن جائیں تو پھر انسان اسی طرح بھٹکتا ہے جیسا کہ یہ مولوی موصوف۔ جناب نے ایسی ہی تحریروں پر ایمان لا کر قرآن و حدیث کے حکم کا انکار کیا ہے۔ جو کچھ اس بحوالہ تحریر میں بیان کیا گیا ہے، وہ سراسر جھوٹ اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء و بہتان ہے۔ مفتی موصوف ذرا حوالہ تو دیں کہ یہ کس حدیث کے الفاظ ہیں کہ

> "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، ہم تعلیم القرآن پر اجرت لے سکتے ہیں؟ پس آپ نے فرمایا کہ بہترین اجرت وہ ہے جو کتاب اللہ پر حاصل کی جائے"

اللہ کے عذاب سے کیسی بے خوفی ہے کہ اپنی طرف سے الفاظ گھڑ لیے جائیں اور اسے حدیث کہہ کر پیش کیا جائے! ایسے ہی طرز عمل کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرۃ: ۷۹)

> پس بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس ذریعے کچھ تھوڑا سا معاوضہ حاصل کر لیں۔ پس باعث تباہی ہے ان کے لیے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور موجب ہلاکت ہے یہ کمائی جو انہوں نے کی ہے"

آیت مذکورہ ان موصوف پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ انہوں نے بھی یہود کی طرح جھوٹ گھڑا تو محض اس لیے تاکہ دین کے ذریعے دنیاوی منفعت کو حلال ثابت کیا جائے۔ الفاظ خود گھڑے اور اسے رسول ﷺ سے اس طرح منسوب کر دیا کہ گویا یہی اللہ کا حکم ہے اور پھر تعلیم القرآن پر اجرت "حلال" ہو گئی اور اس سلسلے میں بیان کردہ تمام احادیث کو ضعیف قرار دے دیا! اگر واقعی کوئی ایسی روایت موجود ہے تو مفتی صاحب اسے ضرور پیش کریں ورنہ اپنے کتابچے میں پیش کردہ اس بدترین جھوٹ پر اللہ سے معافی مانگیں اور اپنے مقلدوں پر بھی واضح کریں کہ انہوں نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ محض جھوٹ اور فریب تھا۔ اور اگر

اتنی جرأت نہیں کہ ان بھولے لوگوں پر اپنے مفتی ہونے کا بھرم بھی تو قائم رکھنا ہے تو پھر ان فرامین رسول ﷺ کا مصداق بننے کے لیے تیار ہو جائیں کہ

مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

لَاتَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

(صحیح بخاری: کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ)

یعنی نبی ﷺ سے جھوٹ منسوب کرنے والا جہنم میں جائے گا اور جو نبی ﷺ سے وہ بات منسوب کرے جو کہ نبی ﷺ نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

کذب در کذب

مفتی صاحب نے دیو بندیوں کے خلاف حال ہی میں ایک کتابچہ لکھا ہے جس میں سورہ نحل کی یہ آیت بھی پیش کی ہے کہ

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝

(النحل: ۱۰۵)

"صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں"

پھر مسلم کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ:

وَاِيَّاكُمْ وَ الْكَذِبَ

"اور تم سب جھوٹ سے بچو"

اور اس کے بعد لکھا ہے:

"ان واضح دلائل کے باوجود بہت سے لوگ دن رات مسلسل جھوٹ بولتے، اکاذیب و افترات گھڑتے، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، حالانکہ عام انسانوں کے نزدیک جھوٹ بولنا انتہائی برا کام اور مذموم حرکت ہے"۔

(قرآن وحدیث میں تحریف، صفحہ ۱)

مفتی موصوف کے نزدیک یہ تمام تر گناہ دیو بندیوں کے لیے ہے، اہلحدیثوں کے لیے ہرگز نہیں! خواہ یہ حدیث کے نام پر نبی ﷺ پر جھوٹ گھڑیں اور اسے پھیلائیں، اس سے ان کے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آتی!

ے نہ توحید میں فرق کچھ اس سے آئے ...... نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اس موقعہ پر ہمیں نبی ﷺ کا یہ فرمان یاد آرہا ہے کہ: اَمَا اِنَّهُ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ (یعنی حقیقتاً اس [شیطان] نے تم کو سچی بات بتلائی ہر چند کہ وہ ہے بہت بڑا جھوٹا)۔

موصوف فرماتے ہیں کہ

"صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں"

ہم موصوف کی اس بات سے سو فیصد متفق ہیں۔ اگر قرآن کی زیر بحث آیت پر ان کا ایمان ہوتا تو اس کے رد کے لیے موصوف جھوٹ پر مبنی یہ دلائل پیش نہ کرتے! ایک جھوٹ گھڑتا ہے اور دوسرا اسے پھیلاتا ہے! خود اپنی تحریر میں لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ بغیر تحقیق کے بات آگے بڑھا دے۔ اب موصوف سے پوچھا جائے کہ "حضرت" آپ نے اس جھوٹ کو پھیلانے سے پہلے اس کی تحقیق کرلی تھی اور نہ لوگ ایسے موقعہ پر یہی کہتے ہیں کہ "جھوٹے لوگ، جھوٹی باتیں"۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

لاجواب تشریح

موصوف نے اپنے باطل دلائل کے سلسلے میں ثناء اللہ پانی پتی صاحب کی تحریر کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ذرا اسے بھی پڑھیں اور مفسر کی عقل پر ماتم کریں:

"وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ (اور نہ لو میری آیتوں کے عوض) یعنی میری آیتوں پر ایمان لانے کے بدلے میں دنیا کا سامان نہ لو یا یہ معنی کہ توراۃ کی ان آیات کے بدلہ میں جن میں محمد ﷺ کی نعت (تعریف) مذکور ہے دنیا کا سامان نہ لو...... شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ یہود کے علماء اور روسا کو جہلا اور عوام سے آمدنی بہت ہوتی تھی ان بیچاروں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اور ہر قسم کے مال کھیت، مویشی اور نقد بہ چیزوں سے حصہ لیتے تھے اب اسلام پھیلا تو ڈرے کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کی نعت ظاہر کی اور ان کا اتباع اختیار کر لیا تو یہ سب آمدنی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے گی اس لئے انہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور دین چھوڑ بیٹھے اور توراۃ میں آپ ﷺ کی نعت کو بدل دیا اور آپ کے اسم مبارک کو محو کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی" (صفحہ ۷۰)

قارئین! مذکورہ صدر تفسیر میں ابن کثیر نے "میری آیات کو نہ بیچو" کو "میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو" میں تبدیل کر دیا تھا اور ان پانی پتی صاحب نے اسے "میری آیتوں پر ایمان لانے کے بدلے میں دنیا کا سامان نہ لو" اور "توراۃ کی ان آیات کے بدلہ میں جن میں محمد ﷺ کی نعت (تعریف) مذکور ہے دنیا کا سامان نہ لو" میں تبدیل کر دیا۔ گویا مفتی جابر کی پیش کردہ تشریح خود ان کے اکابرین کی پیش کردہ تشریحات سے بالکل مختلف ہے۔ اسے کہتے ہیں "جتنے منہ اتنی باتیں"۔ یہ مسلکی مفسرین چونکہ مفسر قرآن محمد ﷺ کی تفسیر پر ایمان نہیں لائے تو لہٰذا اب ان میں سے ہر ایک کی ایک نئی تفسیر ہی ہوگی!

ثناء اللہ صاحب نے اس کی پہلی تفسیر جو بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی آیات پر ایمان لانے کے بدلے میں معاوضہ لیا جاتا تھا۔ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ مفسر صاحب آخر کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟ کیا یہ کہ جب ان لوگوں کو اللہ کی آیات پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ پہلے اس کا معاوضہ طلب کرتے تھے؟ بات کچھ بن نہیں پا رہی اور بریں صورت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ زیر بحث "علماء" انسانوں کو اجرتاً اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہیں یا "لوگ" ان علماء کو پیسہ دیتے ہیں کہ تم اللہ کی فلاں آیت پر ایمان لے آؤ؟ مثل مشہور ہے "جیسے تھے گھر کے ویسے آئے ڈولی چڑھ کے" (یعنی جیسے گھر والے تھے ویسی ہی بہو آئی)؛ جیسے موصوف خود ہیں، تشریحات بھی انہوں نے اسی طرح کی پیش کی ہیں۔ یہ سارا ایک ہی کنبہ ہے، سب میں ایک ہی بات مشترک ہے: "کمائی، کمائی اور بس کمائی"۔

خود یہ مفسر بھی اپنی اس نرالی تفسیر سے مطمئن نہیں تھے اسی لیے فرمایا کہ

"یا یہ معنی کہ توراۃ کی ان آیات کے بدلہ میں جن میں محمد ﷺ کی نعت (تعریف) مذکور ہے دنیا کا سامان نہ لو"

"یا" کا استعمال بتاتا ہے کہ مفسر خود شک میں پڑا ہوا ہے کہ اس آیت کا کیا کروں؟ کہاں لے جاؤں ایسی آیت جو قرآن پر اجرت کو حرام قرار دیتی ہو؟ چنانچہ اب مفسر صاحب نے یہودی علماء کا ذکر کیا کہ وہ اپنے پیروکاروں کو لوٹتے تھے (جس طرح یہ مسلک پرست مولوی اور پیر لوٹتے ہیں)؛ جب اسلام پھیلا تو انہیں ڈر ہوا کہ یہ سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا چنانچہ انہوں نے دین پر دنیا کو ترجیح دی اور نبی ﷺ کی "نعت" کو چھپا دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مفتی جابر صاحب جب تک اپنے اکابرین کی تحریروں کو مثل وحی و قرآن

سمجھتے رہیں گے، گمراہی اسی طرح ان کا مقدر بنی رہے گی۔ موصوف کے پاس اپنے اکابر کی اس تفسیر کو قرآن کی کسی آیت یا حدیث سے ثابت کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ یہودی علماء نے نبی ﷺ کی نعت کو چھپا کر جو معاوضہ لیا تھا، اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے اور یہی اس آیت کا شان نزول ہے؟

مزید دیکھیے کہ اہلحدیث عالم حافظ صلاح الدین صاحب اس بابت کیا فرماتے ہیں، جس کو مفتی موصوف نے اپنے کتابچے میں نقل کیا ہے:

"تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کرلو بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لئے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔" (صفحہ ۷)

موصوف نے حافظ صلاح الدین کا ایک اور تفسیری حوالہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۷۹ سے بھی دیا ہے حالانکہ وہ بھی ایک بالکل مختلف آیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی طرف سے عقائد گھڑتے اور اسے اللہ کی ذات سے موسوم کر کے اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اس آیت کا زیر بحث آیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ حافظ موصوف نے "بِاٰيٰتِيْ" کو "احکام الٰہی" میں تبدیل کر دیا، "اجرت" کو "احکام الٰہی کا سودا" قرار دے دیا اور پھر مزید تفسیر میں اسے "احکام الٰہی کا چھپانا" بنا ڈالا۔ الغرض ان پیشہ ور مفسرین نے اس آیت کے اصل مدعا کو ادھر ادھر کی ہانک کر بدلنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل سورہ بقرہ کی اس آیت سے قبل و بعد کی آیات اس سے ملتی جلتی ہیں لہٰذا ان مفسرین نے اس اکیلی آیت کی تفسیر بیان کرنے کے بجائے ان آیات کی ایک مشترکہ تفسیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ حق واضح نہ ہو سکے۔ لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہ حکم تنہا نازل ہوا ہے، ان مفسرین میں سے کسی نے بھی اس کی کوئی تفسیر بیان نہیں، کیونکہ یہاں دھوکہ دینے کے لیے کچھ نہیں مل رہا! ملاحظہ فرمایئے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (المائدۃ:۴۴)

"اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیات کو تھوڑے مول پر نہ بیچو، جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پکے) کافر ہیں" (ترجمہ: محمد جوناگڑھی، صفحہ ۳۰۰)

اس آیت میں اللہ کی کتاب پر اجرت لینے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو بھی بیان فرمایا کہ ہر معاملے میں تمہیں صرف اس چیز کے مطابق فیصلہ کرنا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اگر تم ایسے نہیں کرتے تو جان لو کہ ایسے لوگ کافر ہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر "حرام" اور انبیاء کے وارثوں پر "حلال"!

انسانیت کی ہدایت کے لیے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کے سامنے اس بات کو رکھا کہ ہم جو تمہارے سامنے اللہ کا کلام پیش کر رہے ہیں تو ہم اس پر تم سے کسی اجر کے طالب نہیں بلکہ اس کا اجر تو ہمارے رب کے ذمے ہے۔ نبی ﷺ کو بھی اسی بات کا حکم دیا گیا:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام:۹۰)

"کہہ دو کہ میں تم سے اس (قرآن) پر اجرت نہیں مانگتا، یہ تو تمام عالم کے لیے نصیحت ہے"

قرآن کی یہ آیات بھی وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ہی کی تشریح کر رہی ہیں کہ اللہ کے کلام کے عوض کسی بھی قسم کا اجر لینا بالکل جائز نہیں۔ مگر مفتی موصوف نے اپنی ہٹ دھرمی کی روش کو قائم رکھا اور فتویٰ صادر فرمایا کہ:

"دراصل کفار و مشرکین کو دین کی دعوت دینا انبیاء علیہم السلام پر فرض عین تھا۔ اس لئے وہ اس دعوت و تبلیغ پر اجرت نہیں لیتے تھے" (صفحہ ۷)

ان کی یہ تحریر غور سے پڑھیں کہ یہ کام انبیاء علیہم السلام پر "فرض" تھا اس لیے وہ اس پر اجرت نہیں لیتے تھے۔ یعنی موصوف کم از کم اس بات کے تو قائل ہیں کہ فرض عبادت پر اجرت نہیں لی جا سکتی، گویا کہ یہ امام کی تنخواہ کو حرام سمجھتے ہیں کیونکہ امامت اسی صلوٰۃ کی ہوتی ہے جسے اللہ نے فرض کیا ہے!

ہمارا اس بات پر مکمل ایمان ہے کہ فرائض کے علاوہ قرآن و حدیث کا پڑھنا، اس پر عمل کرنا، دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ و دیگر امور جو ہم اس امید پر کر رہے ہیں کہ آخرت میں ہمیں ان کا ثواب ملے گا، ان سب پر دنیا میں کسی بھی قسم کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دینی خدمت کو آخرت کے لیے ایسی تجارت قرار دیا ہے، جس میں خسارہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے عطا فرمائیگا اور اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر مزید نوازے گا۔ (فاطر:۲۹-۳۰) انبیاء علیہم السلام کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ جو اصحاب ہوتے ہیں وہ بھی اسی انداز کو اپناتے ہیں۔ بعد میں ان کی قوم میں ایسے ناخلف پیدا ہوتے ہیں جو دین میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی سب کچھ بنی اسرائیل میں بھی ہوا، اور ان کے علماء نے دین کو تجارت بنا لیا، چنانچہ اللہ نے انہیں خبردار کیا کہ اللہ سے ڈرو اور وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ اگر دعوت الی اللہ صرف انبیاء علیہم السلام پر فرض ہوتی اور دیگر کے لیے اس کی کمائی "حلال" ہوتی تو ان علماء کو بھی اس پر اجرت لینے سے منع نہیں کیا جاتا۔ علماء کو مخاطب کر کے اللہ کی آیات پر اجرت نہ لینے کا حکم، موصوف کی اس تمام عیاری کی قلعی اتار دیتا ہے جو وہ اس سلسلے میں فرما رہے ہیں۔ جس چیز سے انبیاء علیہم السلام ساری زندگی بچتے رہے، وہ چیز آج ان پیشہ ور مولویوں کا لقمہ تر ہے، شیر مادر ہے، گھٹی میں ملا ہوا ہے، پھر کس منہ سے یہ خود کو انبیاء کا وارث کہلواتے ہیں!

سورہ انعام کی محولہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے بھی اسی بات کو کہلوایا کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ نبی ﷺ کی اس سنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اختیار کیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ صرف نبی ﷺ نے قرآن کی تبلیغ فی سبیل اللہ فرمائی ہو اور صحابہ کرام کو اجرت دے کر اس تبلیغ کے لیے بھیجا ہو! موصوف احادیث کے پورے ذخیرے سے کوئی ایسی حدیث دکھا دیں کہ نبی ﷺ صحابہ کو اجرت پر تبلیغ کے لیے بھیجتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے تعلیم القرآن کے لیے معاذ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا (مسند احمد، اول مسند الکوفیین)۔ موصوف بتائیں کہ ان صحابہ کو اس دینی خدمت کا کتنا معاوضہ دیا گیا تھا؟ کیا موصوف کے سامنے بئر معونہ کے ستر قراء کی شہادت کا واقعہ نہیں! یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) ان مولویوں کی طرح کمائی پر نکلے تھے یا اپنے رب کے اجر کی تلاش میں؟ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اسی بات کو اپنایا ہوا تھا جس کی نبی ﷺ نے تعلیم دی تھی۔ خیر القرون کے بعد آنے والوں نے دین میں

بگاڑ پیدا کرنا شروع کیا جیسا کہ نبی ﷺ نے پیشین گوئی فرمادی تھی:

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَ أَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَ يَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ يَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَآءَ ذَالِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی ...... و ینقص)

"اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں فرمایا کہ جس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں، جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے ہوں۔ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین پیدا ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، اور وہ کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا۔ پھر جو کوئی ان سے اپنے ہاتھ سے لڑے تو وہ مومن ہے، اور جو کوئی اپنی زبان سے ان سے لڑے تو وہ بھی مومن ہے، اور جو ان سے اپنے دل سے لڑے (یعنی دل میں برا جانے) تو وہ بھی مومن ہے، اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔"

ان مسلک پرستوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث کے خط کشیدہ الفاظ کا پوری طرح سے عملی نمونہ پیش کردیا ہے۔

احادیث و تاریخ شاہد ہیں کہ صحابہ کرام ؓ میں سے کسی ایک نے بھی دین کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ تابعین اور تبع تابعین نے بھی اسے اللہ ہی سے اجر کے حصول کا ذریعہ سمجھا۔ اس کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے، انہوں نے دین میں تبدیلیاں پیدا کرنا شروع کردیں۔ رفتہ رفتہ دین کو تجارت بنالیا گیا۔ اس امت کے مسلکی علماء نے اسی روش کو اپنا لیا جو علماء یہود کی سنت تھی۔ خود مفتی جابر اپنی مولوی برادری کی اس لوٹ مار کی ایک جھلک دکھاتے ہیں:

"جو مولوی حضرات اللہ کا خوف دل سے نکال کرنا جائز طریقہ سے مال و دولت اکٹھی کررہے ہیں اور لوگوں کو دین کے نام پر بے وقوف بنا کر لوٹ رہے ہیں مثلاً میت کی مختلف رسومات، تیجا، دسواں، چالیسواں، برسی، قرآن خوانی، گیارہویں۔ کونڈے، قبروں کے چڑھاوے، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز وغیرہ کے نام سے انہیں لوٹ رہے ہیں، اسی طرح قرآن خوانی کی بھی مختلف صورتیں ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ فیس مقرر ہے۔ بعض حضرات پیر گدی نشین، عامل، اور مجاہدین بن کر لوگوں کو دین کے نام سے دھوکا دیتے ہیں اور اس طرح ان کے مال لوٹنے کے علاوہ ان کی خواتین کی عزتوں سے بھی کھیلتے ہیں۔ ایسے ہی مولوی اور پیروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۴)

"اے ایمان والو: (یہودیوں کے) اکثر عالم اور درویش لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔"

یہودیوں کے علماء اور درویشوں (پیروں) کی طرح آج اس امت مسلمہ کے مولوی اور پیر بھی لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں اور ان کے دین و ایمان کو بھی تباہ و برباد کررہے ہیں۔ عوام الناس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مولویوں اور پیروں کو پہچانیں اور ان سے دور رہیں ورنہ یہ لوگ مال و دولت بھی ان سے بٹوریں گے اور ان کی آخرت بھی تباہ و برباد کرڈالیں گے"۔ (صفحہ ۸۰)

اپنی اس تحریر میں مفتی موصوف نے مولویوں کے کئی ناجائز طریقوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے لوگوں کا مال لوٹنے کے لیے اپنائے ہوئے ہیں لیکن امامت، اذان، تعلیم القرآن، تبلیغ دین وغیرہ کا کوئی ذکر اس لیے نہیں کیا موصوف خود بھی اس میں ملوث ہیں۔ مزید یہ کہ موصوف نے تعویذ پر اجرت کا بھی ذکر نہیں کیا اگرچہ یہ خود بھی اس کو شرک کہتے ہیں، لیکن اس لسٹ میں تعویذ فروشی کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ خود ان کے اپنے فرقہ اہلحدیث کے ایک گروہ کا وقار بھی مجروح ہوتا ہے جو تعویذ کے ذریعے اس "اوپر" کی آمدنی کے کاروبار میں ملوث ہے۔ گویا قرآن و حدیث کے نام پر لوٹ مار کا یہ فتویٰ انہوں نے دیگر فرقوں پر تو نافذ کردیا لیکن "گھر کے لوگوں" کو اس سے بچائے رکھا کہ کچھ "حق نمک" بھی تو آخر ادا کرنا تھا!

قرآن و حدیث کی وضاحت سے موصوف کی اس مغالطہ آرائی کا خاتمہ ہوگیا کہ قرآن کے ذریعے کی جانے والی تبلیغ صرف انبیاء علیہم السلام پر فرض تھی اور اس وجہ سے وہ اس پر اجرت نہیں لے سکتے تھے لیکن اپنے آپ کو وارث الانبیاء کہلوانے والے اسے شیر مادر سمجھ کر کھا پی سکتے ہیں! کیا خوب وارث ہیں کہ جس کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں اس کے حرام کو اپنے لیے حلال بنائے بیٹھے ہیں! یہ فی الحقیقت انبیاء علیہم السلام کے تو نہیں، کسی اور ہی کے وارث ہیں، شاید اپنے اسی "جد امجد" کے جس کا مشن بھی وہی وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ہے جو مولوی کا ہے کہ لَيَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ خود سوچ لو کہ تمہاری مماثلت کس سے ہے؟

ایک نرالا اصول

دینی امور پر اجرت کو جائز ٹھہرانے کی کوشش میں موصوف نے ایک ڈرامہ اور رچایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"آج بھی اگر کوئی شخص کفار و مشرکین کو اسلام کی طرف دعوت دے تو اس کے لیے اس کام پر کفار سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں"۔ (صفحہ ۷۷)

ایک طرف لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر تبلیغ فرض تھی اس لیے اس پر اجرت نہیں لیتے تھے، دوسری طرف ڈاکٹر لقمان سلفی کی تحریر پیش کرتے ہیں کہ

"...... تعلیم القرآن اور تبلیغ احکام پر اجرت لینی جائز ہے......" (صفحہ ۷۶)

اور اب کہتے ہیں کہ کافر کو تبلیغ پر اجرت طلب نہیں کرنی چاہیے! جب خود ہی حکم صادر کرتے ہیں کہ تعلیم القرآن پر اجرت جائز ہے، تو اب کافر کو تبلیغ کرنے پر یہ اجرت کیوں حرام ہوگئی؟ قرآن سے تعلیم دی جائے یا تبلیغ کی جائے یا احکامات بیان کیے جائیں، یہ علیحدہ علیحدہ باتیں نہیں، ان سب کی بنیاد قرآن ہے۔ مگر یہ موصوف منطقی توجیہات پیش کرکے اپنے مقلدین کو اس طرح الجھا دینا چاہتے ہیں کہ وہ اسی میں پھنسے رہیں اور مفتی صاحب "مفت کی" کھاتے رہیں۔

ذرا غور فرمایئے کہ اجرت کے جواز اور عدم جواز کے لیے پہلے معاملہ فرض اور غیر فرض کا بیان کیا گیا اور اب معاملہ کافر اور مسلم کا ہوگیا! ان کی اس الجھی ہوئی تحریر نے ایک الجھن اور پیدا کردی کہ منافق کو تبلیغ کرنے پر اجرت کا کیا حکم ہوگا؟ اس لیے کہ وہ بظاہر تو مسلم بنا ہوتا ہے، لیکن ہوتا تو اصل میں کافر ہی ہے۔

"حالت سُکر" کے اقوال

مفتی موصوف نے علامہ آلوسی کی ایک اور تحریر سورہ انعام کی زیر نظر آیت کے حوالے سے بھی پیش کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"اور اس آیت سے تعلیم اور تبلیغ احکام پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا طویل کلام مشہور ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں" (صفحہ ۷۶)

علامہ صاحب کی یہ تحریر پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ شاید حالت سکر میں انہوں نے یہ لکھا ہے ورنہ کوئی انسان اپنی صحیح حالت میں تو یہ بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے کہ کہہ دو کہ میں تم سے اس (تعلیم اور تبلیغ احکام کے) کام پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور آلوسی صاحب کہتے ہیں کہ اس سے اجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے! واعجبا! مفتی موصوف نے اپنی حرام کمائی کو جائز ٹھہرانے کے لیے "علماء کرام" کے اسطرح کے جو حوالے دیے ہیں، وہ واقعی بے مثل ہیں!

کم علمی یا دھوکہ دہی

قرآن پر اجرت کے جواز میں مفتی موصوف نے اسی طرح کی ایک اور انوکھی دلیل دی ہے۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ پیش کی ہے کہ:

"صدقات تو دراصل فقیروں، مسکینوں اور ان کارندوں کے لیے ہیں جو ان (کی وصولی) پر مقرر ہیں"

اور اس کے بعد تحریر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی آٹھ مدیں بیان فرمائی ہیں جن میں تیسری مد ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو اس کی وصولی پر مقرر کیے جاتے ہیں اور عامل بنائے جاتے ہیں زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ان کے اس کام کی باقاعدہ تنخواہ اور اجرت دی جاتی ہے زکوٰۃ ایک فرضی عبادت ہے جو لوگ اس کی وصولی کے لیے عامل مقرر ہوتے ہیں ان کی اجرت کا حکم بھی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی فرضی عبادت پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے" (صفحہ ۳۵)

ملاحظہ فرمائیں ان مفتی صاحب کی ذوالوجہیت! قرآن کی ایک آیت (الانعام: ۹۰) پیش کی جاتی ہے تو یہ فرماتے ہیں:

"دراصل کفار و مشرکین کو دین کی دعوت دینا انبیاء علیہم السلام پر فرض عین تھا، اس لیے وہ اس دعوت و تبلیغ پر اجرت نہیں لیتے تھے"

دوسری طرف خود ایک آیت پیش کر کے فرماتے ہیں:

"اس سے ثابت ہوا کہ کسی فرضی عبادت پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے"

کیسے دورخے ہیں! اپنا مطلب ہو تو فرض پر اجرت لینا حلال، ورنہ فرض پر اجرت لینا حرام! کاش مولوی صاحب اس بات کی وضاحت فرمادیتے کہ ان کی کونسی بات سچی ہے اور کون سی جھوٹی؟ ورنہ ان کے مقلدین بیچارے تذبذب ہی کا شکار رہیں گے کہ ان کی کس بات پر ایمان لائیں اور کسے رد کریں! اندھے مقلدین کی بات اور ہے ورنہ ہوشمند لوگ پہلے ہی ان مولویوں کی اس طرح کی حرکتوں سے واقف ہوتے ہیں کہ

ع "جدھر دیکھی تری اُدھر بچھادی دری"

مفتی موصوف کو بھی جہاں سے اپنا مطلب نکلتا دکھائی دیا تو وہیں ڈیرہ ڈالدیا!

قارئین! آپ کو یاد ہوگا کہ موصوف اپنی تحریر کی ابتدا میں خوب بگڑے تھے کہ علم کے ان اداروں کو بند کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں، یہ ہورہا ہے اور وہ ہورہا ہے۔ اسی بیان میں انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا:

"...... پھر جب علماء دنیا کے کام دھندوں میں الجھ جائیں گے تو دینی ادارے ویران ہوجائیں گے اور جب یہ سب ہوجائے گا تو پھر آخرکار قرآن وحدیث کا علم اٹھ جائے گا اور اس طرح سازشیں ان کے خیال میں کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گی......" (صفحہ ۷، ۸)

موصوف بھی ایسے ہی "دینی ادارے" میں سالہا سال مفت کی کھا کر "مفتی" بنے ہیں۔ خود سوچیں کہ اگر یہ ادارہ بند ہو جاتا تو کیا ایسا "عالم" ہمیں کہیں سے مل سکتا تھا کہ جو "ادائیگی زکوٰۃ" کے بجائے "وصولی زکوٰۃ" کو فرض بتاتا ہو؟ آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان "دینی اداروں" میں سالہا سال لگا کر انسان کیا بنتا ہے؟ مدرسے، مسجد اور دارالافتاء میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے باوجود انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ زکوٰۃ دینا فرض ہے یا وصول کرنا فرض ہے! یا تو موصوف کا علم ہی اتنا ہے، یا پھر وہی دیرینہ خصلت عود کر آئی ہے جو عذاب قبر کی بابت تحریر کردہ کتابچوں میں دکھائی دیتی ہے یعنی کچھ کا کچھ بنا دینا۔ موصوف نے وہاں بھی قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کی معنوی اور تفسیری تحریف کر کے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور یہاں بھی شاید وہی طریقہ کار اپنانا چاہتے ہیں، یعنی محض لوگوں کو دھوکہ دینا! بالکل وہی کام جو ان کا "سرپرست اعلیٰ" کیا کرتا ہے کہ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا

زکوٰۃ کی ادائیگی ایک فرض عبادت ہے اس پر اجرت کیسی؟ اس میں تو کچھ دیا جاتا ہے لیا نہیں جاتا۔ موصوف ایسی ایسی باتیں لکھ رہے ہیں کہ گویا ہوش میں ہیں ہی نہیں۔ بے پرکی اِدھر اُدھر کی ہانکے چلے جارہے ہیں۔ وصولی زکوٰۃ پر مامور شخص نہ تو قرآن سکھاتا ہے، نہ امامت کراتا ہے اور نہ اذان دینا اس کے فرائض میں شامل ہوتا ہے کہ اس کو دی جانے والی اجرت کو تعلیم قرآن، امامت و اذان کے لیے جواز بنایا جائے۔ موصوف شاید اپنی کم علمی کی وجہ سے دینی امور اور ریاستی امور میں فرق نہیں کرپاتے یا پھر وہی اپنے "سرپرست اعلیٰ" کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

دوستو! معاف کرنا یہ عادت ہے میری

موصوف نے اسی آیت کے ضمن میں عمر رضی اللہ عنہ والی روایت بھی پیش کی ہے کہ ان کے مقرر کردہ عاملین اس کی اجرت لینے میں کراہیت کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نبی ﷺ نے بھی مجھے مال عطا کرنا چاہا تھا تو میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، کسی دوسری کو دے دیں؛ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے لے لو اور پھر اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کردو۔ اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

"...... آج کل دینی خدمات کرنے والوں کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تنخواہ بقدر کفالت لیں، غنی ہوں تو نہ لیں یا لے کر خیرات کردیں"۔ (صحیح بخاری ۳۹۰/۸ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور) اس حدیث سے واضح ہوا کہ دینی امور پر جو وظیفہ ملے اس پر راضی رہنا چاہیے اور زیادہ کی فرمائش کرنا یا زیادہ کا لالچ کرنا درست نہیں......" (صفحہ ۳۶)

موصوف نے جملہ لکھا:

"...... آج کل دینی خدمات کرنے والوں کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تنخواہ بقدر کفالت لیں، غنی ہوں تو نہ لیں یا لے کر خیرات کردیں"

اور اس کے بعد صحیح بخاری کا حوالہ (صحیح بخاری ۳۹۰/۸ طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور) دے دیا۔ یعنی پھر وہی اپنے "سرپرست اعلیٰ" کی خدمت انجام دی کہ عام لوگ دھوکہ کھا جائیں کہ یہ بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں؛ گویا حدیث کی رو سے دینی امور پر وظیفہ لینا جائز ہے۔ مزید اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ بھی لکھا

"اس حدیث سے واضح ہوا کہ دینی امور پر جو وظیفہ ملے اس پر راضی رہنا چاہیے اور زیادہ کی فرمائش کرنا یا زیادہ کا لالچ کرنا درست نہیں......"

دیکھا آپ نے! کیسا کھلا دھوکہ دیا گیا ہے!

نبی ﷺ عمر رضی اللہ عنہ کو جو کچھ عطا فرمارہے تھے، کیا وہ کسی دینی خدمت کی اجرت

تھی؟ کیا عمرؓ اس وقت امامت کیا کرتے تھے؟ یا انہیں اذان کی تنخواہ دی جا رہی تھی؟ موصوف ریاستی امور کو دینی امور کا رنگ دے کر اپنی اجرت کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں۔ عاملین کی اجرت اور قرآن وحدیث پر اجرت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہر اس امر کے لیے تنخواہ دی جا سکتی ہے جس پر قرآن وحدیث کی کوئی قدغن نہ ہو، لیکن تعلیم القرآن، فرض عبادات، اذان، اور وہ تمام علوم جن سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو، ان میں سے کسی پر بھی اجرت، وظیفہ اور تحفہ کسی صورت جائز نہیں کیونکہ قرآن وحدیث اس سے منع کرتے ہیں۔

فی سبیل اللہ کا مطلب: مولوی کو کھلاؤ!

مفتی موصوف نے اسی آیت کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے کہ صدقات میں سے خرچ کرنے کے مدات میں ایک مد ''فی سبیل اللہ'' بھی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اہلحدیث مفسر صلاح الدین صاحب کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے جن کا پہلے بھی ایک حوالہ گزر چکا ہے:

> ''فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جنگی سامان وضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنی جائز ہے اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اسی طرح بعض علماء کے نزدیک دعوت وتبلیغ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیوں کہ اس سے بھی مقصد جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہے''۔ (صفحہ ۳۸)

اسی صفحہ پر مفتی موصوف رقم طراز ہیں:

> ''مساجد اور مدارس کی تعمیر اور ان کا انتظام مدارس دینیہ میں اساتذہ کرام کی تنخواہیں، طلباء کے لئے وظائف یہ سب فی سبیل اللہ کی مد میں داخل ہیں۔ اسکے علاوہ دینی لٹریچر کی اشاعت وتقسیم جس میں دین کے بنیادی عقائد واعمال اور سنت نبوی ا کے مطابق معلومات کو پیش کیا گیا ہو۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو دینی خدمات کے لئے وقف کر رکھا ہو یا جو لوگ جہاد وغیرہ میں مصروف ہوں تو ان کے بال بچوں کی نگہداشت پر صدقات خرچ کیے جائیں''۔

''فی سبیل اللہ'' سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ہر وہ کام جو اسلام کی سربلندی کے لیے کیا جائے ''فی سبیل اللہ'' کے ذیل میں آئے گا۔ قرآن کی اس زیر توجہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صدقات کی یہ رقوم کس کس مد میں خرچ کی جا سکتی ہیں، لیکن موصوف نے ان میں سے ''فی سبیل اللہ'' کی مد کو اپنی کمائی کی بنیاد بنا لیا۔ بہت خوب! دوسرے لوگ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے چلے جائیں اور مولوی صاحب اسے کھاتے چلے جائیں! مدرسے بنوانا اور ان کا انتظام چلانا بھی ''فی سبیل اللہ'' میں آتا ہے کہ صاحب استطاعت افراد اس راہ میں اپنا مال لگائیں اور قرآن وحدیث کا علم رکھنے والے ''فی سبیل اللہ'' اس کی تعلیم دیں۔ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ فقط صاحب استطاعت تو مال لگاتے رہیں اور مولوی صاحب محض کھاتے ہی رہیں۔

اگر قرآنی آیت: وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا میں مولوی صاحب کو قرآن پر اجرت لینے سے منع کیا ہے تو اسی میں عام مومنوں کے لیے بھی اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہ دیں کیونکہ یہ لفظ اشْتَرَى ''خریدنے'' اور ''بیچنے'' دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورہ توبہ میں فرمایا گیا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبۃ ۱۱۲)

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے''

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا والی آیت کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی آیات کو خرید وفروخت کا ذریعہ نہ بناؤ۔ جس طرح قرآن کی آیات پر اجرت لینا منع ہے، اسی طرح اس پر اجرت دینا بھی منع ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شراب حرام ہے، اس کا خریدنا اور بیچنا بھی حرام ہے۔ قرآن کی اجرت حرام ہے، اس کا لینا بھی حرام ہے، دینا بھی حرام۔

صلاح الدین صاحب کی بیان کردہ تفسیر میں تو سین میں ''(چاہے وہ مالدار ہی ہو)'' کے الفاظ بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اس سے مراد صرف مجاہدین ہیں جو اسلام کے لیے اپنی جان ومال سے لڑتے ہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے:

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ لِغَارِمٍ أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ لِرَجُلٍ لَهُ جَارٌ مِسْكِينٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِينِ فَأَهْدَى الْمِسْكِينُ لِلْغَنِيِّ

(مؤطا امام مالک: کتاب الزکوۃ، باب اخذ الصدقۃ .....)

> ''زکوۃ (لینا) درست نہیں ہے کسی غنی کے لیے مگر پانچ (قسم کے غنیوں) کے لیے: غازی کے لیے فی سبیل اللہ، یا وہ جو زکوۃ پر عامل بنایا جائے، یا وہ جو قرض دار ہو یا وہ شخص جو زکوۃ کا مال خرید لے، یا وہ شخص جس کے مسکین ہمسائے کے پاس سے وہ بصورت ہدیہ آئے (یعنی زکوۃ اس کے مسکین پڑوسی کو ملے اور وہ پڑوسی اسے بطور ہدیہ دیدے)''۔

الغرض کہ قرآن اور حدیث کسی میں بھی زکوۃ کی رقم سے مولوی کے لیے بہر حال کوئی حصہ نہیں۔ مگر مفتی موصوف زبردستی خود کو ان میں شامل کرنے کی کوشش میں ہیں چنانچہ عبدالرحمن کیلانی کے حوالے سے اس بات کو پیش کرتے ہیں کہ

> ''علاوہ ازیں ہر وہ ادارہ بھی اس مصرف میں شامل ہے جو زبانی یا تحریری طور پر دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے یا اسلام کا دفاع کر رہا ہے''۔ (صفحہ ۳۸)

گویا ان کے ادارے اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اچھے صاحب اب جہاد کے نام پر مولویوں کے لیے مزید ''تر مال'' کا انتظام کیا جائے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ

> ''زکوۃ (لینا) درست نہیں ہے کسی مالدار کے لیے مگر غازی کے لیے فی سبیل اللہ.....''

حدیث میں ''غازی'' کا لفظ آیا ہے (یعنی اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا) کسی ''مولوی'' یا ''مفتی'' کا نہیں، لہٰذا یہ استدلال تو یہیں ختم کر دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ ان کے ادارے اسلام کے دفاع میں جہاد کر رہے ہیں، تو یہ بالکل غلط ہے۔ یہ تو دینی کاروبار میں مصروف ہیں، بغیر کسب یہ مال بٹور رہے ہیں اور ان کی ساری کوشش صرف اپنے فرقے کے لیے ہے۔ یہ لوگ اسلام نہیں، بلکہ مذہب اہلحدیث کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے اپنے اکابر کے فتوے پر ایمان بنایا، روح کے اس مردہ جسم میں لوٹنے کا عقیدہ دیا اور پھر یہ مردہ زندہ بن گیا۔ قبر پر جانے والوں، ان سے مانگنے والوں پر یہ فرقہ کفر وشرک کے فتوے داغتا ہے لیکن خود ان کی کتابیں قبر کی اس مزعومہ زندگی سے پُر ہیں۔

نبی ﷺ سے زیادہ سمجھ رکھنے والے!

موصوف نے سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۷۳ کے حوالے سے اس بات کو پیش کیا ہے کہ

> ''اس آیت میں ان لوگوں کو بھی فقراء کہا گیا ہے جو دین کے کاموں میں شب وروز مصروف رہتے ہیں اور اس مصروفیت کی وجہ سے وہ دوسرے تمام دنیاوی کام اور کاروبار نہیں کر سکتے۔ وہ چاہے مجاہدین فی سبیل اللہ ہوں، یا دین کی تعلیم سیکھنے یا سکھانے والے ہوں''۔ (صفحہ ۳۹)

چہ خوب! جس طرح بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں اسی طرح مولویوں کو بھی ہر چیز سے اجرت کی خوشبو آجاتی ہے۔ نبی ﷺ جن کے قلب پر یہ آیت نازل ہوئی

اور جن سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والا کوئی ہو ہی نہیں سکتا، نے یہ بات بیان نہیں کی جو موصوف بیان کر رہے ہیں۔ موصوف اور ان کے فرقے کا دعویٰ تو حدیث سے تعلق کا ہے تو ذرا کسی حدیث کے حوالے سے وضاحت فرمائیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد کتنے صحابہ کرامؓ، جو کہ سارے کے سارے مجاہدین تھے، دین کی تعلیم سیکھنے سکھانے والے تھے، کی تنخواہ مقرر کردی گئی تھیں؟ کتنوں کے وظیفے جاری ہو گئے تھے؟ آج کے یہ فرقہ پرست مولوی اسلام کے سچے شیدائی ہونے اور شب و روز دین کی ''سربلندی'' میں مصروف رہنے کے دعویدار ہیں جس پر بقول انہیں وظیفہ دیا جائے۔ لیکن حیرت ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی اتنا مخلص، اتنا وقت لگانے والا نہ تھا کہ اس وجہ سے نبی ﷺ اس کا وظیفہ ہی مقرر فرما دیتے!

ہماری کتاب ''دینداری یا دکانداری'' میں احادیث کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے قرآن و حدیث کو اپنا پیشہ نہیں بنایا تھا بلکہ وہ تجارت، محنت و مزدوری کرنے والے تھے۔ رات کو دین کا علم سیکھتے سکھاتے اور دن میں محنت مزدوری کیا کرتے۔ اصحاب صفہ کے فقر و فاقہ کا معاملہ کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا تھا، یہ بھی احادیث سے واضح ہے۔ ان میں سے نہ کسی کی تنخواہ مقرر تھی اور نہ ہی کوئی وظیفہ۔ جب بھی کہیں سے کچھ آیا، اس میں سے ان کے لیے انتظام کر دیا جاتا تھا۔ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہؓ میں سے کچھ لوگ لکڑیاں فروخت کر کے اصحاب صفہ کے کھانے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ موصوف سے کوئی پوچھے کہ ان اصحاب کے ساتھ اعانت کا یہ معاملہ ان کے فقر و فاقہ کی وجہ سے تھا یا محض اس لیے کہ وہ کہیں امام و مؤذن لگے ہوئے تھے؟ غربت کی بناء پر ایسے شخص کی بھی مدد کی جا سکتی ہے، لیکن امامت یا تعلیم قرآن کی بنیاد پر اس کو تنخواہ یا وظیفہ دینا اور اس کا لینا تو کتاب اللہ کا انکار ہے۔

موصوف کا یہ کہنا آخر کس بنیاد پر ہے کہ

''اس مصروفیت کی وجہ سے وہ دوسرے تمام دنیاوی کام اور کاروبار نہیں کر سکتے''

اسلام نے کس کو پابند کیا ہے کہ صبح سے لے کر رات تک مسجد میں بیٹھا رہے؟ کیا ان کے سامنے صحابہ کرامؓ کا کردار نہیں ہے کہ وہ دن میں اپنی معاش کے لیے جستجو کرتے تھے اور رات کو قرآن سیکھنے اور سکھانے میں مصروف رہتے تھے؟ مولوی صاحبان آخر یہ راستہ کیوں نہیں اپناتے! رہی بات پنج وقتہ صلوٰۃ کی تو وہ ہر مومن نے ادا کرنی ہے، اس میں مولوی کا تو کوئی تفرد و تخصص نہیں۔ مومنوں میں سے جو بھی ذمہ دار ہوگا وہ امامت کرے گا، ورنہ حاضر لوگوں میں جو قرآن کا زیادہ جاننے والا ہو وہ امامت کرے گا۔ یہ فرض عبادت ہے اور خود موصوف نے اپنے اسی زیر نظر کتابچے میں اعتراف کیا ہے کہ فرض عبادات پر اجرت نہیں لی جا سکتی۔

بایں ہمہ مفتی موصوف نے سورہ حشر کی آیات ٦ تا ١٠ کا حوالہ دیا ہے کہ مال فے سے ان لوگوں کی اعانت کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہمیں اس لسٹ میں بھی کسی مولوی یا مفتی کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ دراصل یہ مولویانہ حربہ ہے کہ اپنے فرقے کے لوگوں پر یہ رعب ڈالا جائے کہ جی میری کمائی تو بالکل حلال ہے، قرآن کی فلاں فلاں آیت میں اس کا ذکر ہے، یہ تو چند افراد ہیں کہ جو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں......

جھوٹ پر جھوٹ

قرآنی آیات کے حوالے سے بحث کے بعد اب ہم آتے ہیں اس سلسلے میں پیش کردہ احادیث کی طرف۔ ہم نے اپنی کتاب (صفحہ ٧، ٨) میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ کچھ احادیث بھی پیش کی تھیں جن کے متعلق موصوف نے اپنے زیر نظر کتابچے میں ہانک لگا دی کہ:

''دینی امور پر اجرت کے مسئلے کے لئے ضعیف روایات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے''
(صفحہ ١٠)

''...... نیز یہ احادیث اس قابل نہیں ہیں کہ ان (ضعیف روایات) کے ذریعے کوئی حجت قائم ہو سکے بلکہ وہ روایات احادیث صحیحہ کے معارض نہیں ہیں......'' (صفحہ ١٦)

مذکورہ مقام پر ہم نے سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن شبل الانصاریؓ کی روایت پیش کی تھی کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اقرؤا القرآن ولا تغلوا فیه ولا تجفوا عنه ولا تاکلوا به ولا تستکثروا به
''قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فائدے حاصل کرو''۔ (مسند احمد: جلد ٥، صفحہ ٤٤٤)

ایک محدث کے حوالے سے ہم نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ

''ہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حافظ کہتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے'' (صفحہ ٩)

لیکن مفتی موصوف نے اس روایت کو ضعیف قرار دے دیا۔ تین صفحات کالے کر کے اسے ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن بالآخر یہ بھی کہہ گئے:

''حدیث عبدالرحمٰن بن شبل کا صحیح مفہوم
اس حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود بھی اس حدیث کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں ہے کہ جو عموماً بیان کیا جاتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ اقرءوا القرآن ولا تاکلوا به یعنی قرآن پڑھو اور اس کے ذریعے نہ کھاؤ کا مطلب دوسری حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال نہ کرو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جناب عمران بن حصینؓ ایک قاری پر سے گزرے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرتا تھا پس انہوں نے انا للہ و انا الیه راجعون پڑھا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

من قرأ القرآن فلیسأل الله به فانه سیجیء اقوام یقرءون القرآن یسألون به الناس (سنن الترمذی ص ٦٥٢ ح ٢٩١٧، مسند احمد ٤/٤٣٢، ٤٣٣، ٤٣٩، الصحیحۃ ١/٤٦١ ح ٢٥٧)

''جو قرآن پڑھے پس وہ اللہ سے سوال کرے کیوں کہ عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرے گی''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا بھیک مانگنا درست نہیں ہے اور اس بات کی وضاحت اس حدیث میں قول و فعل دونوں کے ذریعے کر دی گئی ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دم اور تعلیم القرآن وغیرہ پر اجرت نہ لی جائے''۔ (صفحہ ٥٧، ٥٨)

مالک الملک کا بڑا احسان کہ وہ جھوٹ کا اعتراف خود ان کی ہی تحریر سے کروا رہا ہے ورنہ ان کے اندھے مقلد تو ان مولوی صاحب کی ہر ہر بات کو لاریب سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ موصوف کے کتابچے سے چند اقتباسات اوپر نقل کیے گئے ہیں جن میں موصوف نے اپنے فرقہ والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اجرت کو حرام قرار دینے والی ساری روایات ضعیف ہیں، اور اب لکھتے ہیں:

''......اس حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود بھی اس حدیث کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں ہے......''

دیکھا آپ نے! موصوف نے ان روایات کے متعلق جو جھوٹ بولا تھا، اللہ نے

اس کا پردہ کیسے چاک کر دیا! کیسے دورُخے ہیں کہ پہلے تو اس روایت کو ضعیف کہہ دیا، اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو فرما دیا کہ...... جی ہے تو صحیح مگر اس کا مفہوم وہ نہیں ہے بلکہ...... دروغ گورا حافظہ نباشد۔ اس حدیث کا مفہوم تو انہوں نے بدلنا ہی ہے ورنہ کون انہیں تنخواہ اور وظیفوں سے نوازے گا؟ پیش کردہ روایت کے الفاظ پر غور فرمایے: ''قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو'' یعنی اس قرآن میں جو احکامات بیان کیے گئے ہیں ان میں اعتدال کی روش اختیار کرو، ان میں انتہا پسندی نہ اختیار کرو۔ پھر فرمایا: ''اور اس سے اعراض نہ کرو'' یعنی اس میں جو احکامات بیان کیے گئے ہیں ان سے منہ نہ موڑو بلکہ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کی روش اختیار کرو۔ پھر فرمایا: ''اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ'' یعنی جس طرح تم تجارت، محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہو، اس طرح قرآن کو اپنی معاش کا ذریعہ نہ بنا لینا، نہ اس کی تلاوت پر تمہیں اجرت لینی ہے، نہ اس کی تعلیم و تبلیغ پر۔ پھر فرمایا: ''اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فائدے حاصل کرو'' پہلے تو اس بات سے منع کیا گیا کہ اسے تم کمائی کا ذریعہ بنانا، اب بتایا کہ اس بنیاد پر اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو کہ تم قرآن کی تعلیم دیتے ہو، یا مسجد میں امامت کر کے قرآن سناتے ہو، تو ایسے فائدے سے دور رہنا۔ یعنی اس پر تحفہ بھی نہیں لینا، اس کے عوض تمہیں کھانے پینے کی کوئی چیز دی جائے تو وہ بھی نہیں لینا، اس کی وجہ سے تمہارے ساتھ خصوصی عزت و احترام کا معاملہ کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا...... اس حدیث میں جہاں لینے والے کے لیے حکم ہے، وہیں دینے والے کے لیے بھی اشارۃً حکم ہے کہ اس قسم کے سارے کام ممنوع ہیں، اے ایمان والے اس میں ملوث نہ ہوں۔

اس حدیث نے قرآن کے حکم: وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا کی مکمل تشریح فرما دی۔ قرآن و حدیث کا مضمون موصوف کی ''کمائی'' کی حیثیت کو مکمل طور پر واضح کر رہا ہے۔ لہٰذا موصوف نے اس آیت کی مختلف تشریحات پیش کر کے اسے کچھ کا کچھ بنانے کی کوشش کی جو، الحمدللہ، انہی کے اوپر پلٹ گئی۔ قرآنی آیت کی طرح اب حدیث کے بیان کو بھی بدلنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم ''وہ'' نہیں جو بظاہر ثابت ہو رہا ہے بلکہ اس کا مفہوم تو ''یہ'' ہے کہ

''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا بھیک مانگنا درست نہیں ہے''

قارئین! ذرا توجہ فرمائیں کہ مفتی موصوف نے کیا کھیل کھیلا ہے! نبی ﷺ کے ''حکم'' (اسے ذریعہ معاش نہ بناؤ اور اس سے دنیاوی فائدے حاصل نہ کرو) کو ایک ''خبر'' (عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریگی) سے بدل دیا۔ اگر موصوف میں صداقت و دیانت نام کی کوئی چیز ہوتی تو کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ یہ تو آپ کو پہلے ہی معلوم ہے کہ سالہا سال ان مسلکی مدرسوں میں پڑھنے کے بعد انسان کیا بنتا ہے؟ مدرسے کی تعلیم کا مقصد محض ''اپنے فرقے کا دفاع'' اور ''ثمن قلیل'' ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلحدیث مدرسے میں پڑھنے والا قرآن و حدیث کے حکم کے مقابلے میں تین طلاقوں کو ایک طلاق مانتا ہے، دیوبندی مدرسے میں پڑھنے والا رفع یدین کے ساتھ پڑھی جانے والی صلوٰۃ کو صلوٰۃ نہیں مانتا، غیر اللہ سے مدد مانگنا بریلوی کو اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے خلاف نظر نہیں آتا، صحابہ پر تبرا بھیجنے اور ام المومنین پر تہمت لگاتے وقت شیعوں سے مناقب صحابہ کی آیات اور قرآنی برأت چھپ جاتی ہیں...... اب اگر مفتی موصوف بھی اس صحیح روایت کے اصل متن و مفہوم پر ایمان لے آئیں تو ان کے پاس کیا رہ جائے گا؟ کیا ان میں اتنی جرأت ہے کہ سرِ عام اس بات کا اقرار کر لیں کہ یہ کتاب اللہ کا کفر کر رہے ہیں؟ لہٰذا ہیرا پھیری کرنا تو ضروری ہو گیا، ورنہ نہ تنخواہ ملے گی، نہ ہی وظیفہ اور نہ ہی ''اوپر'' والی کمائی کا ہی کوئی بندوبست ہو گا۔

مفتی صاحب نے حدیث کو ضعیف تو قرار دیا لیکن......

مفتی موصوف کے دوسرے جھوٹ کا پول بھی مالک نے خود انہی کے ہاتھوں اسی تحریر میں کھول دیا۔ موصوف نے عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ والی روایت کا بزعمِ صحیح مفہوم بتانے کے لیے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی روایت پیش کی ہے۔ یہ وہی روایت ہے جو ہم نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۸ پر پیش کی ہے لیکن موصوف نے بیک جنبشِ قلم ان سب روایتوں کو ضعیف قرار دے ڈالا تھا۔ اب جب عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ والی روایت سے مفتی صاحب کی کمائی ''حرام'' ثابت ہونے لگی تو موصوف نے اس کا مفہوم بدلنے کے لیے اس دوسری روایت کا سہارا لیا جسے موصوف بعد دیگرے پہلے ہی ضعیف قرار دے چکے تھے! اب کوئی موصوف سے پوچھے کہ ''حضرت'' یہ کیسا معیار اور کونسا پیمانہ ہے کہ کوئی دوسرا اگر ایک روایت آپ کے خلاف پیش کرے تو وہ ''ضعیف'' ٹھہرے لیکن جب خود آپ کو اسے کہیں پیش کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ ''صحیح'' بن جاتی ہے! قارئین! یقیناً آپ کو اچھی طرح پہچان ہو گئی ہو گی ان اہلحدیث مفتی کی۔ ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' شاید ایسے ہی موقعہ پر کہا جاتا ہے۔

موصوف صفحہ ۵۸ پر اس روایت کے لیے لکھتے ہیں کہ

''اس روایت پر ہمارے نزدیک اگرچہ کلام کی گنجائش موجود ہے، لیکن چونکہ یہ روایت کسی اصول کے خلاف نہیں ہے، لہٰذا شواہد میں اسے حسن قرار دینے میں کوئی حرج نہیں پھر فریق مخالف کے نزدیک بھی یہ روایت صحیح ہے''۔

تو پھر اس قدر تعدیل کے بعد ایک صحیح اور غیر متکلم فیہ روایت کے مفہوم کو اس قابلِ کلام روایت کے متن سے کیوں بدل دیا؟ آخر عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ والی روایت کے متن پر ایمان کیوں نہیں لاتے کہ قرآن کو ذریعہ معاش بنانا منع ہے؟ مگر اس واضح روایت کے دوٹوک حکم کے خلاف دین کو پیشہ بنانے والے ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ موصوف اتنی آسانی سے قرآن و حدیث کا بیان قبول کر لیں تو پھر انہیں اہلحدیث کون کہے گا؟ مزید یہ کہ اصولِ حدیث میں ایک اور ''اصول'' کا اضافہ ہو گیا! کیا احادیث اسی اصول پر قبول کی جاتی ہیں کہ فریق مخالف کے نزدیک وہ صحیح ہیں؟

موصوف نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی روایت کے حوالے سے کہا ہے کہ قرآن پڑھ کر سوال کرنا جائز نہیں۔ مفتی صاحب نے یہ کوئی نئی بات نہیں بیان کی ہے۔ سارے ہی مولوی اس بات کو ''جانتے'' ہیں، اسی لیے قرآن پڑھ کر سوال نہیں کرتے بلکہ تنخواہ پہلے ہی طے کر لیتے ہیں؛ گناہ تو تب ہے جب پڑھ کر سوال کیا جائے!

ایمان کی بنیاد: حدیث یا اقوال الرجال

ہماری کتاب میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ والی روایت بھی پیش کی گئی ہے جس میں نبی ﷺ نے اذان پر اجرت سے منع فرمایا ہے۔ موصوف نے اگرچہ تمام روایتوں کو ضعیف قرار دے دیا لیکن اپنی پوری تحریر میں اس روایت کی صحت کے بارے میں ذرا بھی بحث نہیں کی۔ مگر بایں ہمہ اس روایت کے حکم کو ماننے کے لیے پھر بھی تیار نہیں۔ چنانچہ اس کا کفر کرنے کے لیے موصوف ایک بار پھر نام نہاد ائمہ کرام کا سہارا لیتے ہیں۔

لگتا ہے موصوف نبی ﷺ کے کسی بھی حکم کو اس وقت تک نہیں مانتے جب تک کہ تمام مسالک کے علماء کی تائید اسے حاصل نہ ہو جائے جیسا کہ اپنے اس کتابچے میں موصوف نے اپنی مطلب براری کے لیے ہر ہر آیت اور روایت پر مختلف فرقوں کے اکابرین کی آراء تائیداً بیان کی ہیں حالانکہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ وہ کسی کے قول کو نہیں مانتے: البتہ مسلکی اختلاف رفع یدین، فاتحہ خلف امام، طلاق ثلاثہ اور اہلحدیثوں کے دیگر مخصوص مسائل میں انہوں نے حنفیوں، مالکیوں و دیگر مسالک کی رائے کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی؟ اذان پر اجرت کی ممانعت سے متعلق مذکورہ بالا روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اذان پر اجرت مکروہ ہے۔ اور امام الخطابی فرماتے ہیں اکثر مذاہب کے علماء کے نزدیک اذان پر اجرت لینا مکروہ ہے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور انہوں نے اس مسئلہ میں رخصت دی ہے اور بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر اجرت کو حرام قرار دیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ حدیث تحریم پر دلالت نہیں کرتی۔ اور کہا گیا کہ یہ خصوص جگہ کی وجہ سے اذان پر اجرت درست ہے کیوں کہ یہ اذان پر اجرت نہیں بلکہ یہ جگہ کی ملازمت ہے جیسے کمین گاہ میں بیٹھنے والا اگر وہ ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک قول راجح وہ ہے کہ جس کی طرف اکثر علماء گئے ہیں''۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ۱۰۷/۲)

اسلامی حکومت بیت المال سے مؤذنین کے لئے وظائف مقرر کر سکتی ہے یا مسجد کی صفائی کی خدمت کے عوض ایسے لوگوں کے وظائف مقرر کیے جا سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ رضا کارانہ طور پر اور ثواب کی نیت سے اذان دیتے رہیں'' (صفحہ ۶۷، ۶۸)

ملاحظہ فرمایا کہ نبی ﷺ کے فرمان پر کس طرح ان ''ائمہ کرام'' کے بیانات کو فوقیت دی گئی ہے! تقلید شخصی کو شرک بتانے والے اب کس طرح شخصی اقوال کو حجت بنا رہے ہیں؟ یہی فعل دوسرے کریں تو شرک، شرک...... اور اگر آپ کریں تو......؟ کیا یہ تطفیف نہیں جس کے لیے اللہ کی کتاب اعلان کرتی ہے کہ:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی طرف سے دیے گئے مذکورہ صدر حوالے میں دونوں طرح کے بیانات پائے جاتے ہیں، یعنی کسی نے اسے جائز قرار دیا اور کسی نے ناجائز لیکن موصوف نے بات وہی قبول کی جس سے اپنی کمائی ''جائز'' ثابت ہوتی تھی! اس قسم کی صورتحال قدرے ''غیرت'' کی متقاضی ہوتی ہے لیکن بہرحال آدمی کو کرنا وہی چاہیے جس سے پیٹ پر ضرب نہ پڑے!

مندرجہ بالا روایت میں نبی ﷺ نے اذان پر اجرت سے منع فرمایا ہے، جس پر یقین و عمل ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کا حکم ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر:۷)

''اور جو رسول تم کو دے دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کر دیں اس سے بچو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک وہ بہت شدید پکڑ کرنے والا ہے''۔

اور مومنوں کی تو شان ہی یہ ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝ (الاحزاب:۳۶)

''اور کسی مومن اور مومنہ کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کا اپنا کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو (اس کے بعد) اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا تو پھر وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا''۔

اور یہ کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء:۶۵)

''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں''

لیکن اگر یہ اہلحدیث اسی طرح نبی ﷺ کی احادیث کو سیدھی طرح من و عن ماننے لگیں تو پھر یہ اہلحدیث کہاں رہیں گے، یہ تو مسلم ہو جائیں گے، پھر ان کا فرقہ چلے گا کتنے دن! یہ صرف اجرت کا ہی معاملہ نہیں بلکہ فرقہ پرستی کا ہر پہلو، فاتحہ خلف امام، طلاق ثلاثہ، اعادہ روح، عذاب قبر، درود کا پہنچنا اور کتنے ہی عقائد و اعمال میں فرقہ اہلحدیث کتاب اللہ کا انکار کرتا ہے اور محکم اور واضح دلائل کو چھوڑ کر ضعیف و موضوع روایات کو بنیاد بناتا ہے۔ چنانچہ اسی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے موصوف نے اس قول کو قبول فرمایا جس کی طرف (دین کو پیشہ بنانے والے) اکثر ''علماء'' گئے ہیں۔ اس اجرت کو جائز کرنے کے لیے جو دلیل دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اجرت اذان دینے کی نہیں بلکہ ملازمت کی ہے، جیسے کمین گاہ میں بیٹھنے والا...... سوال یہ ہے کہ کس نے کہا کہ مؤذن مسجد میں بیٹھا رہے؟ جس طرح پنج وقتہ صلوٰۃ میں مقتدی حاضر ہوتے ہیں، مؤذن کو بھی اسی طرح پانچ وقت آنا ہے۔ جس طرح صلوٰۃ ادا کرنے کے بعد لوگ چلے جاتے ہیں، مؤذن کو بھی اسی طرح چلے جانا چاہیے۔ کمین گاہ میں بیٹھنے والا تو ریاستی ذمہ داری ادا کر رہا ہے، مؤذن کے لیے قرآن و حدیث میں کہاں ایسی ڈیوٹی بیان کی گئی ہے؟ ذرا بتائیں کہ بلال ؓ کو یہ خدمت انجام دینے کے کتنے درہم ادا کیے جاتے تھے؟ اسی طرح عبداللہ بن ام مکتوم، عبداللہ بن زید، ابو محذورہ ؓ اور دوسرے مؤذنین کا ماہانہ کتنا وظیفہ مقرر تھا؟

قارئین! آپ دیکھیں کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ یہ لوگ کس طرح مذاق کرتے ہیں! اللہ اور رسول کے صریح احکامات کو اپنے مفاد کی خاطر متنازعہ قرار دے کر تاویلات کی بھینٹ چڑھا دیا ہے! کہتے ہیں کہ یہ اذان کی تنخواہ نہیں بلکہ ملازمت کی ہے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ''کام'' کیا ہے ''جس'' کے لیے اسے ''ملازم'' رکھا گیا ہے؟ اگر وہ کام اذان دینا ہے تو نبی ﷺ کا حکم بالکل واضح ہے جس میں کسی دوسری بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اسے ایک دوسرے انداز سے بدل دینا ایسا ہی ہے کہ جب یہودیوں پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ دیا۔ سبت کے حکم کی نافرمانی کرنے والوں نے بھی اسی طرح چور دروازہ نکال کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا! نبی ﷺ نے جس بات سے منع فرمایا تھا اسے ''وقت'' کی تنخواہ کا نام دے کر ''جائز'' قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ مسلک پرست شاید اسے ہی ''ایمان بالرسول'' کہتے ہیں! پھر موصوف رقم طراز ہیں کہ

''اسلامی حکومت بیت المال سے مؤذنین کے لئے وظائف مقرر کر سکتی ہے یا مسجد کی صفائی کی خدمت کے عوض ایسے لوگوں کے وظائف مقرر کیے جا سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ رضا کارانہ طور پر اور ثواب کی نیت سے اذان دیتے رہیں''

موصوف کا یہ بیان اس کسوٹی پر ہی پورا اترے گا جب اس بات کا کھل کر اعلان کر دیا جائے کہ اب قرآن و سنت کے مطابق کوئی کام نہیں کرنا، اس وقت بیت المال سے سب کچھ کیا جائے گا، لیکن اگر بنیاد قال اللہ و قال رسول ﷺ ہے تو پھر یہ کسی صورت جائز نہیں۔ نیز یہ چیز بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے یہ کیوں لکھا ہے کہ ''وہ رضا کارانہ طور پر ثواب کی نیت سے اذان دیتے رہیں''

گویا موصوف بھی جانتے ہیں کہ تنخواہ لے کر اذان دینے والے کے لیے کوئی ثواب نہیں ہے۔ رہا سوال مسجد کی صفائی پر کسی کو رکھنے کا تو اس پر قرآن وحدیث کی کوئی قدغن نہیں۔ اجرت پر مسجد کی صفائی کرنے والا اگر واقعی صرف حصول ثواب کے لیے اذان دیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر معاملہ یہ ہو کہ مسجد کی صفائی کے نام پر ملازم رکھا جائے اور ڈیوٹی اذان دینا بھی ہو تو پھر یہ ہرگز جائز نہیں۔

جہالت سے بھرپور تشریح

چوتھی روایت جس میں نبی ﷺ نے تعلیم القرآن پر ھدیہ لینے کو آگ کا طوق بیان فرمایا تھا، موصوف نے اسے بھی ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ ناصر الدین البانی نے اس روایت کے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن موصوف اس روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے ایسے گزر گئے کہ جیسے ناصر الدین البانی کو جانتے ہی نہیں (حالانکہ وہ ان کے اپنے فرقے کے معتمد علیہ آدمی تھے) اور بس "میں نہ مانوں" کے انداز میں موصوف نے اسے ضعیف قرار دے دیا۔ ایسی روایت جس میں تعلیم القرآن پر تحفہ تک لینا جائز نہ ہو، اسے تو یقیناً ضعیف ہی قرار دینا پڑے گا ورنہ تو نوبت فاقوں تک پہنچ جائے گی! اصحابہ کرام ؓ "تحفہ" اس لیے نہیں لیا کرتے تھے کہ وہ محنت و مشقت کر کے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر اپنا پیٹ پالتے، قرآن کا علم سیکھتے اور سکھاتے تھے۔ اب مولوی صاحب ان صحابہ کرام ؓ کی طرح تو ہیں نہیں کہ محنت و مشقت اور مزدوری کر کے اپنا "اسٹیٹس" (status) خراب کر لیں۔ گویا ان کی زبانیں زیرِ لب کہہ رہی ہیں کہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ

موصوف نے اس روایت کے حوالے سے ابن کثیر کی یہ تشریح پیش کی ہے:

"...... مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم (صفحہ ۷۱، ۷۲)

دوسری جگہ موصوف لکھتے ہیں:

"اور علماء نے حدیث عبادہ کی یہ تشریح کی ہے (جب کہ یہ حدیث صحیح ہو) کہ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو انہوں نے بنظر ثواب خوشی سے کیا تھا اور اس کے کرنے میں ان کی نیت ثواب کی تھی اور تعلیم کے دوران انہوں نے بدل (اجرت) اور نفع کمانے کی نہیں تھی۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان کو ڈرایا اور انہیں خوف دلایا اور عبادہ کا معاملہ اس شخص کی طرح تھا جو کسی کا گم شدہ جانور ڈھونڈ کر واپس کر دے یا اس کے غرق شدہ سامان کو جو دریا میں غرق ہو گیا تھا دریا سے نکال کر بنظر ثواب خوشی سے اسے واپس کر دے، ایسے شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کام پر اجرت حاصل کرے اور اگر وہ اس کام کے کرنے سے پہلے ثواب کی نیت کے بغیر اس شخص (جانوروں کے یا سامان والے) سے اجرت طلب کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اصحاب صفہ فقراء تھے، ان کی معیشت کا دارومدار لوگوں کے صدقے پر تھا۔ آدمی کا ان میں سے مال لینا مکروہ تھا اور انہیں مال لوٹانا مستحب تھا۔" (صفحہ ۶۲، ۶۳)

موصوف کی پیش کردہ اس نادر و نایاب تحریر سے یہ قانون سامنے آیا کہ اگر کسی نے صرف ثواب آخرت کی نیت سے قرآن کی تعلیم دی ہو تو تحفہ لینا ناجائز ہوگا۔ لیکن اگر دنیا کمانے کے لیے وہ قرآن کی تعلیم دے رہا ہے تو پھر جائز ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف اور ان کے ہم مشربوں پر یہ ساری باتیں کون وحی کر دیتا ہے جو نہ کتاب اللہ میں موجود ہوں اور نہ حدیث میں انہیں بیان کیا گیا ہو؟ إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ

قارئین اہم سوچتے ہی رہے کہ آخر یہ کیوں بیان کیا گیا کہ اگر ثواب آخرت کے لیے پڑھائے تو تحفہ لینا حرام اور جو دنیا کمانے کے لیے پڑھائے تو اس کے لیے سب کچھ جائز؟ بالآخر عقدہ یہ کھلا کہ واقعی ان کا بیان تو "حقیقت" پر مبنی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ اگر کوئی آخرت کے اجر کے لیے یہ تعلیم دے رہا ہے تو اسے ایک تنکا بھی نہیں لینا چاہیے، سو فیصد صحیح ہے کیونکہ قرآن کی تعلیم پر ہر قسم کی اجرت وتحفہ حرام ہے، اگر وہ تحفہ لے گا تو آخرت میں اسے ثواب کے بجائے آگ کا طوق پہنایا جائے گا۔ ان کا دوسرا بیان بھی سو فیصد صحیح ہے کہ اگر کوئی دنیا کمانے کے لیے ہی قرآن کی تعلیم دے رہا ہے تو وہ جو چاہے لے سکتا ہے۔ وہ آخرت سے بے نیاز ہے تو "آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا" (البقرۃ: ۲۰۰) کیونکہ جب اس کی نیت ہی اللہ کے حکم کے انکار کی ہے تو پھر اس کی جزا جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ بھی نہیں؟ اب وہ تھوڑا کھائے یا زیادہ کھائے، اس پر کوئی پابندی نہیں۔ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ!

ایک نیا ڈرامہ

انہی تحریروں میں متقی موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ

"...... اور اصحاب صفہ فقراء تھے، ان کی معیشت کا دارومدار لوگوں کے صدقے پر تھا۔ آدمی کا ان میں سے مال لینا مکروہ تھا اور انہیں مال لوٹانا مستحب تھا۔"

یعنی نبی ﷺ نے عبادہ ؓ کو یہ تحفہ لینے سے اس لیے بھی منع کیا تھا کہ اصحاب صفہ فقراء میں سے تھے، ان سے لینا ٹھیک نہیں۔ ایسے لوگ اپنا گناہ چھپانے کے لیے ہی تاویلات بیان کرتے رہیں گے مگر یاد رکھیں کہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔ چونکہ "حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے" چنانچہ ان کے اس دجل کا پول بھی اللہ نے پہلے ہی کھول دیا کہ فقراء کے ہدایا اگرچہ مال زکوٰۃ وصدقات سے ہی ہوں، اغنیاء کے لیے حلال کر کے کسی مولوی کی مذکورہ قسم کی حیلہ سازی کی گنجائش نہیں رکھی۔

اوپر بیان کردہ ایک حدیث میں بتایا گیا تھا کہ کوئی غنی شخص زکوٰۃ کی رقم نہیں لے سکتا مگر سوائے ان پانچ افراد کے...... پانچواں شخص جو اس رقم کو لے سکتا ہے اس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا

"...... یا وہ شخص جس کے مسکین ہمسائے کے پاس سے وہ بصورت ھدیہ آئے (یعنی زکوٰۃ اس کے مسکین پڑوسی کو ملے اور وہ پڑوسی اسے بطور ھدیہ دے)"

حدیث نے وضاحت کر دی کہ اگر کسی مالدار کے مسکین پڑوسی کو زکوٰۃ ملے اور وہ اس سے اپنے مالدار پڑوسی کو تحفہ بھیجے، تو یہ اس مالدار شخص کے لیے جائز ہے جیسے بریرہ لونڈی کو صدقے میں ملنے والے گوشت کو نبی ﷺ نے اپنے لیے ھدیہ قرار دیا۔ (بخاری: كتاب الزكوة باب اذا تحولت الصدقة) اب یہ موصوف مزید کون سا ڈرامہ رچائیں گے؟ کتاب اللہ نے ان کے سارے مکر وفریب کا پردہ چودہ سو سال پہلے ہی چاک کر دیا ہے۔ یہ ہیں حدیث پر ایمان کے دعویدار کہ جس چیز کو نبی ﷺ جائز قرار دیں یہ اسے مکروہ قرار دے دیں، اور جس بات سے نبی ﷺ منع فرمائیں وہ ان کے نزدیک مکمل طور پر حلال ہے! حیرت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے قولی حکم سے مالدار انسان کے لیے اس کے غریب پڑوسی کا ھدیہ حلال کر دیا، لیکن عبادہ بن صامت ؓ کو اس سے روک دیا!

"دم" والی روایت

اب ہم آتے ہیں بخاری کی ان احادیث کی طرف جنہیں ان پیشہ وروں نے اپنے باطل استدلال کی بھینٹ چڑھایا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ﷫ نے اپنی کتاب "تعویذات اور شرک" میں اس روایت کو پیش کیا ہے:

عن ابی سعید الخدری انّ ناساً من اصحاب النبی ﷺ اتوا علی الحیّ من احیاء العرب فلم یقروھم فبینماھم کذالک اذلدغ سید اولئک فقالوا ھل معکم دواۃ اوراقٍ فقالوا نعم انکم لم تقرونا ولا نفعل حتیٰ تجعلوا لنا جُعلاً فجعلوا لھم قطیعًا من الشاء فجعل یقرأ باُمّ القرآن و یجمع بزاقہ و یتفلُ فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لا ناخذھا حتیٰ نسئل النبی ﷺ فسألوہ فضحک و قال ما ادراک انھا رُقیۃ خذوھا واضربوا لی بسھم و فی روایۃ اقسموا واضربوا لی معکم سھمًا

(بخاری: کتاب الطب، و فی روایۃ سلیمان بن قتۃ فبعث الینا بالشاء والنزل فاکلنا الطعام)

ابوسعید خدری ﷛ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷡ کی ایک جماعت ایک عرب قبیلے کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کردیا۔ اسی درمیان اس قبیلے کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہ ﷡ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے یا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو کاٹے کے منتر سے واقف ہو اور دم کرسکتا ہو۔ صحابہ ﷡ نے جواب دیا کہ "ہاں" ۔مگر تم لوگ وہ ہو جنہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کردیا ہے اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر "دم" نہ کریں گے جب تک تم ہمیں اس کی اجرت دینے کا وعدہ نہ کرو۔ آخرکار بھیڑوں کی ایک ٹکڑی پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابی ﷛ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار پر تھتکار دیا۔ قبیلہ کا سردار بالکل اچھا ہوگیا۔ حسب وعدہ قبیلہ والے بھیڑیں لے آئے۔ صحابہ کرام ﷡ کو تردد ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ اس وقت تک ہم ان بھیڑوں کو نہ لیں گے جب تک نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلیں۔ پھر جب نبی ﷺ سے انہوں نے پوچھا تو نبی ﷺ ہنسے اور فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ ایک "دم" ہے؟ بھیڑوں کو لے لو، اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ سلیمان بن قتہ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ پھر قبیلہ والوں نے ہمارے لیے بھیڑیں بھیجیں اور ضیافت کے لیے کھانا بھی جس کو ہم نے کھایا۔ (تعویذات اور شرک۔ صفحہ ۱۳)

ڈاکٹر عثمانی ﷫ پر جھوٹا الزام

اس روایت کے حوالے سے موصوف نے ڈاکٹر عثمانی ﷫ پر جھوٹا الزام لگایا ہے:

"...... لیکن ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ ڈاکٹر موصوف نے صحیح بخاری کی اس واضح حدیث کو ابوسعید خدری ﷛ کی حدیث کے الفاظ قد اصبتم کو نقل تک نہیں کیا کیوں کہ اس طرح ان کے قائم کردہ فلسفہ کا پول کھل جاتا۔ ڈاکٹر موصوف کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ احادیث نقل کرنے میں خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔" (صفحہ ۳۱)

قارئین! ان مفتی موصوف کی خیانتوں کی ایک طویل فہرست آپ کے سامنے ہے، لیکن یہ اس قدر گر جائیں گے کہ اپنی اصلاح کرانے والوں پر اس طرح کے جھوٹے الزامات لگائیں گے اس کا ہمیں قطعاً اندازہ نہ تھا۔ ایک دین فروش سے ہمیں ہر قسم کی توقع رکھنی چاہیے۔ دراصل ڈاکٹر عثمانی ﷫ کو جھوٹا قرار دینا ان کی مجبوری بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ﷫ نے قرآن و حدیث کی صحیح دعوت پیش کرکے ان تمام فرقہ پرستوں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ ان فرقوں سے وابستہ لوگوں میں سے بعض نے اسے قبول کرکے صحیح اسلام قبول کرلیا اور کافی تعداد اب بھی شک میں پڑی ہوئی ہے، جس کا موصوف نے اپنی کتاب میں اعتراف بھی کیا ہے۔ لہٰذا اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے موصوف نے یہ اوراق سیاہ کیے ہیں۔ قارئین! مذکورہ کتابچے میں کس قدر جھوٹ لکھا گیا ہے، اس کا کچھ اندازہ تو آپ کو ہو ہی گیا ہوگا، آگے ان کے مزید جھوٹ کی ایک اور لسٹ آنے والی ہے۔ ڈاکٹر عثمانی ﷫ کے بارے میں انہوں نے جس دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے، ہم اس پر صرف یہ آیت ہی پڑھیں گے کہ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت"۔

ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ حدیث "بخاری: کتاب الطب، باب الرقی بفاتحۃ الکتاب و یذکر عن ابن عباس عن النبی ﷺ" کے حوالے سے پیش کی ہے۔ مگر اس روایت میں قد اصبتم (تم نے صحیح کام کیا) کے الفاظ ہرگز نہیں۔ موصوف اس روایت کے پورے متن میں یہ الفاظ نہیں دکھا سکتے، لہٰذا اپنے جھوٹ کا اقرار کرتے ہوئے اللہ سے معافی مانگیں۔ ان کے مقلدین، اب بھی انہیں پہچان لیں کہ موصوف مذکورہ آیت کے کتنے بڑے مصداق ہیں۔

صرف اسی روایت میں نہیں بلکہ خود موصوف نے اپنے کتابچے میں صفحہ ۱۳ پر بخاری کے حوالے سے ابن عباس ﷛ والی جو روایت پیش کی ہے اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ملتے۔ نیز صفحہ ۱۲ پر بخاری: فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس روایت میں بھی ان الفاظ کا کوئی وجود نہیں۔ انہوں نے بخاری: کتاب الطب، باب النفث فی الرقیۃ کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن شاید امام بخاری قد اصبتم کے الفاظ یہاں بھی نقل کرنا "بھول" گئے۔ مسلم: کتاب السلام، باب جواز اخذ الاجر عن الرقیۃ و الاذکار کا بھی موصوف نے حوالہ دیا ہے لیکن پریس کی "غلطی" کی وجہ سے شاید یہ الفاظ یہاں بھی نہیں چھپ سکے! علامہ صاحب نے ترمذی: کتاب الطب، باب ماجاء فی اخذ الاجر علی التعویذ کا بھی حوالہ دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں امام ترمذی نے یہ الفاظ "غائب" کردیے۔ موصوف نے اسی طرح ابن ماجۃ، کتاب التجارت، باب اجر الرقی کا حوالہ دیتے ہوئے بھی نہ دیکھا کہ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں یا نہیں۔ اپنے ممدوح امام احمد بن حنبل کی مسند کا بھی حوالہ دیا لیکن باقی مسند المکثرین، مسند ابی سعید الخدری ﷛ میں احمد بن حنبل نے شاید ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے "خیانت" کردی۔ موصوف اب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ساتھ بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد بن حنبل پر بھی یہ الزام لگائیں کہ

"...... وہ احادیث نقل کرنے میں خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں"

قارئین! یہ ہیں اہلحدیث! نام اہلحدیث مگر علم حدیث کے شاید قریب سے بھی نہیں گزرے، بس صرف مکھی پر مکھی مارتے ہیں۔ اور یہ مفتی موصوف تو جھوٹ اور دجل میں سب سے آگے نکلتے ہیں۔ تحقیق کے نام پر ایسی "نادر و نایاب" بلکہ "نرالی تولی" خامہ فرسائیاں فرمانے سے پہلے چھان پھٹک تو کرلیتے کہ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کا جو حوالہ دیا تھا، اس روایت میں جناب موصوف کے مزعومہ الفاظ ہیں بھی یا نہیں؟! اسی طرح جن روایات کا خود حوالہ دیا تھا انہیں بھی چیک کرلیتے کہ ان میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں یا نہیں تا کہ ان کے نام کے ساتھ زبردستی کے لگے ہوئے سابقے "مفتی"

کا مجرم تو رہ جاتا! موصوف نے صحیح بخاری: کتاب الاجارۃ کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے اس میں البتہ یہ الفاظ مل جاتے ہیں جبکہ ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ احسنتم میں تبدیل ہو گئے۔

موصوف نے اس روایت کی بنیاد پر لکھا ہے کہ

"اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دم پر جو اجرت لی تھی اسے نبی ﷺ نے نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس میں آپ ﷺ نے اپنا حصہ بھی مقرر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ صحابہ کرام کو اس مال کے حلال و طیب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اس واقعہ پر ہنس کر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔" (صفحہ ۱۴)

ڈاکٹر صاحب نے قرآن و حدیث کے مطابق اس کی یہی تشریح فرمائی تھی کہ

"یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اور اس خاص موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قبیلہ والوں سے اجرت کا معاملہ صرف ان کی بے مروتی سے ناراض ہونے کی وجہ سے کیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ اجرت کا معاملہ ہے بھی نہیں، کیونکہ اگر یہ بکریاں اجرت میں دی گئی تھیں تو یہ صرف "دم" کرنے والے کی اجرت تھیں۔ ان کا تقسیم کیا جانا اور نبی ﷺ کا اپنا حصہ نکالنے کے لیے کہنا اجرت کے معاملے میں تو بہر حال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس روایت سے اجرت کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے۔ دراصل نبی ﷺ کا ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی تالیف قلب کے لیے تھا۔ کیونکہ ایسی جگہ پر جہاں کھانے پینے کی چیزیں دستیاب نہ ہو رہی ہوں ایک قبیلہ کا مہمان نوازی سے انکار کر دینا سخت خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایسے غیر معمولی حالات کی وجہ سے نبی ﷺ نے یہ بات کہی تاکہ قبیلہ والوں نے جو انہیں کھلایا پلایا تھا اس پر ان کا دل نہ کڑھے ورنہ عام حالات میں قرآن پر اجرت لینے سے نبی ﷺ نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ متعدد احادیث نبی ﷺ اس پر شاہد ہیں۔" (تعویذات اور شرک، صفحہ ۱۴)

ڈاکٹر صاحب نے اس روایت کی جو تشریح بیان کی تھی وہ قرآن و احادیث کے مطابق ہی تھی۔ کسی بھی موضوع پر قرآن و حدیث کا پورا مواد دیکھنا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ کسی روایت کے کچھ الفاظ پکڑ کر اس پر فیصلہ کر دیا جائے جو کتاب اللہ کے متفقہ فیصلے کے خلاف ہو۔ دینی امور پر اجرت کے بارے میں قرآن و حدیث کا متفقہ بیان آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ اس حدیث کی تاویل کتاب اللہ کے بیان کردہ موقف کے مطابق کی جائے گی نہ کہ اس کے خلاف!

ڈاکٹر عثمانی کی "تعویذات اور شرک" اور اس کے بعد لکھی گئی کتاب "دینداری یا دکانداری" میں اس بات کی تشریح کر دی گئی تھی کہ یہ خصوصی معاملہ اس وقت پیش آیا تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا گزر ایک قبیلے والوں پر ہوا جنہوں نے اس جماعت کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسی صورتحال کے لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تعلیم دی ہوئی تھی کہ اگر کوئی قبیلہ ان کی ضیافت نہ کرے تو وہ کسی طور سے حق ضیافت وصول کر لیں کیونکہ اس دور میں آج کل کی طرح ہوٹلوں وغیرہ کا رواج نہیں تھا۔ اس قبیلے نے اس جماعت کی ضیافت سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قبیلے کے سردار کو کسی زہریلی چیز سے ڈسوا دیا۔ جب وہ قبیلے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے تو ان کے طرز عمل کی نشاندہی کی گئی جیسا کہ روایت میں ہے۔ اس سے اس بات کی مکمل وضاحت ہو گئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ معاملہ محض اس بنیاد پر کیا تھا کہ قبیلے والوں نے حق ضیافت ادا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ سورہ فاتحہ کا دم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سردار کو شفا عطا فرما دی، قبیلے والے حسب وعدہ بکریاں لے آئے۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا۔ یہ تردد اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ قرآن پر اجرت کو حرام ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں یہ طے کیا کہ یہ معاملہ پہلے نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے۔ نبی ﷺ نے اس کو اس خاص موقعے پر جائز قرار دیدیا۔ ہماری کتب میں اس بات کی تشریح کی گئی تھی کہ اگر نبی ﷺ اسے "اجرت" یا "کمائی" سمجھتے تو کسی طور پر بھی اس کی تقسیم اور اس میں اپنے حصہ نکالنے کا حکم نہ دیتے کیونکہ "اجرت" یا "کمائی" تو عمل کرنے والے کی ہوتی ہے، وہ کسی میں تقسیم نہیں ہوتی۔ مگر موصوف کے پاس ان دلائل کا کوئی جواب نہ تھا لہٰذا حسب معمول اپنی جہالت کا مظاہرہ اس طرح کیا:

"...... رہا یہ اعتراض کہ اگر یہ اجرت تھی تو اسے تقسیم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا اور اس میں نبی ﷺ نے اپنا حصہ کیوں لگایا؟ تو یہ اعتراض تو نبی ﷺ پر ہوتا ہے لہٰذا معترض کو نبی ﷺ پر یہ اعتراض کرنا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نبی کا حکم تھا لہٰذا صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔" (صفحہ ۳۹، ۴۰)

علامہ صاحب اہم نے اس بات کو اعتراض کے طور پر نہیں پیش کیا تھا بلکہ یہ تو استدلال تھا کہ نبی ﷺ نے اسے اجرت کے زمرے میں لیا ہی نہیں بلکہ یہ دراصل حق ضیافت کی وصولی تھی جس میں سارا قافلہ حصہ دار تھا۔ یہ تصور کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کمائیں اور نبی ﷺ اس میں اپنا حصہ لگوائیں، شاید اہلحدیثوں کے ایمان کا حصہ ہو لیکن ہمارے لیے تو یہ ناقابل تصور ہے۔

اسی طرح موصوف کا یہ کہنا کہ "نبی ﷺ نے اس واقعہ پر ہنس کر خوشی کا اظہار فرمایا" جھوٹ اور بلا دلیل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اللہ کا حکم پہنچائیں کہ اللہ کی آیات کو نہ بیچو، اسے معاش کا ذریعہ نہ بناؤ، اس کے ذریعے دنیاوی منفعت حاصل نہ کرو، اور اس کے علی الرغم، بقول مفتی موصوف، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (نعوذ باللہ) اس پر اجرت وصول کی تو آپ ﷺ نے ہنس کر اس پر خوشی کا اظہار فرمایا! ڈاکٹر عثمانی پر لگائے جانے والے الزامات کی کیا حیثیت، موصوف نے تو اللہ کے رسول ﷺ کو بھی نہ چھوڑا، ان پر بھی تہمت لگا دی کہ آپ ﷺ نے خلاف قرآن کام پر (معاذ اللہ) ہنس کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ کیا علامہ صاحب اتنی سادہ بات نہیں سمجھ پائے کہ نبی ﷺ کا ہنسنا (نعوذ باللہ) قرآن کے خلاف کسی عمل پر نہیں تھا بلکہ وہ اس بات پر ہنسے تھے کہ صحابہ نے کیسے معلوم کیا کہ سورۃ فاتحہ ایک دم ہے۔ نبی ﷺ کا ہنسنا صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس خود اختیاری عمل کی تصویب تھا۔ قد اصبتم کا یہی مطلب ہے۔

موصوف کا دوغلا پن

موصوف نے اس بات پر بھی بڑا زور لگایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اجرت "قرآن" کے عوض لی تھی حالانکہ حدیث کے الفاظ میں واضح طور پر اس کا اظہار ملتا ہے کہ انہوں نے یہ معاوضہ بطور ضیافت قبول کیا تھا۔ موصوف فرماتے ہیں:

"رہا یہ دعویٰ کہ صحابہ کرام نے دراصل قبیلہ والوں سے حق ضیافت وصول کیا تھا تو یہ نرا دعویٰ ہی ہے اور اس کی کوئی دلیل ان روایات میں موجود نہیں"۔ (صفحہ ۳۴)

درحقیقت جھوٹ موصوف کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے اسی لیے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے موصوف ہر طریقہ اپناتے ہیں چاہے جھوٹ ہی کیوں نہ لکھنا پڑے۔ اب ان کی قسمت کہ ان کو اپنے مطلب کی ایک ہی روایت ملی اور اس میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو ان کے موقف کا ساتھ نہیں دیتے! ان کا بس اگر چلتا تو یہ اس حدیث سے یہ الفاظ ہی نکال دیتے:

"قبیلہ والوں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے یا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو کاٹے کے منتر سے واقف ہو اور دم کر سکتا ہو۔ صحابہ نے جواب دیا کہ "ہاں" مگر تم لوگ وہ ہو جنہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر "دم" نہ کریں گے جب تک تم ہمیں اس کی اجرت دینے کا وعدہ نہ کرو۔"

موصوف نے اپنی حرام کمائی کو حق ثابت کرنے کے لیے جو تانے بانے ملانے کی کوشش کی تھی، اس حدیث کے واضح الفاظ نے سر راہ اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔ قارئین! آپ شاید کہتے ہوں گے کہ ہم خواہ مخواہ موصوف کو جھوٹا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں حالانکہ یہ کوئی چھوٹے موٹے آدمی نہیں بلکہ اپنے نام کے ساتھ بڑے طمطراق سے "مفتی" لکھتے ہیں گو اہلیت کے فقدان کے سبب اس منصب کی لاج نہ رکھ سکتے ہوں۔ بات یہ ہے کہ جھوٹ اسے کہتے ہیں کہ جب ایک آدمی کسی حقیقت سے واقف ہو لیکن اپنے کسی عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے چھپائے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ موصوف اس حقیقت سے کس قدر باخبر ہیں:

"یہ بات اس حد تک درست ہے کہ صحابہ کرام نے قبیلہ والوں کی بے مروتی کی وجہ سے ان سے دم پر اجرت لی تھی۔" (صفحہ ۳۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ بات اس حد تک درست ہے اور صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں کہ یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے ورنہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں! زبان کی ایک کروٹ سے کچھ اور دوسری کروٹ سے کچھ! قارئین! کچھ آپ کو بھی پہچان ہوئی ان اہلحدیث مفتیان کی؟

جھوٹ کی انتہاء

اس جھوٹ کے بعد پھر ایک اور جھوٹ لکھا (بیچارے کیا کریں کہ عادت جو بن گئی ہے):

"...... اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت والا حکم منسوخ ہو گیا ہو کیوں کہ صحابہ کرام کی جب انہوں نے ضیافت نہ کی تو وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے اور پھر دم والا واقعہ پیش آیا۔" (صفحہ ۳۹)

موصوف ثابت یہ کرنا چاہ رہے ہیں کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے جھوٹ بولا ہے ورنہ صحابہ حق ضیافت تو وصول کرنا چاہتے ہی نہیں تھے بلکہ وہ تو وہاں سے روانہ ہو رہے تھے .... موصوف اپنی عادت کی وجہ سے جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہیں ورنہ حدیث کے الفاظ تو اس طرح ہیں:

...... فلم یقروهم فبیناهم کذالک اذلدغ سید اولئک فقالوا اهل معکم دواء ......

...... قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی درمیان اس قبیلہ کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے یا ...... (بخاری: کتاب الطب، باب: الرقی بفاتحۃ الکتاب و یذکر عن ابن عباس عن النبی ﷺ)

موصوف نے اس حوالے سے بخاری کتاب الاجارہ کی روایت پیش کی ہے، ذرا اس کے الفاظ پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں:

"...... صحابہ نے چاہا کہ قبیلہ والے انہیں اپنا مہمان بنا لیں۔ لیکن انہوں نے مہمانی نہیں کی بلکہ صاف انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے ہر طرح کوشش کر ڈالی لیکن سردار اچھا نہ ہوا۔ ان کے کسی آدمی نے کہا چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں اترے ہیں، ممکن ہے کہ ان کے پاس کوئی چیز موجود ہو۔ چنانچہ قبیلہ والے ان کے پاس آئے اور کہا کہ بھائیو ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اس کے لئے ہم نے ہر قسم کی کوشش کر ڈالی ہے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ ہاں قسم اللہ کی میں اسے جھاڑ دوں گا۔ لیکن ہم نے تم سے میزبانی کے لیے کہا تھا اور تم نے اس سے انکار کر دیا۔ اس لئے اب میں بھی اجرت کے بغیر نہیں جھاڑ سکتا ......" (صفحہ ۱۲۰۱)

حدیث کے الفاظ نے مفتی موصوف کا جھوٹ ثابت کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے گئے نہیں تھے بلکہ وہیں موجود تھے کہ قبیلہ کے سردار کو اللہ تعالیٰ نے سانپ سے ڈسوا دیا۔ خود ہی حدیث پیش کرتے ہیں لیکن انہیں حقیقت دکھائی نہیں دیتی۔ یہ جھوٹ بول بول کر شاید اپنے مقلدین کو ضرور گمراہ کر دیں گے لیکن اللہ کے یہاں ان سب کارگزاریوں کا کیا جواب دیں گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف جھوٹ گھڑ گھڑ کر اسلام کی کونسی خدمت کر رہے ہیں؟

موصوف گمراہ کرنے کی اپنی اسی کوشش میں مزید لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے ان قبیلہ والوں نے صحابہ کرام کی دودھ سے تواضع فرمائی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبیلہ والوں کو جب بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے دودھ سے صحابہ کرام کی خاطر مدارت کی اور حق ضیافت ادا کیا۔

اس وضاحت سے وہ تمام مفروضے غلط ثابت ہو جاتے ہیں کہ جنہیں موصوف نے فلسفیانہ انداز میں خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔" (صفحہ ۳۳،۳۲)

سب کچھ جانتے ہوئے بھی کس قدر ڈھٹائی کے ساتھ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس وضاحت سے وہ تمام مفروضے باطل ثابت ہوتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے بڑھا چڑھا کر پیش کیے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے خود اپنی کتاب میں سلیمان بن قتہ والی روایت کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ پھر قبیلہ والوں نے ہمارے لیے بھیڑیں بھیجیں اور ضیافت کے لیے کھانا بھی جس کو ہم نے کھایا۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

موصوف کی دراصل اندر والی آنکھ اندھی ہے اس لیے صرف اپنے کام کی چیز ہی دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی بات کے چھپانے والے نہیں تھے، انہوں نے اس مسئلہ پر آنے والی ساری باتیں کھول کر رکھ دی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ قبیلہ والوں نے بعد میں اس ضیافت کا انتظام اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لیے ضرور کیا، لیکن دم پر لی گئی اجرت کی بنیاد ان کا پہلا طرز عمل ہی تھا جیسا کہ حدیث کے مذکورہ الفاظ سے ثابت ہوتا ہے:

"ہاں"، مگر تم لوگ وہ ہو جنہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر "دم" نہ کریں گے جب تک تم ہمیں اس کی اجرت دینے کا وعدہ نہ کرو۔"

بات یہ ہے کہ یہی وہ دو روایات ہیں جن سے باطل کشید کر کے ان لوگوں نے حرام کو حلال کیا ہوا ہے۔ ان روایات کو پیش کیے بغیر ان کا کام بھی نہیں چلتا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ انہی روایات کے الفاظ ان کے جھوٹ کا بھانڈا بھی پھوڑ رہے ہیں۔ یعنی "نہ اگلے بنے ہے نہ نگلے بنے"، بالکل سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ ہے۔ ایسی حالت میں آدمی اندھا بن کر ادھر ادھر ہاتھ مارتا ہے کہ کسی طرح میری بات صحیح ثابت ہو جائے۔ لیکن صحیح بات تو وہی ہے جو کتاب اللہ کی ہو، اور وہ موصوف کو قبول نہیں۔

اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ

اسی واقعہ کی ایک اور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی آتی ہے۔ ما قبل بیان

کردہ روایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ خود اس قافلے میں شامل تھے، اور ترمذی کی بیان کردہ روایت کے مطابق دم کرنے والے بھی وہ خود ہی تھے، مگر یہ حدیث جس کو روایت کرنے والا صحابی وہ ہے جو خود اس میں سفر میں شامل تھا اور جو اس پورے واقعے کا عینی شاہد اور مرکزی کردار رہا، ان فرقہ پرستوں کے نزدیک اُس روایت سے کم تر ہے جو دوسرے ایسے صحابی سے مروی ہے جو اس واقعے کے گواہ نہیں کہ اس مہم میں شریک سفر نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس روایت میں ایک ایسا جملہ ہے جس کے ذریعے ان پیشہ وروں نے اپنی "حرام" کمائی کو جائز ٹھہرایا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی محولہ روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قبیلے کا سردار ٹھیک ہو گیا اور صحابہ کو حسب وعدہ بکریاں دے دی گئیں تو

فَكَرِهُوا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا

"انہوں نے اس لینے میں کراہیت کی اور کہا تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے"

حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا

"یہاں تک وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ انہوں نے کتاب اللہ پر اجر لیا ہے"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ

"جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے"

(بخاری: کتاب الطب، باب الشرط فی الرقیۃ.....)

اس واقعے کے بارے میں تمام کتب حدیث بشمول صحیح بخاری میں جتنی بھی روایات بیان کی گئی ہیں، سوائے اس منفرد روایت کے کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ملتے۔ یہی وہ جملہ ہے جس پر موصوف کے ہم قبیل اسلاف نے ایک جھوٹی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر معاملے میں قرآن و حدیث ایک متفقہ عقیدہ دیتا ہے۔ اگر بھی کسی آیت یا حدیث کے الفاظ سے بظاہر کسی اور آیت یا حدیث کا انکار ہو رہا ہو تو اس کی تاویل کتاب اللہ کے دیے ہوئے متفقہ موقف کے مطابق کی جاتی ہے۔ اس بارے میں قرآن و حدیث کا یہی بیان ہے کہ اللہ کی آیات کو بیچا نہ جائے، اس کو کسی انداز میں بھی کمائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اس کے عوض کسی قسم کا کوئی تحفہ نہ لیا جائے اور نہ کوئی دوسرا دنیاوی فائدہ اٹھایا جائے، اذان فی سبیل اللہ دی جائے، اس پر کوئی معاوضہ نہ دیا لیا جائے، اس دینی علم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے سیکھا جائے، جس کسی نے اسے دنیا کمانے کے لیے سیکھا تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے..........

یہ ساری باتیں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہی پہنچی ہیں۔ اب کیا اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے خلاف بھی کوئی بات فرما دیں گے! رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو اسی انداز میں قبول کیا جائے گا کہ جس انداز میں خود انہوں نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؁ (الاحزاب: ۲۱)

"اور تمہارے لیے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (کے سامنے) اور روز آخرت (سرخروئی) کی توقع رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہو"

موصوف اب فیصلہ کرلیں کہ وہ کن لوگوں میں ہیں؟ اگر مفتی صاحب اللہ کے ملنے اور قیامت کے آنے پر ایمان رکھتے ہیں تو نبی ﷺ کا طریقہ اپنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ فرمایا کہ کتاب اللہ پر اجر لینا سب سے زیادہ بہتر ہے لیکن فقر و فاقہ، مصیبت و افلاس میں گھرے ہوئے کسی صحابی کو امامت، اذان یا تعلیم القرآن پر اجرت نہیں دی! کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ اسوہ قابل اتباع نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس جملے کے معنی نہیں سمجھ پائے اور دین سے دنیا کمانے کے بجائے آخرت خریدنے میں ہی مصروف رہے! لیکن سمجھے تو بس علم کے یہ "سمندر و پہاڑ" ہی سمجھے کہ اس جملے میں کیا بات پنہاں ہے!

قرآن و حدیث کی رو سے جو بات اس جملے سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اجر کمانے کے لائق بہترین چیز اللہ کی کتاب ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی آیات اور احادیث پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ قرآن پڑھنے، اس کے مطابق اپنے عقائد بنانے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے اللہ نے کتنا بہترین اجر تیار کر رکھا ہے جو آخرت میں ملے گا۔ دنیا میں اس کتاب سے جو اجر ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ اس کتاب پر عمل کرنے والوں کو "سربلند" کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ

(مسلم: کتاب صلوٰۃ، باب فضل من یقوم بالقرآن.....)

"..... اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے اور دوسروں کو اس کے ذریعے پستی میں ڈال دیتا ہے"۔

دنیا میں قرآن پر جو صلہ ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والی قوموں کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں سربلندی عطا فرماتا ہے اور اس کے مقابلے میں جو قومیں اس کے مطابق عمل نہیں کرتیں، انہیں اس دنیا میں ذلیل و پست کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ آج یہ کلمہ گو امت اس دنیا میں پست کر دی گئی ہے۔ لہٰذا دینی امور پر اجرت کو جائز قرار دینا محض جہالت اور افتراء پردازی ہے، خود نبی ﷺ کا اسوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل اس کی نفی کرتا ہے۔ نبی ﷺ پر افتراء باندھنے سے پہلے ان احادیث پر تو ایک نظر ڈال لیتے جن میں ایسا کام کرنے والے کو نبی ﷺ نے جہنم میں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈنے کی وعید سنائی ہے۔

حفظ قرآن کی بنیاد پر نکاح

اس سلسلے میں دوسری روایت جو موصوف اور ان کے ہمنوا بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں وہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کے اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی ہے۔ اس حدیث میں مکمل وضاحت ہے کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کیا تھا جس پر نبی ﷺ نے ان کی طرف دیکھا پھر نگاہیں نیچے کر لیں۔ اس سے صحابیہ رضی اللہ عنہا اور وہاں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی گمان کیا کہ آپ کو ان کی ضرورت نہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس بات کی درخواست کی کہ اگر نبی ﷺ کو ان کی ضرورت نہیں ہے تو ان کا نکاح اس خاتون سے کر دیں۔ نبی ﷺ نے ان کی اس درخواست پر ان سے پوچھا: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟

تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟

انہوں نے عرض کیا: لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

"نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ"

نبی ﷺ نے فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى اَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا؟

"گھر جاؤ اور دیکھو ممکن ہے تمہیں کوئی چیز مل جائے"

فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا، وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا

"وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا"

پھر نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: أُنْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ

"دیکھو اگر لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے"

وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا:

لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ، وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِيْ

"اللہ کی قسم یا رسول اللہ میرے پاس لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ہے البتہ میرے پاس یہ ایک تہبند ہے"

حدیث کے راوی سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان صحابی کے پاس ایک چادر بھی نہیں تھی جس کی آدھی ان خاتون کو (بطور مہر) دیدی جاتی۔ نبی ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اس سے کام نہ چل سکے گا کیونکہ اگر تم اسے استعمال کروگے تو وہ کیا کرے گی اور اگر وہ استعمال کرے گی تو تم کیا پہنو گے۔ چنانچہ وہ صحابی خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر جانے لگے تو نبی ﷺ نے ان سے پوچھا:

مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ "تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟"

قَالَ مَعِيَ سُوْرَةُ كَذَا وَ سُوْرَةُ كَذَا عَدَّدَهَا

"انہوں نے عرض کیا فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، انہوں نے گن کر بتائیں"

فَقَالَ تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ

"رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم انہیں حافظے سے پڑھ سکتے ہو؟"

قَالَ نَعَمْ "انہوں نے عرض کیا جی ہاں"

قَالَ اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

"نبی ﷺ نے فرمایا جاؤ میں نے انہیں تمہاری ملکیت میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے"۔

مولوی صاحب نے اپنے مقلدین کے سامنے اس حدیث کی مکمل تفصیل پیش ہی نہیں کی، کیونکہ اس طرح ان کے مقلدین بھی پہچان جاتے کہ اس حدیث میں تعلیم القرآن و تبلیغ پر اجرت کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اس حدیث میں تو یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح اس ہبہ کی ہوئی خاتون اور اس مفلس صحابی کا نکاح کرادوں۔ لیکن جب لوہے کی انگوٹھی بھی نہ مل سکی تو نبی ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی۔ انتظار کے بعد وہ صحابی بھی اٹھ کر جانے لگے تو نبی ﷺ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا انہیں کچھ قرآن یاد ہے۔ ان کے جواب دینے پر نبی ﷺ نے یہ بھی پوچھا کہ یہ سب انہیں زبانی یاد ہے۔ اس کا بھی مثبت جواب ملا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

"جاؤ میں نے انہیں تمہاری ملکیت میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے"

گویا اس خاتون کو مہر میں کوئی مادی چیز نہیں دی گئی بلکہ ان صحابی کو جو قرآن یاد تھا اسے بنیاد بنا کر ان کا نکاح ان خاتون سے کر دیا گیا۔ یہ خصوصی حالات میں اپنی نوعیت کا ایک خصوصی واقعہ تھا۔ اس سے قرآن پر اجرت کا جواز اخذ کرنا بڑی ہی جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے بغیر کوئی مادی چیز لیے صرف اس بنیاد پر ان سے نکاح کیا کہ وہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔ ان دونوں واقعات میں مہر کی بابت کوئی بھی مادی چیز نہیں دی گئی بلکہ آدمی کا صالح عمل نکاح کی بنیاد ٹھہرا۔ یاد رہے کہ یہ معاملہ خصوصی حالات ہی میں ہوا ہے جیسا کہ خصوصی حالات کی بناء پر نبی ﷺ نے اس طرح کا بھی ایک فیصلہ فرمایا جو درج ذیل حدیث میں مروی ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى امْرَأَتِيْ وَأَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا فَقَالَ فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ فَمَكَثَ النَّبِيُّ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيْهَا تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ أَنَا قَالَ خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ

(بخاری: کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان.....)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ میں ہلاک ہوگیا! نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی۔ انہوں نے کہا میں نے حالت صوم میں بیوی سے جماع کرلیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کوئی غلام ہے جسے آزاد کردو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا دو ماہ کے پے درپے صوم رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر نبی ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے اندر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ نبی ﷺ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے۔ ابھی ہم وہیں بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا وہ سائل کہاں ہے۔ اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے لو اور صدقہ کردو۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنے سے زیادہ کسی محتاج کو دوں؟ اللہ گواہ ہے کہ ان دو پتھریلے میدانوں میں کوئی گھرانہ میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں۔ اس پر نبی ﷺ ہنس پڑے کہ آپ کے آگے کے دانت دیکھے جاسکتے تھے، پھر آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صوم کے توڑنے کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے مسلسل صوم رکھنا ورنہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا تھا۔ لیکن وہ صحابی ان تینوں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، اس لیے نبی ﷺ ٹھہر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل نکالی کہ کھجوروں کا ایک ٹوکرا نبی ﷺ کے پاس آیا تو وہ انہوں نے ان صحابی کو دیا کہ اسے صدقہ کردیں۔ لیکن ان کے یہ بتانے پر کہ ان سے زیادہ اس کا کوئی مستحق نہیں، نبی ﷺ نے ہنس کر وہ ٹوکرا انہی کو دے دیا۔ آج اگر کوئی اسی قسم کے عمل میں ملوث ہو تو مفتی صاحب اس کا کیا فیصلہ فرمائیں گے؟ اسے گھر لے جانے کے لیے کھجوروں کا ٹوکرا دیں گے یا اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے صوم یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا؟

اس فرقے کے مفتی ہی نہیں "عالم" بھی جھوٹ بولتے ہیں!

ایک اہلحدیث عالم ابو الحسن مبشر احمد ربانی سے اسی طرح کا سوال کیا گیا تو موصوف نے یہی حدیث پیش کی اور فرمایا:

"اس حدیث میں روزہ کی حالت میں جماع کرنے کا کفارہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک گردن آزاد کرے۔ یہ طاقت نہ ہو تو پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔" (آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ مکتبہ قدوسیہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۹۳)

یعنی عالم صاحب نے اس سوال کا بالکل صحیح جواب دیا اور مذکورہ صدر اضطراری کیفیت میں ہونے والے اس مخصوص واقعے کو دلیل نہیں بنایا۔ لیکن جب انہی موصوف سے تعلیم القرآن پر معاوضہ جائز ہونے کا سوال کیا گیا تو موصوف نے نکاح والی روایت کے آخری یعنی اضطراری کیفیت والے حصے کو بنیاد بنا کر فرمایا:

''دوسری دلیل نکاح میں خاوند پر بیوی کے لیے حق مہر دینا ضروری ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا نکاح قرآن مجید کی تعلیم کو حق مہر ٹھہرا کر کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذْهَبْ فَقَدْ اَنْكَحْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰن))
(بخاری کتاب النکاح باب التزویج علی القرآن)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود قرآن کی تعلیم کی اجرت دلوائی ہے۔ اگر اجرت درست نہ ہوتی تو رسول ﷺ کبھی بھی قرآن کی تعلیم کو حق مہر مقرر نہ کرتے''۔ (صفحہ ۱۴،۱۵)

قارئین! اگر ان سے ایک عام سوال کیا جائے تو پوری حدیث پیش کر کے اس کا اصل مدعا بیان کرتے اور اس کا صحیح جواب دیتے ہیں اور خصوصیت والے انفرادی واقعے کو قابل استدلال نہیں مانتے لیکن جب اپنے مفاد و زد میں آئیں تو مفتی دامانوی کی طرح موصوف بھی پوری حدیث پیش نہیں کرتے بلکہ صرف اس کا آخری ٹکڑا جو خصوصیت والے انفرادی واقعے ہی سے متعلق ہے، انکے استدلال کی بنیاد بن جاتا ہے اور پھر...... ''حرام'' ، ''حلال'' میں بدل جاتا ہے! یہ کونسا معیار ہے؟ پیمانے کیوں مختلف ہو گئے؟ صوم والی روایت میں اصل حکم پر جواب دیا گیا اور استثنائی واقعہ کو چھوڑ دیا جبکہ ''کمائی'' والے سوال میں اصل کو چھپا کر اضطراری کیفیت والی بات کو بنیاد بنا کر مفادات پر آنچ نہیں آنے دی۔ یہ ہے ''پیشہ ورانہ'' مہارت! دین کی ''دکانداری'' ایسے ہی گروں سے چلا کرتی ہے۔ ہم نے اپنے عذاب قبر والے مضمون میں بھی اس طرف اشارہ کیا تھا کہ ان کے لینے کے پیمانے اور ہیں اور دینے کے اور۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

مبشر ربانی صاحب کے اس جملے کو بغور پڑھیے:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود قرآن کی تعلیم کی اجرت دلوائی ہے......''

موصوف نے حدیث کے عربی الفاظ بھی پیش کیے ہیں کہ

اِذْهَبْ فَقَدْ اَنْكَحْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰن

''جاؤ میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہارے پاس ہے''

مگر دیکھیں کہ کس چابکدستی اور ''پیشہ ورانہ مہارت'' سے اس کے الفاظ ''اس قرآن کی وجہ سے جو تمہارے پاس ہے'' کو ''تعلیم القرآن'' میں بدل دیا! اس حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ

''تعلیم القرآن کی وجہ سے میں نے اس عورت کو تمہارے نکاح میں دیا''

آخر یہ لوگ غور کیوں نہیں کرتے کہ اس واقعے میں کس کو قرآن کی تعلیم دی جا رہی تھی؟ کون اجرت دے یا لے رہا تھا؟ جب یہ اجرت کا معاملہ ہی نہیں تھا تو پھر اس سے اجرت کا جواز کشید کرنا کس ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے؟

قارئین! اہلحدیث مولوی ربانی کی طرح اہلحدیث مفتی دامانوی نے بھی حدیث کے ساتھ یہی کھیل کھیلا ہے، صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں:

''اس طرح تعلیم القرآن کو بھی مہر کا بدل قرار دیا گیا، معلوم ہوا کہ تعلیم القرآن پر اجرت جائز ہے''

لگتا ہے کہ ان پیشہ وروں کے دلوں میں اللہ کے خوف نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کے جھوٹے دعویدار اتنے نڈر و بے باک ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ تہمت لگا دی کہ خود نبی ﷺ نے (معاذ اللہ) اللہ کے حکم کے خلاف تعلیم القرآن پر اجرت دلوائی ہے! ہم ان اہلحدیث ''علماء کرام'' سے درخواست کریں گے کہ برائے مہربانی وہ حدیث پیش کر دیں جس میں یہ الفاظ ہیں کہ

''میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دے دیا اس تعلیم القرآن کی وجہ سے جو تم انہیں دو گے''

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

قارئین! اس بارے میں بیان کی گئی احادیث میں سے کسی ایک میں بھی اس قسم کے الفاظ نہیں ملتے، لیکن مولوی دامانوی نے اس بات کو بھی حسب معمول خود ساختہ ''ائمہ کرام'' کے حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے اپنے کتابچے کے شروع میں لکھا تھا:

''میں نے اپنے اس مضمون میں محدثین کرام، مفسرین اور علماء سلف صالحین کے اقوال بھی نقل کیے ہیں جبکہ عثمانی فرقہ نے جو کچھ پیش کیا ہے سلف صالحین میں سے کوئی محدث ومفسر اور عالم دین ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتا''۔ (صفحہ ۸)

موصوف نے ہماری جماعت کو ''عثمانی فرقہ'' کہا ہے۔ اس ہرزہ سرائی کا کافی وشافی جواب موجود ہے مگر ہم مضمون کی طوالت کی وجہ سے صرف اتنا کہنے پر ہی قناعت کریں گے کہ موصوف نے محض اپنے کماؤ فرقے کی حمایت میں اس اللہ کے سچے دین پر قائم ملک گیر جماعت کی مخالفت کی روش اپنائی ہے۔

مفتی موصوف کو اپنے ان اکابرین کے حوالہ جات کی ضرورت کیوں پڑی، یہ تو آپ سمجھ ہی چکے ہوں گے۔ مذکورہ صدر قرآنی آیات واحادیث کی اگر یہ موصوف خود اپنے نام سے یہ تشریح بیان کرتے تو خود انہی کے فرقے والے ان کی گردن پکڑ لیتے کہ ثواب کے لیے تعلیم القرآن پر تحفہ تک ناجائز ہے تو اس پر کمائی کیسے جائز ہو گئی؟! اگر موصوف خود یہ بیان کرتے کہ وَلَا تَشْتَرُوْا والی آیت کی تشریح یہ ہے کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کی نعت چھپا کر جو کچھ لیا تھا، اس آیت میں اس سے منع کیا گیا ہے، تو خود ان کے مقلد ہی ان سے جواب طلب کر لیتے لہٰذا اس صورتحال سے بچنے کے لیے ان مضحکہ خیز باتوں کو بیان کرنے کے لیے موصوف نے فوت شدہ افراد کا سہارا ڈھونڈا جن سے اب کون جواب طلبی کر سکتا ہے کہ ''مردہ ہیں، جان کی رمق تک باقی نہیں......!

یہی معاملہ موصوف نے محولہ بالا اس نکاح والی روایت کے ساتھ بھی کیا ہے اور اس کے الفاظ

اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰن

''جاؤ میں نے انہیں تمہاری ملکیت میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے''

کو علامہ سندھی کے حوالے سے

علی ما معک ای علی تعلیمها

''جو قرآن آپ کے پاس ہے اور جس کی آپ اسے تعلیم دیں گے''

میں بدل دیا (صفحہ ۳۰)۔ قارئین! سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی کون کون سی بات آپ کے سامنے لائی جائے۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ! ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں! اگر صرف ایک ''سچ'' کو تسلیم کر لیا جائے کہ دینی امور پر اجرت حرام ہے، تو ان سارے جھوٹوں سے ان کی جان چھوٹ جائے گی ورنہ شاید ان جھوٹوں کو بچانے کے لیے انہیں مزید نئے جھوٹ بولنے پڑیں گے اور شیطانی آنت کی طرح یہ شیطانی سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے گا جس کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ چونکہ صرف اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کے بیان کردہ الفاظ سے ان کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا اس لیے ''ائمہ وعلماء کرام'' کی تشریحات واقوال کا سہارا لے کر قرآن وحدیث کے مقابلے میں اقوال الرجال کو ڈھال بنا لیا گیا۔ ذرا ایک نظر ان مفتی موصوف کے اس ''قول زریں'' پر بھی ڈالتے چلیں جو انہوں نے دیوبندیوں کے خلاف کتابچہ لکھتے

ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"الحمد للہ اہل حدیث وہ جماعت ہے جو کسی شخصیت کی پرستار نہیں اور نہ ہی یہ اپنا ناطہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور شخصیت سے جوڑتے ہیں بلکہ ہر معاملے میں قرآن وحدیث پر عمل پیرا رہتے ہیں۔" (قرآن وحدیث میں تحریف، صفحہ ۸۳)

موصوف اور ان کے ہمنوا "علماء کرام" نے ایسے ہی ملفوف وملمع شدہ بیانات سے اپنے مقلدین کو بیوقوف بنایا ہوا ہے ورنہ ان کے اس دعوے کی حقیقت کیا ہے اور نبی ﷺ سے ان کا کس قدر تعلق ہے، یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی۔ اگر ان لوگوں کا نبی ﷺ سے حقیقی تعلق ہوتا تو آپ ﷺ کے فرامین کو اسی انداز میں قبول کرتے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول کیا تھا لیکن انہیں تو نبی ﷺ کے بیان کردہ الفاظ سے ایک گونہ "الرجی" ہے، اسے اگر من وعن قبول کرلیں تو پھر دین کی خدمت روپے ریال کے بجائے فی سبیل اللہ کرنی پڑے، اور پیٹ پر شدید ضرب آئے جو مولوی مفتی کو کہاں قبول! جس طرح زرعی ٹیکس کے نفاذ کے خلاف پورے ملک کے زمیندار متحد ہوجاتے ہیں حالانکہ علاقائی اور لسانی عصبیت میں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی سے بھی باز نہیں آتے، اسی طرح تمام مسالک کے پیشہ وروں کا اجرت کے جائز ہونے پر اتفاق ہوجاتا ہے اگرچہ ایک دوسرے سے کتنا ہی مسلکی اختلاف رکھتے ہوں اور لاؤڈ اسپیکر پر فریق مخالف کے خلاف دل کی بھڑاس نکالتے رہتے ہوں!

موصوف نے اس عنوان سے کھیل دراصل یہ کھیلا ہے کہ مختلف افراد کی آراء لاکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ نکاح اس بنیاد پر ہوا تھا کہ وہ صحابی اس خاتون کو وہ آیات سکھادیں گے، گویا یہ نکاح تعلیم القرآن کی بنیاد پر ہوا تھا۔ حالانکہ یہ بات سراسر من گھڑت ہے؛ حدیث کے الفاظ ان کے اس ڈرامے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

موصوف نے موسیٰ علیہ السلام کے صفورا سے، ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے اور نبی ﷺ کے صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے معاملات سے بھی استدلال کرتے ہوئے اجرت مذکورہ کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ اس باطل استدلال کی حقیقت ہماری کتاب میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس سلسلے میں بحث کی گنجائش تو اس وقت تھی جب کہ زیر نظر روایت میں تعلیم القرآن کو اس خاتون مذکورہ کا مہر ٹھہرایا گیا ہوتا۔ حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بار بار ان صحابی کو اسی لیے بھیجا کہ کسی طور بھی مہر کا کچھ انتظام ہوجائے لیکن جب کوئی انتظام نہ ہوسکا تو نبی ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی۔ گویا کہ کسی طور پر بھی یہ نکاح ممکن نہیں۔ لیکن جب وہ صحابی اٹھ کر جانے لگے تو خصوصی حالات کے تحت نبی ﷺ نے ان کے حفظ قرآن کو بنیاد بناتے ہوئے ان کا نکاح کردیا۔ یہ مکمل طور پر ایک خصوصی معاملہ تھا ورنہ احادیث گواہ ہیں کہ اس طرح کا واقعہ پھر کبھی پیش نہیں آیا اور اس کے بعد نبی ﷺ نے کوئی اور نکاح محض اس بنیاد پر نہیں پڑھایا اور نہ ہی کسی اور صحابی نے اسے بطور سنت اپنایا اور نہ ہی ان دین فروش مولویوں سے پہلے کبھی کسی نے اس سے استدلال کیا۔

اسی زیر نظر حدیث کے حوالے سے ہماری کتاب میں جو بحث پیش کی گئی ہے اس میں ام سلیم رضی اللہ عنہا کے نکاح والے واقعہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ موصوف اس کا کوئی جواب نہ دے سکے اور یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالی کہ پتہ نہیں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کیوں مہر معاف کردیا اور ابوطلحہ کے اسلام لانے پر کیوں راضی ہوگئیں۔ البتہ اس کے ساتھ ہی موصوف نے پینترا بدلتے ہوئے وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ کے حوالے سے بحث چھیڑ دی اور فرمایا:

"وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ اس کا موصوف کیا مطلب لیں گے۔ اسلام کی طرف راغب کافر ومشرک یا نیا نیا اسلام قبول کرنے والوں کی اگر مالی اعانت کی جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ ان لوگوں نے مال ودولت کے لئے اسلام قبول کیا تھا؟ معترض جیسے لوگوں کو اپنی نیتوں کا علاج کرنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کی اپنی نیتوں میں فتور ہے اور اس کا الزام دوسروں پر لگا رہے ہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ اسلام کے چاہنے والوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اسلام کو سینہ سے لگائے رکھا اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ انہی صحابہ کرام نے اسلامی برکت سے قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو حاصل کیا۔ قیصر وکسریٰ کے خزانے لوٹنے والوں کے متعلق معترض کیا فتویٰ لگائیں گے؟ دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ اگر اہل ایمان کو مالا مال کردے تو اس پر آپ کو کیا اعتراض؟ کیا جہاد کے ذریعے جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے معترض اس کے بھی منکر ہیں؟" (صفحہ ۷۷)

مولوی صاحب نے اپنی حرام کمائی کو جائز ٹھہرانے کی باطل کوشش میں اب سیاسی تقریر شروع کردی۔ ہماری دونوں کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں، ہمارا اعتراض صرف اس کمائی پر ہے جو دین کے ذریعے کمائی جاتی ہے یعنی اسے ذریعہ معاش بنانے پر۔ موصوف نے اس کا رخ سیاسی انداز میں بدلنے کی کوشش کی اور اس کا موازنہ مال غنیمت سے کرنا شروع کردیا۔ مال غنیمت کا اس سے کیسے موازنہ کیا جاسکتا ہے کہ از روئے قرآن وحدیث اول الذکر بالکل حلال اور طیب ہے جبکہ آخر الذکر حرام اور ناپاک ہے؟ ایک حلال چیز کا حرام چیز سے کیسے موازنہ کیا جاسکتا ہے؟ واقعی ایک دور وہ تھا کہ عسرت میں پیٹ پر پتھر باندھے گئے اور پھر وہ دور آیا کہ مدینہ کی مسجد میں مال ودولت کا ڈھیر لگ گیا۔ لیکن تنگی اور تونگری، افلاس وفراخی کے اس دور میں بھی کتاب اللہ کو معاش کا ذریعہ بنانا حرام ہی رہا۔ اگر کسی ایک صحابی کو بھی محض اس بنیاد پر نبی ﷺ نے کسی قسم کا کوئی وظیفہ دیا ہو تو موصوف پیش کریں۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ---

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمارا یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ قیصر وکسریٰ کے خزانے لوٹنے گئے تھے! ان کے لیے "لوٹنے" کا لفظ استعمال کرنے والے دراصل وہی لوگ ہیں جن کی ذہنیت ہی لوٹ مار والی ہے، جن کے تصور میں لوگوں کی جیبیں ہوتی ہیں اور جو بہانے بہانے سے "لوگوں کا مال باطل طریقوں سے "لوٹتے" رہتے ہیں"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے ان قوتوں سے ٹکرا رہے تھے اور انہوں نے تو اپنا مال اور جان دونوں اس راہ میں وقف کیے ہوئے تھے۔ کیا ان لوگوں کا ایمان یہ گوارا کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایسے الفاظ استعمال کریں؟ یہ تو یہود ونصاریٰ کا انداز ہے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ

"دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ اگر اہل ایمان کو مالا مال کردے تو آپ کو کیا اعتراض"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مالک نے واقعی دین کی برکت سے نوازا تھا اور ہمیں اس پر قطعی کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم بھی دنیا اور آخرت میں بہتری کی دعا کرتے رہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی بھی اکثر یہی دعا ہوتی تھی (بخاری، کتاب الدعوات)؛ لیکن اگر اس سے مراد مولوی کا اس دین کی بنیاد پر کھانا ہے، تو براہ کرم اسے "دین کی برکت" کا نام نہ دیں کہ یہ دین فروشی تو از روئے قرآن وحدیث، جہنم کی آگ ہے۔

رہا مُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ کا معاملہ تو یہ ایمان قبول کرنے کے بعد کا ہے نہ کہ ایمان قبول کرنے کے عوض جبکہ ابوطلحہ انصاری کو مہر کی معافی بطور مُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ نہیں بلکہ اسلام لانے کی شرط تھی۔ ہم نے اپنی کتاب میں بھی یہ واضح کیا تھا کہ ایمان قبول کرنے کا بھی اگر معاوضہ دیا جائے تو ایسا اسلام دہاڑی کا اسلام ٹھہرے گا۔ یہاں ہم مفتی موصوف

کے الفاظ جو ان پر پوری طرح صادق آتے ہیں، انہی پر لوٹاتے ہیں کہ اس حرام کمائی کو مؤلفۃ القلوب کے کھاتے میں ڈال کر حلال کرنے والے

"لوگوں کو اپنی نیتوں کا علاج کرنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کی اپنی نیتوں میں فتور ہے اور اس کا الزام دوسروں پر لگا رہے ہیں"

یہ بات درست ہے کہ نبی ﷺ ایسے افراد کو جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے تھے، ان کی تالیف قلب کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آج بھی اگر کوئی اس سنت کو اپنائے تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لیکن یہ بات مولوی کی کمائی پر دلالت نہیں کرتی۔ البتہ ایک دو واقعات ایسے سامنے آئے ہیں کہ جن کی بنیاد پر ان فرقہ والوں کو "مؤلفۃ المولوی" اپنانا پڑے گی ورنہ پھر یوں ہوگا .... ہمارے ایک ساتھی نے بتایا کہ ایمان خالص قبول کرنے سے پہلے اس کا تعلق دیوبندی مسلک کی حامل نام نہاد اشاعت التوحید والسنہ سے تھا۔ منڈی بہاءالدین کے ایک گاؤں میں ان کا گھر ہے۔ اس گاؤں میں دو مساجد تھیں۔ ایک ان کی اور دوسری بریلوی مسلک کی۔ دونوں مسجد کے اماموں میں ضد بحث لگی ہوئی تھی۔ دیوبندی ادھر سے تقریر کرتا تھا تو بریلوی اُدھر سے جواب دیتا تھا۔ اسی اثناء میں دونوں مولویوں کی اپنی اپنی مسجد کی انتظامیہ سے تنخواہ پر "چل" گئی۔ اشاعتی مولوی نے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ اسی دوران بریلویوں کی مسجد کا مولوی تنخواہ نہ بڑھانے پر جھگڑا کر کے چلا گیا۔ اشاعتی مولوی نے اندر خانہ بات چیت کے ذریعے بریلویوں کی مسجد میں نوکری کر لی۔ اشاعتیوں نے ایک دوسرا مولوی رکھ لیا۔ چنانچہ اب ادھر سے نیا اشاعتی مولوی اپنی تقریر میں دیوبندیوں کے دلائل دیتا تھا اور اُدھر سے پرانا اشاعتی مولوی، جو کہ اب بریلویوں کا ملازم تھا، جواب میں اب بریلوی دلائل دیتا تھا! اسی طرح سرگودھا کے ایک علاقے چک شمالی میں قائم بریلوی مسجد میں ملازم ایک دوسرا اشاعتی مولوی آج بھی بریلویوں کا مروجہ درود وسلام پڑھ کر "حق نمک" ادا کرتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ان دو واقعات سے "سبق" حاصل کر کے ہر فرقہ پر لازم ہے کہ اپنے اپنے مولوی کو "سنبھالیں" اور ان کے لیے "مؤلفۃ القلوب" کا ہر وقت انتظام رکھیں کیونکہ پیسے میں بڑا زور ہوتا ہے، یہ "وائرس" بہت خطرناک ہوتا ہے، سارا مسلک دھرا رہ جاتا ہے اور یہ ادھر سے اُدھر ٹرانسفر ہو جاتا ہے!

یہ ہیں "مسلمان"، جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

قارئین! یہ تھیں وہ دو احادیث جنہیں ان پیشہ وروں نے اپنے باطل استدلال کی خراد پر چڑھا کر دین فروشی کی بنیاد بنایا ہوا ہے۔ ان سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ اس بارے میں نبی ﷺ کا اسوہ اور صحابہ کرام ﷺ کا عمل ان کے سارے ڈرامے کی حقیقت واضح کر دیتا ہے۔ لیکن موصوف پوری ڈھٹائی کے ساتھ فرماتے ہیں:

> "عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کم سن ہیں اور وہ جواز کی روایات نقل کرتے ہیں اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ممانعت کی روایت منسوخ ہے کیونکہ عبداللہ بن عباس اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم کی روایات ان کی ناسخ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں نصب الرایہ (۴/۱۳۷)"۔ (صفحہ ۵۹)

موصوف ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیتے کہ پھر اس بارے میں قرآن کی آیات بھی منسوخ ہو گئیں (شاید ایسا لکھنا بھول گئے ورنہ اپنے اہلحدیث کا ثبوت یہ کہہ کر ضرور دیتے کہ حدیث قرآن کی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے جو ان لوگوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے) بلکہ نبی ﷺ نے عبادہ بن صامت ﷺ کو بلا کر اپنے سابقہ فرمان سے رجوع کر لیا اور اب اجازت دے دی کہ آئندہ تحفہ ہی نہیں بلکہ تعلیم قرآن کے بدلے کوئی چیز بھی نہ چھوڑنا! اور یہ کہ پھر دوسری مساجد میں نبی ﷺ نے امامت کرنے والوں، اذان دینے والوں کی تنخواہیں مقرر فرما دیں اور اذان کی اجرت کی ممانعت کا حکم واپس لے لیا...... اور صحابہ کرام ﷺ کو جب بھی تبلیغ کے لیے کہیں باہر بھیجا جاتا تو ان کو اس کی باقاعدہ اجرت دی جاتی تھی؛ پھر وہ نادار صحابہ ﷺ جن کے پاس مہر میں دینے کے لیے مال نہ تھا، انہوں نے زیادہ سے زیادہ قرآن کی سورتیں یاد کرنی شروع کر دیں تا کہ جلد از جلد نکاح کر سکیں، پھر بڑی تعداد میں نکاح صرف قرآن سکھانے کی بنیاد پر ہوئے اور آج تک ہو رہے ہیں ...... اور اہلحدیث چونکہ "ہر معاملے میں قرآن وحدیث پر عمل پیرا رہتے ہیں"، اس لیے ان کے سارے نکاح محض اسی بنیاد پر ہوتے ہیں کیونکہ صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے ......

مفتی موصوف نے کتاب وسنت کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے، وہ بڑا عجیب ہے۔ عبدالرحمٰن بن شبل ﷺ کی روایت کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا کہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے بلکہ یہ قرآن پڑھ کر بھیک مانگنے والوں کے لیے ہے، اور اب فرماتے ہیں کہ یہ روایت منسوخ ہے عبداللہ بن عباس ﷺ اور ابوسعید الخدری ﷺ کی روایت سے! "حضرت" سے یہ پوچھا جائے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ آپ نے اس سلسلے میں پیش کی جانے والی تمام روایات کو سب سے پہلے تو ضعیف بیان کیا، پھر ایک ایک کر کے وہ صحیح ہوتی چلی گئیں، اور آپ نے بھی اپنے موقف میں انہیں بطور دلیل بیان کیا؛ ان میں سے کسی ایک کے لیے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ نہیں بلکہ وہ ہے......، اور اب آپ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے! مفتی صاحب کچھ تو بتا دیں کہ آپ سچ کب بولتے ہیں؟ کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں؟ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ

عمر ﷺ پر تہمت

موصوف نے ادھر اُدھر سے پکڑ کر چند روایات جمع کیں اور عمر ﷺ پر الزام لگا دیا کہ وہ معلمین القرآن کو اجرت دیا کرتے تھے حالانکہ یہ عمر ﷺ پر بدترین الزام ہے۔ وہ کام جو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں حرام قرار دے، نبی ﷺ جس سے منع فرمائیں اور جس کی کوئی مثال ابوبکر صدیق ﷺ کے دور میں نہ مل سکے، کیا عمر ﷺ وہ کام کر سکتے تھے؟ جس کے لیے زبان نبوت دو مرتبہ گواہی دے کہ عمر ﷺ صحابہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اور یہ کہ اس امت اگر کوئی محدث ہوتا جس سے فرشتے کلام کرتے، تو وہ عمر ﷺ ہوتے، تو کیا ان مناقب کا حامل شخص اجرت کو حلال کرنے کا قرآن وحدیث کے خلاف فیصلہ کر سکتا تھا؟ وہ شخصیت جس کے متعلق نبی ﷺ فرمائیں کہ جس راہ پر عمر ﷺ چلتے ہیں شیطان اسے چھوڑ کر دوسری راہ اپنا لیتا ہے، کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ حرام کو حلال کرنے کے لیے شیطان کی راہ اپنا لیں گے [illegible]! ہماری کتاب میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ عمر ﷺ نے جب وفات پائی تو وہ لوگوں کے مقروض تھے۔ اگر ان کے نزدیک کتاب اللہ پر اجرت جائز ہوتی تو پھر کس بات کی کمی تھی؟ وہ تو خود امامت فرماتے تھے (دوران امامت ہی ان پر ایرانی مجوسی فیروز نے قاتلانہ حملہ کیا تھا)، اس پر جتنا چاہتے وظیفہ لے لیتے! لیکن انہوں نے ریاستی امور کی ذمہ داریوں پر بھی بیت المال سے کس قدر لیا اس کی وضاحت اس تحریر سے ہوتی ہے:

"انی انزلت مال اللہ منی بمنزلہ مال الیتیم فان استغنیت عففت عنہ وان افتقرت اکلت بالمعروف

(طبقات لابن سعد: جز ۱۰، صفحہ ۲۷۶)

"میں نے اللہ کے مال (بیت المال) میں اپنا حق ویسا ہی رکھا ہے جیسا کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں غنی ہوں گا تو اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت مندی کی حالت میں معروف کے مطابق ہی لوں گا"

قارئین! ذرا غور فرمایے کہ جو شخص دم آخر بھی اس قلیل رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھے، اور اپنے بیٹے کو اس کی ادائیگی کی وصیت کر جائے، کیا وہ خلاف قرآن و حدیث کوئی کام کر سکتا ہے؟ اس کی وضاحت بھی ہماری کتابوں میں موجود ہے کہ ان کے دور میں فتوحات کا سلسلہ کافی بڑھ گیا تھا، جس کے نتیجے میں کافی مال و اسباب بھی بیت المال میں آیا۔ عمرؓ نے مومنوں کے لیے وظائف مقرر کیے۔ صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان وظائف کی بنیاد تعلیم القرآن، امامت یا اذان دینا نہیں بلکہ اسلام کے لیے ہجرت، غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں کی فضیلت اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت تھی۔ اسی طرح کسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس گھر کے وظیفے میں حسب نفر اضافہ ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ نام نہاد اہلحدیث کتب حدیث چھوڑ کر الفاروق، سیرت عمر، العرین اور اسی طرح کی دوسری کتب کی باتیں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ کتب حدیث ہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے عمرؓ کے بارے میں اس قسم کی کوئی بات ثابت نہیں، اور بمناقبہ ہو بھی نہیں سکتی۔

مفتی کی تنخواہ

خیر سے خاکی جان اب "حضرت علامہ ڈاکٹر" کے علاوہ "مفتی" بھی بن گئے ہیں؛ دوسروں کی امامت و دیگر امور کی تنخواہ، وظیفے بدیے تو مفتی موصوف نے اپنے خیال میں کسی طرح ثابت ہی کر دیے لیکن ان کی "اپنی" کا مسئلہ الجھ گیا۔ ظاہری بات ہے کہ جب قرآن و حدیث میں "مفتی" کا کوئی تصور ہی نہیں، تو اس کی تنخواہ کیسی؟ لیکن مدرسوں میں منطق بھی تو پڑھائی جاتی ہے۔ اب یہ منطق اور کس وقت کام آتی؟ مولوی صاحب نے "لائق فائق شاگرد" ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے لیے بھی راہ نکال لی! اس کا جواز یہ پیش کیا کہ جس طرح قاضی کی تنخواہ جائز ہے اسی طرح مفتی کی بھی جائز ہے۔ "قاضی" ریاستی امور پر فائز شخص ہوتا ہے جس کی ذمہ داری ہمہ وقتی ہوتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلام میں مفتی یا مولوی کا کوئی تصور ہی نہیں، نہ جزوقتی نہ کل وقتی۔ مفتی صاحب نے منطق تو پڑھ لی، مگر اصول فقہ بھی تو پڑھے ہوں گے جن کے مطابق قیاس کے لیے مقیس، مقیس علیہ، اشتراک علت اور حکم، یہ چار اجزاء درکار ہوتے ہیں۔ اجرت مفتی کو قاضی کی تنخواہ پر قیاس کرتے ہوئے (یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ یہ اہلحدیث مفتی صاحب قیاس سے ایک نتیجہ اخذ کر رہے ہیں جبکہ اہلحدیثوں کے نزدیک تو قیاس ایک "شجر ممنوعہ" ہے) علت تو دیکھ لیتے تاکہ اشتراک کے سبب مساوی حکم لگایا جا سکتا۔ شاید یہ سب باتیں ان کی فہم سے بالا ہوں۔

ان مفتیان سے سوال پوچھا جائے کہ نبی ﷺ کے دور میں کتنے مفتی تھے؟ کتنوں کو مولوی کی سند ملی تھی؟ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ ؓ کے دور میں کتنے افراد اس "سند الفراغ" سے نوازے گئے تھے؟ انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس ؓ کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی، موصوف ذرا کوئی ایک نام تو بتائیں کہ فلاں کو مولوی کی سند دی گئی تھی اور فلاں مفتی تھے؟ ہر وہ چیز جس کا اسلام میں کوئی وجود نہ ہو، ان فرقہ پرستوں کے یہاں اسلام کا ستون سمجھا جاتا ہے! ان لوگوں نے اس "سند" کو ایک ایسی چیز کی صورت میں پیش کیا ہے جس کے بغیر اسلام کا کام گویا چل ہی نہیں سکتا۔ آپ کسی سے کہیں کہ دینی امور پر اجرت جائز نہیں، وہ جواب میں کہتا ہے: آپ کے پاس سند ہے؟ "سند" کے معنی دلیل ہوتے ہیں۔ دین کے حوالے سے کوئی بات کی جائے اور اس پر سند مانگی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بیان پر قرآن و حدیث کی کوئی دلیل ہے؟ اس کے برعکس ان فرقہ پرستوں کے ہاں "اس کا یہ مفہوم نہیں" بلکہ انہوں نے ایک "ورک پرمٹ" (work permit) ایجاد کر لیا اور اس کا نام "سند" رکھ دیا۔ دراصل یہ سند اس بات کا سرٹیفکیٹ ہے کہ یہ بندہ اب مسجد میں تنخواہ لے کر "امامت" کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ اب یہ "سند" رکھنے والا جو بھی کہے وہ قرآن و حدیث سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے اور جس کے پاس یہ "سند" نہیں، وہ لاکھ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم بیان کرے، اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ مزید یہ کہ "سند" بھی وہی قابل قبول ہے جو صرف اپنے فرقے کی ہو۔ مدرسے میں سالہا سال لگا کر ایک بریلوی مسلک والا یہ سند حاصل کر لیتا ہے اور جب یہی سند یافتہ اذان سے پہلے اور بعد میں "یا نبی سلام علیک" پڑھنے کو جائز قرار دیتا ہے تو باقی فرقے والے اس کی بات نہیں مانتے اور اسے بدعتی کہتے ہیں۔ اپنی "جامعۃ العلوم" سے تخصص کی سند رکھنے والے فاضل کی اس بات کو بریلوی گستاخی رسول اور کفر سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایک بشر تھے؛ اور جب یہی فاضل کہتا ہے کہ تقلید شخصی فرض ہے تو حدیث پر عمل کرنے کے دعویدار اس بات کو فضول قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک سند یافتہ "مجتہد" (جسے آیت اللہ، حجت اللہ وغیرہ جیسے نام بھی دیے جاتے ہیں) کہتا ہے کہ عزاداری، سینہ کوبی باعث ثواب بلکہ شعار اسلام ہے، تو باقی سب اس کی سند کو پوچھتے بھی نہیں۔ گویا "سند" بھی وہی تسلیم شدہ جو اپنے فرقے کی ہو۔ معلوم ہوا کہ اس "سند" کا تعلق اسلام سے نہیں، فرقہ پرستی سے ہے۔ مولوی کی سند حاصل کرنے کے بعد specization (جسے یہ لوگ درجہ تخصص کہتے ہیں) کا کورس کرنے پر "مفتی" کی سند بطور green card حاصل ہوتی ہے۔ اور اس طرح کمائی کی ایک اور راہ کھل جاتی ہے: فتوے دو، مال بناؤ۔ مفتی کا مقصد اپنے مسلک و فرقے کا دفاع کرنا ہوتا ہے۔ مگر مولوی کی طرح مفتی بھی صرف اپنے فرقے کا مانا جاتا ہے، دوسرے فرقے کے مفتی کی نہ جیب گرم کی جاتی ہے اور نہ ہی اسے عالم تسلیم کیا جاتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فرقہ پرست اپنے مولوی کے نام کے ساتھ "مولانا" کا مشرکانہ لاحقہ لگاتے ہیں (تفصیل ہماری کتاب "اسلام یا مسلک پرستی" میں دیکھیے) لیکن اپنے حریف مسلک کے علماء کے شروع میں بطور تحقیر نہیں لگاتے۔ اب چونکہ اسلام میں اس "مفتی گری" کا کوئی تصور تھا ہی نہیں، لہٰذا دامانوی مفتی کے لیے تو یہ بات ایک چیلنج بن گئی کہ کس طرح اسے ثابت کریں کیونکہ یُحَدِّثُونَ بِإِذْنِ اللهِ تو ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ لہٰذا موصوف نے جس طرح اس سے قبل نئے نئے ڈرامے رچائے تھے، ایک ڈرامہ اور رچایا اور مفتی کو قاضی کے منصب پر فائز کر ڈالا اور لکھا:

"۔۔۔ اسلامی حکومتوں میں قاضی کو تنخواہ ملتی رہی ہے اور اب تک اس کا دستور ہے اور یہی صورت حال مفتی کی ہے۔ لہٰذا مفتی کے لیے بھی تنخواہ کا جواز موجود ہے۔" (صفحہ ۵۳)

دیکھیں کتنی سادگی مگر پُرکاری ہے اس تحریر میں کہ جس طرح وہ تھا تو اسی طرح یہ بھی ہے!

اب کوئی ان "عالم دین" سے پوچھے کہ "حضرت!" قاضی کی ذمہ داری تو ریاستی ہے، اس پر قرآن وحدیث نے کوئی قدغن نہیں لگائی، لیکن آپ تو قرآن کی تعلیم اور اس کی تبلیغ پر اجرت لے رہے ہیں، آپ کے اور قاضی کے عمل کا کیا موازنہ!

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ موصوف نے اپنی کمائی کو جائز قرار دینے کے لیے کس طرح قرآنی آیت کا مطلب بدل ڈالا! احادیث کے اصل بیان سے صرف نظر کرتے ہوئے انہیں ایک نئے مفہوم سے بدلا اور "ائمہ وعلماء کرام" کے نام سے ایک نیا دین تخلیق کر کے کھڑا کر دیا! اس نئے دین میں نبی ﷺ کے بیان کردہ الفاظ "علماء کرام" کے کہے ہوئے الفاظ سے تبدیل کر دیے ہیں .... مفتی جابر صاحب لکھتے ہیں:

"یہود ونصاریٰ جن بیماریوں میں مبتلا ہوئے تھے اور نفس پرستی اور اللہ کی نافرمانی کی وباء جس طرح ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہو گئی تھی آج امت مسلمہ بھی ان ہی بیماریوں سے دوچار ہے بلکہ بعض معاملات میں انہوں نے یہود ونصاریٰ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے اور آج یہ بھی مغضوب علیہم اور ضال وگمراہ لوگوں کے نقش قدم پر چل پڑی ہے۔ رسول اللہ نے خبر دی تھی کہ ایسا دور بھی آجائے گا کہ جب امت مسلمہ بھی یہود ونصاریٰ کی سنت کو اختیار کرے گی اور ان کے نقش قدم پر رواں دواں ہو جائے گی۔"

(قرآن وحدیث میں تحریف، صفحہ ۵۸)

ہم موصوف کی اس بات سے متفق ہیں۔ ان کی پوری تحریر میں یہ ایک بات درست لکھی گئی ہے۔ اس امت نے وہی طریقہ کار اختیار کر لیا ہے جو یہود ونصاریٰ کا تھا: جس طرح انہوں نے کتاب اللہ کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا تھا، بالکل اسی طرح اس امت کے احبار ورہبان بھی دین فروش بن گئے؛ انہوں نے اللہ کے احکام میں تحریف کی تھی، وہی انداز اس امت کے مولویوں کا بھی ہے؛ یہود ونصاریٰ حق چھپاتے تھے، یہ بھی حق کو چھپا کر باطل کو مسلط کیے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ یہ مفتی موصوف بھی اس کام میں پیش پیش ہیں! انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت کی چار چار تشریحات اسی کتابچے میں بیان کر ڈالی ہیں، نبی ﷺ کے فرامین کو نام نہاد ائمہ کے بیانات سے بدل ڈالا! اللہ کے وہ باغی جھوٹ گھڑ گھڑ کر پھیلاتے تھے، مفتی موصوف کا تحریر کردہ یہ کتابچہ بھی اس کا عملی ثبوت ہے۔ کتاب کی ابتداء سے جھوٹ، دجل وفریب کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ کتاب کے آخر تک جاری ہے۔ دینی امور پر اجرت کی ممانعت میں پیش کردہ ساری احادیث کو ضعیف قرار دیدیا گیا لیکن پھر کسی کو صحیح کہہ کر اس کا مفہوم بدل ڈالا، کسی کی کوئی توجیہ پیش کی اور کسی کی کچھ، اور پھر انہیں بھی منسوخ قرار دے ڈالا .... گویا اصول حدیث موصوف کا پیرہن بن گئے کہ جیسے چاہیں استعمال کریں اور جب چاہیں اتار پھینکیں! آج تو یہ جھوٹ بول کر اپنی اس کمائی کو "جاری" رکھ لیں گے اور ان کے اندھے مقلدین بھی ان کی جیبیں گرم کرتے رہیں گے جن کو یہ مذکورہ صدر قسم کے باطل اور بودے دلائل دے کر مطمئن کرتے رہیں گے، لیکن کل جب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں ان کا کیا حال ہوگا؟ وہاں یہ کوئی جھوٹ نہیں گھڑ سکیں گے کہ ان کی یہ بہت چلنے والی زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دینگے:

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یٰس: ۶۵)

"آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہمیں بتادیں گے اور پیر اس کی گواہی دیں گے جو کچھ یہ کماتے رہے ہوں گے"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (العنکبوت: ۱۳)

"اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ، اور مزید بوجھ بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ اور ضرور باز پرس ہوگی ان سے قیامت کے دن اس جھوٹ کے بارے میں جو انہوں نے گھڑے تھے"

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (حم السجدۃ: ۲۰)

"ان کے اعمال کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں گواہی دیں گی"

ان معروضات کے بعد آخر میں ان اجرتی مولویوں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کیسے صابر ہیں یہ لوگ جہنم کی آگ پر؛ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ

مولوی نور محمد تونسوی کی ہفوات

اس سے پہلے دیوبندی فرقے کی طرف سے ہی اشاعتیوں کے مولوی نیلوی صاحب نے سرگودھا سے اور ایک دوسرے پنج پیری مولوی نے دیر کے علاقے کیتاڑی سے ہماری کتاب "دینداری یا دکانداری" کا اپنے زعم میں جواب دیا تھا جن میں مفتی داماتوی ہی کے طرح کے دلائل دے کر قرآن وحدیث کی حرام ٹھہرائی ہوئی دینی امور پر اجرت کو حلال قرار دینے کی سعی نامراد کی گئی تھی۔ ابھی حال ہی میں تونسہ کے مولوی تونسوی نے ایک کتاب "اسلام کے نام پر ہوائی پرستی" لکھ ڈالی ہے۔ اتنے صفحے کالے کر کے مولوی موصوف غالباً یہ خیال کرتے ہوں گے کہ انہوں نے ریت پر تعمیر کیا ہوا قائم حصار مضبوط کر لیا اور اسے لکھ دینے کے بعد اب کوئی بھی شخص ہماری جماعت کی قرآن وحدیث پر مبنی دعوت کو ہرگز نہ قبول کرے گا گویا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

لیکن یہ جان لیں کہ ان کی پھونکوں سے یہ چراغ نہ بجھ سکے گا۔ قرآن وحدیث کی کھلی، کھری اور اس دوٹوک دعوت کو باطل قرار دینے کی کوشش کرنے والے (ان شاء اللہ) اللہ کے یہاں نہ صرف اپنے انجام سے دوچار ہوں گے بلکہ اپنے پیٹھوں پر ان سب کا بوجھ بھی اٹھائے ہوں گے جو دنیا میں ان کے بہکائے میں آکر کتاب اللہ کی اصل دعوت سے دور ہو گئے ہوں گے؛ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ موصوف نے اپنی اس کتاب میں جو کچھ گند بازاری زبان میں اگلا ہے، ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً کتاب اللہ کے حوالے سے اس کا شائستہ ومسکت جواب دیا جائے گا۔ سردست دینی امور پر اجرت کے حوالے سے ان کے باطل دلائل کا محاکمہ کیا جاتا ہے۔

ہم نے اس مضمون کے شروع ہی میں یہ بات بیان کر دی تھی کہ فرقہ کوئی بھی ہو، عقائد خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ سب کے سب **ثمن قلیل** کے معاملے میں متفق اور متحد ہیں۔ اہلحدیث مفتی داماتوی کے کتابچے کا ایک اقتباس پیش کیا گیا تھا کہ لوگ اس لیے اس "اجرت" کو ناجائز قرار دے رہے ہیں تاکہ لوگ مدرسوں میں پڑھنا چھوڑ دیں اور پھر دین کا کام رک جائے۔ وہی انداز تونسوی صاحب نے بھی اپنایا ہے، ملاحظہ فرمایے:

(بقیہ آخری صفحہ پر)

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ

کیپٹن ریٹائرڈ محمد ارشد

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آل عمران: ۵۱)

"بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی؛ اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے"

عیسیٰ ؑ نے جب یہ دعوت اپنی قوم میں اٹھائی تو سب سے زیادہ مخالفت اس دور کے علماء و مشائخ نے کی تھی حتیٰ کہ قید کروادیے گئے اور موت کی سزا سنادی گئی اور اپنے زعم میں انہیں سولی پر بھی چڑھادیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے خلاف ہونے والی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا اور انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ یہی دعوت جب آخری رسول محمد ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تو اسے روکنے کے لیے بھی ہر حربہ استعمال کیا گیا اور آخری فیصلہ یہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کو قتل کردیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے آپ ﷺ انہی مشرکین کی نظروں کے سامنے سے بخیریت ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے اور مخالفین کے عزائم خاک میں مل گئے۔ گویا یہ دعوت حق کی سنت رہی ہے کہ جو بھی اس کو اس کی اصل شکل میں پیش کرے گا، اس کی قوم اس کے ساتھ یہی سلوک کرے گی، داعیان حق آزمائشوں میں مبتلا کیے جائیں گے، صبر و ثبات کا امتحان ہوگا۔

آج پھر پوری دنیا میں کفر و شرک کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ شرک اس برصغیر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ہمیں آزادی کی نعمت دی، وہاں ایک اور احسان یہ بھی کیا کہ ایمان خالص کی یہ پکار بھی ہمارے اسی خطے میں اٹھائی۔ اور اب یہ دعوت ملک کے طول و عرض میں پھیل کر وہی رنگ دکھارہی ہے جس طرح قرون اولیٰ میں دکھایا تھا۔ اس سے پہلے حبل اللہ کے شمارہ ۱۰ میں ایک مضمون " مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ " میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح ایمان خالص کی یہ دعوت ہمارے یونٹ میں پہنچی اور پھر اس کا کیا ردعمل ہوا۔ اب اس سلسلے وار مضمون میں تحصیل گوجرخان کے علاقے میں اٹھنے والی اس دعوت توحید اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کی کچھ روداد آپ کے سامنے پیش کی جائیگی۔

تحصیل گوجرخان سے ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہمارے گاؤں چکری وکیلاں میں قرآن و حدیث کی دعوت پھیلنا شروع ہوئی تو لوگوں کو یہ باتیں عجیب معلوم ہوتی تھیں؛ ان کے مولوی نے تو یہ باتیں کبھی بتائی ہی نہ تھیں کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے، نعرہ حیدری یا علی مدد اور نعرہ رسالت یارسول اللہ اور نعرہ غوثیہ وغیرہ جیسے نعرے قرآن کے خلاف ہیں، مزید یہ کہ مزاروں پر چادریں چڑھانا، عرس و میلے کرنا بھی مسلمانوں کا طریقہ نہیں؛ مرنے والوں کا "قل شریف"، تیجہ، چالیسواں بھی ہندوانہ رسمیں ہیں اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں جن پر کوئی ثواب نہیں بلکہ گناہ ملے گا؛ حتیٰ کہ "بڑے پیر صاحب" کی "گیارہویں شریف" بھی غیر اللہ کی نیاز ہونے کے سبب شرک ہے اور محرم پر شربت تقسیم کرنا، اس کی سبیلیں لگانا بھی اسی مشرکانہ نذر و نیاز کے زمرے میں آتا ہے۔

اس گاؤں کی مسجد کا پیش امام شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا لیکن گاؤں کی اکثر آبادی کے سنی ہونے کے سبب تقیہ کرکے خود کو سنی ظاہر کررکھا تھا۔ گاؤں والے اس مولوی کو "شاہ صاحب" کہا کرتے تھے۔ جمعہ کی تقریر کے لیے وعظوں کی ایک کتاب رکھی ہوئی تھی جس میں سے دیکھ کر پڑھ دیا کرتے تھے۔ البتہ اگر علاقے کا کوئی پڑھا لکھا شخص تقریر کرنا چاہتا تو مولوی صاحب بخوشی اجازت دے دیتے۔ دعوت توحید پہنچانے کا میرے لیے یہ بہترین موقعہ تھا کیونکہ گاؤں کے اکثر لوگ صرف صلوٰۃ الجمعہ میں ہی آتے تھے۔ سوائے چند کے، باقی لوگ میری بات بہت غور سے سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ اگر یہ باتیں واقعی قرآن و حدیث کی ہیں جیسا کہ یہ کہتا ہے تو پھر شاہ صاحب نے کیوں نہیں بتاتے اور یہ کہ ہمارے باپ دادا جس راستے پر تھے، کیا وہ غلط تھا؟ ایک بات پر ان کو شدید اعتراض تھا کہ میں ان کے شاہ صاحب کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ اس معاملے میں میرا موقف یہ تھا کہ چونکہ موصوف کا عقیدہ بری طرح شرک سے آلودہ ہے اور یہ اجرت بھی لیتے ہیں، اس لیے ایسے امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرنا ایسے ہی ہے جیسے قادیانوں کے پیچھے ادا کرنا، لہٰذا میں اپنی صلوٰۃ برباد نہیں کرسکتا۔

مسجد میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو ہمیشہ بڑے جلسے کا اہتمام ہوتا تھا، مگر اس دفعہ اس کا کوئی اعلان نہ کیا گیا۔ میں نے شاہ جی موصوف سے پوچھا کہ آج جلسہ نہیں ہورہا، کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ اس دفعہ چندہ اکٹھا کرنے میں لوگوں نے دیر کردی اور سارے مولویوں کی بکنگ ہوگئی ہے، ایک بھی نہیں بچا۔ میں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں کچھ بیان کردوں۔ بڑی خوشی سے کہنے لگے کہ کیوں نہیں، ضرور بیان کریں، آخر "عید میلاد" ہے، اس پر تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے، آج عشاء کے بعد انشاء اللہ میں تقریر کروں گا۔ میں نے رات کو تقریر کی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ آج کے دن نبی ﷺ کی وفات ہوئی تھی؛ صحابہ کرام ؓ پریشان تھے، امہات المومنین غمگین تھیں، لیکن یہود و نصاریٰ اور منافقین خوشیاں منارہے تھے اور پھر ابوبکر صدیق ؓ نے خطبہ دیا کہ محمد ﷺ کی وفات ہوگئی ہے اور جو اس کا انکار کرے تو وہ نبی ﷺ کو معبود مانتا ہے کیونکہ نہ مرنے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ میں نے حاضرین کو بتایا کہ نبی ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں میلاد نہیں منایا، صحابہ کرام ؓ نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا، تابعین و تبع تابعین سے بھی ایسا کرنا ثابت نہیں حالانکہ بہترین زمانے کے یہ لوگ نبی ﷺ سے بہت محبت کرنے والے تھے، مگر یہ فرقہ پرست مولوی خالی خولی دعوے محبت کرتے ہیں اور ان کا اس میلاد منانے سے مقصد صرف چندہ اکٹھا کرنا ہوتا ہے؛ یہ لوگ نبی ﷺ کو مدینے والی قبر میں زندہ مانتے ہیں اور نبی ﷺ کو ناقابل موت مان کر اللہ کی صفت الٰہی میں شریک ٹھہراتے ہیں جو بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ نبی ﷺ مدینے والی قبر میں "زندہ در گور" نہیں بلکہ دنیا کی زندگی پوری کرکے وفات پاکر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر زندہ ہیں۔

دوسرے دن گاؤں میں شور بلند ہوا کہ رات کو تقریر کس نے کی تھی، کس نے اجازت دی تھی۔ شاہ موصوف لوگوں پر خوب برسے کہ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے، تم لوگوں نے چندہ جمع کرنے میں دیر کردی تھی، سب مولوی بک ہوچکے تھے، کوئی

ایک بھی نہیں بچا تھا اس لیے میں نے ارشد صاحب کو اجازت دی تھی۔ بہر حال لوگوں کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ چند آدمی اکٹھے ہو کر کچہری گئے تاکہ کیس درج کرایا جائے۔ ہمارے پھوپھا جی، جو کہ وکیل بھی تھے، ان کو سمجھایا کہ ایسا نہیں کرتے، میں کل خود گاؤں آؤں گا اور آپ سے بھی بات کروں گا اور ان لوگوں کو بھی سمجھاؤں گا۔

دوسرے دن انہوں نے گاؤں کی مسجد میں اپنی پہلی اور آخری تقریر کی کہ لوگو اپنے ''بابا صاحب سبحان'' کی عقیدت پر سختی سے جم جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کر دیا جائے اور خاص کر اپنی نئی نسل کو ان لوگوں سے دور رکھو، یہ مزار شعائر اللہ ہیں، ان کا احترام ایمان کا حصہ ہے۔ غرض یہ اور اسی طرح کی دوسری بہت سی شرکیہ کفریہ باتیں کیں۔ اس کے بعد ہمارے گھر آئے اور کہنے لگے کہ ''بابا صاحب سبحان'' کا مزار بہت مقدس جگہ ہے، ان کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے، یہ بڑی ہستی ہیں، ان کے خلاف کچھ نہ کہنا...... یعنی قرآن و حدیث کے مقابلے میں تو ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی، صرف یہ عذر تھا کہ باپ دادا ایسے ہی کرتے چلے آرہے ہیں۔ تو بات اسطرح ختم ہوگئی۔

میں اور بڑے بھائی الیاس بھی لاہور چلے گئے جہاں اس وقت ہماری ایک اشتہاری کمپنی تھی۔ ہم دونوں میں سے مہینے دو مہینے میں جب بھی کوئی گاؤں آتا تو اسی طرح دعوت الی اللہ کا پروگرام کیا جاتا۔ دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ ایک دن بھائی الیاس کے برادر نسبتی نے آکر بتایا کہ آپ لوگ یہاں بیٹھے ہیں اور چکری وکیلاں والوں نے آپ کے خلاف توہین رسالت کا پرچہ کٹوا دیا ہے، پولیس آپ کو ڈھونڈ رہی ہے۔ ذہنی طور پر تو ہم پہلے ہی تیار تھے کیونکہ اس سے پہلے بھی وہ ایک کوشش کر چکے تھے۔ دوسرے دن ہم دونوں بھائی اپنا کام کمپنی منیجر صفدر صاحب کے حوالے کر کے چکری وکیلاں آگئے۔

گرفتاری سے پہلے ضمانت: جب ہم گاؤں پہنچے تو وہاں بڑی عجیب و غریب قسم کی صورتحال تھی، ایسا لگتا تھا کہ میٹنگ کر کے سب لوگوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ ان سے کسی قسم کی بات نہ کی جائے حالانکہ اس کیس کے حوالے سے تو ہم خود بھی ان لوگوں سے کسی قسم کی بات یا مفاہمت کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ مجھے تو ایک طرح کی خوشی سی محسوس ہوئی کہ اب بات ذرا اوپر تک جائے گی اور دعوت توحید کو پھیلنے کا موقع ملے گا۔

اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن گوجر خان پریس کلب میں اس خبر کو خوب اچھالا گیا اور مقامی اخبارات کے صفحہ اول پر اسے جگہ دی گئی حالانکہ ابھی تو صرف الزام ہی لگایا گیا تھا، پھر بھی ہمیں ایسے انداز میں پیش کیا گیا جیسے ہم بھارتی جاسوس ہیں جو اس علاقے میں چھپے ہوئے ہیں اور پولیس ہمیں ڈھونڈ رہی ہے۔ اس کے برعکس بغیر تحقیق کے FIR کاٹ دینے والے متعصب مجسٹریٹ عبدالرشید رازی کو ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا جیسے کسی مرد مجاہد نے مشرقی پاکستان دوبارہ فتح کر لیا ہو۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری تحصیل گوجر خان اور راولپنڈی کی کچہریوں میں پھیلنا شروع ہوگئی۔ ہم نے طے کیا کہ گرفتاری سے پہلے ضمانت کرائی جائے تاکہ جیل سے باہر رہ کر کیس fight کریں۔ راولپنڈی میں ایک دوست نے بتایا کہ اس کا ایک کزن وکیل ہے جو نامور قانون دان بابر اعوان کے ساتھ کام کرتا ہے، اس سے مشورہ لیا جائے کہ کیا کرنا ہے۔

رات کو بابر اعوان کے دفتر میں اس سے بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوئی اور جب اس کی تسلی ہوگئی کہ ہم میں تو توہین رسالت یا نبی ﷺ کی شان میں کسی گستاخی کا شائبہ بھی نہیں بلکہ ہم تو نبی ﷺ کے سچے پیروکار ہیں اور نبی ﷺ سے محبت کو ایمان کا جزو لازم سمجھتے ہیں اور یہ کہ جو کوئی اپنے والدین، اولاد، بھائی بہن تمام رشتہ داروں سے زیادہ آخری رسول محمد ﷺ سے محبت نہ کرے تو ہم اسے ایمان سے خالی سمجھتے ہیں، اور محبت بھی یہ کہ ہر بات میں صرف انہی کی پیروی کو لازم سمجھتے ہیں، پھر ہمارے لباس، شکل و صورت، اخلاق و آداب، عادات و اطوار میں بھی اسی سنت نبوی کی پیروی ہو، جس کی کوئی جھلک انہیں ہمارے اندر نظر آئی تو کہنے لگے کہ میں تمہارا کیس ضرور لڑوں گا، بہت دلچسپ کیس ہے، تم گھبرانا نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے، جو خود کو فخریہ ''علامہ'' کہلواتے تھے، جوش میں آکر کہنے لگے کہ اگر ہمیں جیل بھی ہوگئی تو وہاں بھی ہم یہی دعوت دیں گے؛ کیوں ارشد صاحب؟ میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے؛ اگر جان بھی دینی پڑ گئی تو بھی اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا جواب تو ان علامہ موصوف نے نہیں دیا لیکن افسوس کہ وہ اپنی بات پر بھی قائم نہ رہ سکے اور خود تو کیا کسی کو دعوت دیتے، مجھے بھی اس کام سے روکتے ہی رہے......... اور ہمارے حق میں آخری فیصلہ ہونے سے صرف بیس منٹ پہلے ہی گھٹنے ٹیک کر معیانہ شروع کر دیا۔ اس کا کچھ ذکر بعد میں آئے گا، یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ علامہ صاحب جوش و جذبات میں ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے مگر اپنے اندر یہ ایمان سے متقاضی کوئی تبدیلی نہ لائے بلکہ اپنے طرز عمل اور متکبرانہ انداز سے ہمیشہ لوگوں کو متنفر ہی کرتے رہے۔

بابر اعوان کی وکالت: اعوان صاحب راولپنڈی کے نامی گرامی وکیل ہیں۔ پیپلز پارٹی کے بڑے بڑے کیس یہی لڑتے ہیں۔ ہماری ضمانت قبل از گرفتاری کے لیے فارم پُر کر کے داخل کرا دیے گئے اور ضمانت بھی ہوگئی۔ کیس سیشن جج گلزار بٹ صاحب کی عدالت میں لگا۔ پہلی پیشی میں تو تاریخ آگے بڑھا دی گئی لیکن دوسری پیشی میں خوب گرما گرم بحث ہوئی۔ ہمارے وکیل کے سامنے مخالفین کا وکیل شیخ محمود ایسے لگ رہا تھا جیسے شیر کے سامنے بکری؛ اور دوسرے یہ کہ اعوان صاحب اس کی کچھ ذاتی کمزوریوں سے بھی واقف تھے جس کی وجہ سے شیخ صاحب انگریزی تو کیا اردو بھی بڑی مشکل سے بول پائے۔ نبی ﷺ کے مدینے والی قبر کے بجائے جنت الفردوس میں زندہ ہونے کے بارے میں قرآن و حدیث کے بے شمار نصوص اور مضبوط دلائل کے مقابلے میں وکیل شیخ محمود کے دلائل وہی تھے جو مشرکانہ عقائد رکھنے والے مولوی پیش کرتے ہیں، جن کا بودا پن بھری عدالت میں واضح طور پر محسوس کیا گیا اور ان کی بعض جاہلانہ باتوں پر جج صاحب بھی ہنس پڑے۔ اس طرح جب ان کی بات نہ بنی اور شیخ صاحب نے دیکھا کہ ان دلائل سے گلزار بٹ جیسے آدمی کو بھی ہنسی آگئی ہے تو ایک پمفلٹ لہرا کر کہنے لگے کہ سر! یہ لوگ علاقے میں اس طرح کی کتابیں بانٹتے ہیں۔ بابر اعوان صاحب نے سمجھا کہ یہ لوگ اب مزید الزامات لگا رہے ہیں تو انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ اس کتاب سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ صاحب بھی کہنا شروع ہو گئے کہ ہاں ہمارا اس کتابچے سے کیا تعلق۔ اس پر تو مخالفین بہت حیران ہوئے اور انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ علامہ موصوف کیا فرما رہے ہیں؛ لہٰذا کہنے لگے کہ اگر اس کتاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تو ہم کیس واپس لیتے ہیں۔ یہ لمحے میرے لیے انتہائی آزمائش کے تھے کہ یہ ہمارا کتابچہ ''فلاح کا راستہ'' تھا جسے ہم لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کر چکے ہیں۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اگر ہمارا اس کتابچے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟ اس کتابچے میں قرآن و حدیث کی عریاں دعوت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں نے جج صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کے ہاتھ میں جو کتابچہ ہے، اس پر ایک مہر لگی ہوئی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں لگی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ مہر میں

نے خود لگائی ہے اور اب تو ہمارے گھر کی خواتین اور بچے بھی یہ مہریں لگانے میں ماہر ہو گئے ہیں: ہم اپنے ایڈریس کی مہریں لگا کر یہ کتابچے بانٹتے ہیں اور بانٹتے رہیں گے۔ بابر اعوان صاحب نے جب دیکھا کہ اس بات پر تو مخالفین کیس ختم کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن ان کا اپنا موکل تبلیغ دین سے دستبردار ہو کر کیس ختم کرانے کے لیے کسی صورت تیار نہیں، تو ایک دم اپنے الفاظ واپس لے کر جج صاحب سے درخواست کی کہ انھیں یہ کتابچہ ایک نظر دیکھنے کے لیے دیا جائے۔ جج صاحب نے انھیں یہ کتابچہ دے دیا۔ اعوان صاحب نے کتابچہ لے کر صرف وہی پیراگراف بھری عدالت میں اونچی آواز سے پڑھ ڈالا جسے مخالفین نے اعتراض کے طور پر highlight کیا ہوا تھا، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

”اسی طرح وسیلہ کا شرک بھی ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز، ہر حاجت اور دل کے ہر خیال کا جاننے والا ہے، وہ براہِ راست دُعا اور پکار سنتا ہے اور اس پر فیصلہ صادر فرماتا ہے اور وہی اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان اور رحمت کرنے والا ہے۔ ماں اور باپ سے بھی زیادہ۔ وہ حکم دیتا ہے کہ میرے بندو! مانگنا ہے تو مجھ سے مانگو، پکارنا ہے تو مجھے پکارو، صرف میرے پاس ہی وہ خزانے ہیں جو تمہاری ہر حاجت کو پورا کر سکتے ہیں اور دعا کرتے وقت میرے اسماءِ حسنیٰ (ذات اور صفات کے بہترین نام) کو میری رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ بناؤ:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰)

”اللہ کے اسماءِ حسنیٰ ہیں ان ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو“

اب اگر کوئی اسماءِ حسنیٰ کے بجائے اس کے کسی نبی یا ولی کا نام لے کر کہتا ہے کہ اپنے اس پیارے نبی یا ولی کے صدقے میں میری دعا قبول فرما کر میری حاجت پوری کر دے تو گویا وہ اللہ کی ذات و صفات کے اسماءِ حسنیٰ سے زیادہ اس نبی یا ولی کی ذات اور اس کے نام کو مؤثر مانتا ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندہ کو شریک ٹھہرانا ہی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شدید توہین بھی ہے۔ عرب جاہلیت کی طرح آج لوگ قبروں اور آستانوں پر جا کر ان کی پوجا کرتے ہیں کبھی طواف، کبھی سجدے، کبھی منت مانتے ہیں کہ اولاد ہو جائے تو یہ نذر کروں گا، بیمار اچھا ہو جائے تو یہ چڑھاوا چڑھاؤں گا۔ تو کیا جائے کہ قبر والوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بالکل مردہ بتلایا ہے اور کہا ہے کہ ان میں جان کی رمق تک نہیں ہے۔ ان کو تمہاری کیا خبر ہو گی انہیں تو اپنے متعلق بھی یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبر سے کب زندہ کر کے اٹھائے گا (النحل: ۲۱)“

یہ عبارت پڑھ کر اعوان صاحب کہنے لگے کہ یقین جانیں جج صاحب! اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ میرے یہ موکل اتنی زبردست بات اہلیان چکری وکیلاں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں اور یہ ان لوگوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ میرے موکل کی بات ماننے کی بجائے ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اعوان صاحب شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ جو بات اہلیان چکری وکیلاں کی سمجھ میں نہیں آ رہی وہ مجسٹریٹ صاحب کی سمجھ میں آ جائے گی۔ بٹ صاحب نے عدالتی کارروائی کو اگلی پیشی تک کے لیے ملتوی کر دیا اور پچھلے دروازے سے نکل گئے۔

ضمانت کی منسوخی: اس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ تاریخیں آگے بڑھنا شروع ہو گئیں لہٰذا میں نے لاہور واپس جانے کی بجائے کیس کا فیصلہ ہونے تک یہیں گاؤں میں رہنے کا ارادہ کر لیا۔ ان دنوں سخت بارشیں ہو رہی تھیں۔ کئی بار صبح سویرے بارش میں کچہری میں جانا پڑا جو کہ بہت ہی تکلیف دہ کام تھا۔ ہمارے مخالفین بھی ایسی ہی تکالیف اٹھا رہے تھے۔ مگر ہم حق پر تھے اور ہمارے مخالفین سراسر باطل پر۔ اس لیے ہم ہر تکلیف باعث اجر سمجھ کر جھیل رہے تھے۔ اللہ کے راستے میں تکلیف اٹھانے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ چند دن بعد میری اہلیہ بھی چوبیس دن کی نومولود بچی کو لے کر لاہور سے گوجر خان آ گئیں۔ ان کے لیے اس طرح کے ماحول سے گزرنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ انھیں پہلے بھی اس طرح کے حالات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ لیکن میری والدہ اور دوسرے گھر والوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ دائیں بائیں سے مخالفین کی دل خراش باتیں ان کے زخموں پر نمک پاشی کا کام کرتی تھیں۔

علاقے میں عجیب و غریب ماحول بن گیا تھا۔ نبی ﷺ کی چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرنے والے بے دین سمجھے جا رہے تھے اور جن لوگوں کو دین سے کچھ لگاؤ ہی نہ تھا، وہ عاشق رسول کے روپ میں سامنے آ رہے تھے۔ مزے کی بات یہ کہ ان میں جو تین سرفہرست تھے، ان میں سے ایک نے جاپان جانے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی لکھوایا ہوا تھا، دوسرا ڈکیتی کی وارداتوں میں کئی بار پکڑا گیا تھا اور تیسرے کے بارے میں کچھ باتیں آگے چل سامنے آئیں گی۔ اس موقع پر اتنا ہی کہوں گا کہ اسے تو تھانے کچہریوں کے چکر لگانے کا شوق تھا۔

چکوال سے جو مولوی اس کیس کے سلسلے میں خصوصی طور پر آیا ہوا تھا، اس کے تو وارے نیارے ہو گئے تھے۔ خوب چندہ اکٹھا ہو رہا تھا یہاں تک کہ بیرون ملک مقیم اہلیان چکری وکیلاں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے؛ ڈالروں اور ریالوں کی بھرمار ہو رہی تھی اور مزید بھیجنے کا وعدہ بھی کیا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ شرم بھی دلائی جا رہی تھی کہ ابھی تک ضمانت کینسل نہیں کرا سکے، ان لوگوں کو جیل کی سیر کراؤ اور پھر نکلنے نہ دو۔ طاہر القادری صاحب کا بھی اپنے مریدوں کو پیغام آ رہا تھا کہ سیشن تک تو کیس خود لڑو، ہائی کورٹ میں کیس خود سنبھال لوں گا۔

پولیس والے بھی ہر پیشی پر اپنی فائل اور ہتھکڑیاں لے کر حاضر ہو جاتے تھے جیسے اہلیان چکری وکیلاں سے زیادہ وہ ہتھکڑی لگانے کے لیے بیتاب ہوں، اسی لیے وہ ان ہتھکڑیوں کی جھنکار ہمیں سنایا کرتے تھے۔

دوسری طرف مجسٹریٹ رازی بھی خود کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کیونکہ اعوان صاحب نے اس پر بھی خوب چڑھائی کی تھی کہ ایک ایسا مجسٹریٹ جو عوام کی نجی محفلوں میں جاتا ہے، کیسے غیر جانبدار رہ سکتا ہے؛ مجسٹریٹ صاحب نے یہ کیس بغیر تحقیق کے درج کر کے بے گناہ لوگوں کو پھنسا دیا ہے، لہٰذا رازی صاحب پر بھی پرچہ کٹنا چاہیے۔ ایسے حالات میں اعوان صاحب نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو درخواست دینے کے لیے کہا کہ چونکہ علاقے کے لوگوں نے ایکا کر لیا ہے اور مجسٹریٹ صاحب نے AC غضنفر صاحب کے علاوہ اپنے مخصوص عقائد کے بے شمار لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے، لہٰذا ان سے انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی۔ SP صاحب نے اپنی نگرانی میں انکوائری کرائی جو کافی حد تک ہمارے حق میں تھی۔ مگر اہلیان چکری وکیلاں نے اپنی طرف سے ایک اور انکوائری کا جواز فراہم کروا دیا جس کے لیے انھیں اپنے آبائی مزار کی خود ہی توڑ پھوڑ بھی کرنا پڑی تاکہ کیس ان کے حق میں مضبوط ہو جائے۔ چنانچہ اگلی ہی پیشی پر مجسٹریٹ نے ضمانت منسوخ کر دی اور ہمیں گرفتار کر کے حراست میں لے لیا گیا اور اتنی تیزی سے ہتھکڑی پہنائی جیسے کہ ہم فرار ہو جائیں گے۔

تھانہ جاتلی کی رات: مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ ہتھکڑی لگی تھی اور وہ بھی کسی

دنیاوی کیس کی وجہ سے نہیں: ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں "یہ لڑائی نہ زمین کے لیے تھی نہ زن وزر کے لیے، ان کا جھگڑا صرف اس بات پر تھا کہ کائنات کا مالک یکتا و یگانہ، لاشریک وبے ہمتا ہے یا اس کے اور بھی ساجھی اور شریک ہیں؟

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج: ۱۹)

"یہ دو مخالف گروہ ہیں جن کی لڑائی اپنے رب کے بارے میں ہے"

ایمان کی اس بات پر رشتے ناطے ٹوٹے، دوستی دشمنی میں بدل گئی، عداوتوں نے محبتوں کی جگہ لے لی..... "یہ سب کچھ اللہ کے راستے میں ہو رہا تھا۔ مجھے اس قدر روحانی خوشی ہو رہی تھی کہ بے اختیار ہتھکڑی کو چوم لیا جس پر حاضرین اور پولیس والوں کو بہت حیرانگی ہوئی۔ اس کے بعد ہمارے عزیزوں سے کہنے لگے کہ آپ کے پاس کوئی گاڑی ہو تو ان لوگوں کو تھانہ جاتلی تک لے جانے کا انتظام کریں یا ہمیں کوئی ٹیکسی وغیرہ کر دیں۔ میں نے کہا کس لیے؟ آپ ڈیوٹی پر ہیں، ہمیں حراست میں لیا ہوا ہے، اپنے انتظام پر جہاں چاہیں لے جائیں۔ کہنے لگے پھر پبلک ٹرانسپورٹ پر جانا پڑے گا، ہمارے پاس پولیس کی گاڑی تو ہے نہیں۔ ہم نے کہا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ پھر ایک ٹویوٹا ویگن کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر راولپنڈی سے تھانہ جاتلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ہتھکڑیاں لگے ہوئے لوگوں کو ہر کوئی مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے کہ نہ جانے کس جرم میں گرفتار ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو تسلی دی کہ گھبرانا نہیں ہے اور نہ ہی بے صبری کا مظاہرہ کرنا ہے، ہسپتالوں اور عدالتوں میں کیس آہستہ آہستہ چلتے ہیں، لہٰذا دو چار ماہ تو لگ ہی جائیں گے۔ علامہ صاحب کو میری یہ بات ناگوار گزری۔ کہنے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں، کل پرسوں تک دوبارہ ضمانت ہو جائے گی۔ میں نے کہا اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

پھر جیسا کہ ہمارا طریقہ ہے کہ دوران سفر بسوں ٹرینوں میں دعوت الی اللہ کرتے ہی ہیں تو میں نے بھی ایک تو اپنے ساتھیوں کی دلجمعی کے لیے اور دوسرے یہ کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ ہمیں کس "جرم" میں پابند سلاسل کیا گیا ہے، ویگن میں دعوت دینی شروع کر دی۔ ویسے تو میں نے دعوت الی اللہ کے سینکڑوں پروگرام کیے ہیں، لیکن ہتھکڑی پہن کر دعوت الی اللہ کرنے کا تو لطف ہی کچھ اور تھا۔ میں نے پوری طرح مسئلے کو کھول کر لوگوں کو بتایا کہ اللہ کے بندو! ایک دن تمہیں مرنا ہے، اور پھر اس کے بعد دوسری زندگی ہے، قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے، اس دن جو جہنم کی آگ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا، وہی کامیاب ہے: اس کامیابی کا دارومدار تمہاری اسی زندگی پر ہے۔ آج اگر اللہ کو اکیلا معبود مان کر اس کی ذات وصفات میں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نبی ﷺ کے طریقے پر زندگی بسر کی تو وہاں جنت کی بادشاہی کا تاج پہنو گے۔ اور اگر اسی طرح اللہ کے بندوں کو داتا، دستگیر، مشکل کشا سمجھ کر ان مُردوں کو مدد کے لیے پکارتے رہے تو تمہارے سارے اعمال برباد کر دیے جائیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا: وہاں تمہارا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا۔ وہاں شرک کرنے والوں کے لیے کسی کی سفارش نہیں چلے گی۔ اللہ کے بندو! یہ وہ بات ہے جو ہم اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، جس کے بدلے میں ہمیں یہ ہتھکڑیاں لگی ہیں: یہاں ہمارے ملک میں ہر بات بیان کرنے کی آزادی ہے، سب کچھ بولا جا سکتا ہے، صرف اللہ کی بات بیان نہیں کرنے دی جاتی: اللہ کے بندو! غور کرو، کل اپنے مالک کے سامنے کیا جواب دو گے؟"

جیسے ہی دعوت الی اللہ ختم ہوئی تو تھانہ جاتلی کی عمارت کے سامنے گاڑی رک گئی۔ ہمیں تھانے کے اندر لے جایا گیا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ تھانہ اندر سے دیکھا، اور اسی طرح پولیس والوں اور ان کے SHO کے مخصوص رویہ سے پہلی مرتبہ واسطہ پڑا۔ بہر حال ہم مطمئن تھے کہ یہ سب اللہ کے راستے کے تحفے ہیں، جو اجر سے خالی نہیں۔ سنت کے مطابق جمع بین الصلاتین کرتے ہوئے ظہر اور عصر ہم نے اکٹھی ادا کیں۔ اتنے میں جاتلی گاؤں سے ہمارے کچھ عزیزوں نے خورد و نوش کا سامان بھجوا دیا اور یہ پیغام بھی کہ فکر نہ کریں، کل پرسوں تک ضمانت ہو جائے گی۔ پولیس والے جیسے بھی بدتہذیب و بداخلاق ہوں، آرمی آفیسرز کا بہر حال بہت خیال کرتے ہیں۔ اسی لیے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اچھی طرح سے بٹھایا گیا اور SHO صاحب نے مختصر گفتگو کے بعد بتایا کہ آج رات تو یہیں تھانے میں رہیں، کل صبح مجسٹریٹ رازی صاحب کے پاس گوجر خان کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور پھر فیصلہ ہونے تک وہیں جیوڈیشل لاک اپ میں رہنا ہے۔

مجسٹریٹ رازی صاحب سے دوٹوک گفتگو: صبح سویرے ہمیں پھر پبلک ٹرانسپورٹ میں تھانہ جاتلی سے مندرہ اور پھر یہاں سے گوجر خان لایا گیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ پولیس والوں کو اپنی ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی میسر نہیں تھی، پبلک ٹرانسپورٹ میں دھکے کھا رہے تھے اور کرائے کے لیے بھی ہمارے منہ تک رہے تھے۔ گوجر خان کچہری میں ہمارے دوست احباب اور مخالفین بھی آئے ہوئے تھے۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں ریزیڈنٹ مجسٹریٹ (RM) کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ہمیں دیکھنے کے بعد کہنے لگے ٹھیک ہے انہیں لے جائیں۔ میں نے کہا مجسٹریٹ صاحب! کچھ ہماری بھی تو سنیے۔ کہنے لگے جی کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ آپ نے بغیر ہمارا موقف سنے اتنی بڑی دفعہ لگا دی، آخر ہم بھی اسی علاقے کے لوگ ہیں، آپ کو چاہیے تھا کہ ہمیں بلاتے اور کچھ کہنے کا موقعہ دیتے۔ کہنے لگے کہ میرے پاس اتنے آدمی آئے تھے اور انہوں نے اس کی گواہی دی تھی اس لیے میں نے پرچہ کاٹا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر اتنے آدمی آ کر کہیں کہ فلاں نے قتل کر دیا ہے تو بغیر پوچھے اسے پھانسی لگا دیں گے؟ تحقیق نہیں کریں گے؟ مجسٹریٹ صاحب اس قدر بوکھلائے تھے کہ کہنے لگے پھانسی لگا دوں گا۔ میں نے کہا کہ اللہ سے ڈریں، یہ کرسی اس لیے نہیں دی گئی کہ لوگوں پر ظلم و زیادتی کریں، یہ کرسی آنی جانی چیز ہے، ایک دن اللہ کی گرفت آئے گی اور کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔ RM صاحب کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ پولیس اہلکاروں سے کہنے لگے کہ انہیں لے جائیں اور بند کر دیں۔ انسان طاقت و اقتدار کے نشے میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے لیکن بھول جاتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہے۔ ہم تو چند ماہ بعد ہی عزت کے ساتھ بری ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یہ مجسٹریٹ ایک کیس میں بری طرح پھنس گیا۔ رنگے ہاتھوں رشوت لیتے ہوئے پکڑا گیا اور نہ صرف یہ کہ ملازمت بھی گئی بلکہ بدنامی اور رسوائی، جگ ہنسائی کا منہ بھی دیکھنا پڑا۔ اس کے علاوہ ہمارے تمام مخالفین کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کر کے اپنی گرفت میں لے لیا۔ سمجھ بوجھ رکھنے والو! عبرت پکڑو۔ یہ ہوتا ہے اللہ کا عذاب۔ اور اگر توبہ نہ کی تو آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آ جائے! اور اسی مقصد کے لیے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ (جاری ہے)

بحمد اللہ

قافلہ ہے رواں دواں

امیر تنظیم ورفقاء کا دورۂ پنجاب

دعوت وتبلیغ کی غرض سے امیر تنظیم ملک کے طول وعرض کے دورے کرتے رہتے ہیں جس میں نہ صرف یہ کہ بڑے پیمانے پر قرآن وحدیث کے دروس کا اہتمام کیا جاتا ہے بلکہ ساتھیوں سے رابطہ کا بھی موقعہ ملتا ہے، ان کے مسائل سامنے آتے ہیں، تنظیمی امور بھی طے ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے سرحد اور شمالی علاقہ جات کے دوروں کی کارگزاری آپ پڑھ چکے ہیں۔ ضخامت کو کم رکھنے کے خیال سے اس دورے کی کاروائی پچھلے شمارے میں شامل نہ کی جا سکی جسے اب قارئین کی خدمات میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس دورے کے لیے امیر تنظیم ورفقاء کا قافلہ کراچی سے ۲۳ راگست کی شام کو تیزگام سے روانہ ہوا۔ اگلے دن بارہ بجے کے بعد بہاولپور پہنچے۔ یہاں ایک بڑے رقبے پر مسجد توحید تعمیر کی گئی ہے۔ خواتین کے لیے ہال زیر تعمیر تھا۔ یہاں پر بہاولپور کے ملحقہ علاقوں لودھراں، مظفرگڑھ، ملتان، کبیروالا، رحیم یارخان، بہاول نگر، ہارون آباد، صادق آباد، حاصل پور، علی پور وغیرہ سے ساتھیوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی۔ ترنڈہ سے پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان اور سون سکیسر کی وادی سے پنجاب شوریٰ کے رکن ڈاکٹر عبداللہ بھی اپنے رفقاء کے ہمراہ آئے ہوئے تھے جو آخر تک قافلے کے ہمراہ رہے۔ صلوۃ الظہر کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جوابات دیے۔

عصر کے بعد منور سلطان نے سورۃ لقمان کے پہلے رکوع پر درس دیتے ہوئے حق اور باطل دین کی پہچان کروائی۔ دین حق میں قرآن وحدیث کی اہمیت کو واضح کیا اور باطل دین کے پیروکاروں کا اس کے مقابلے میں لھوالحدیث سے تمسک بیان کیا اور بتایا کہ جس طرح دورِ نبوی میں دعوت قرآن کو زیر کرنے کے لیے نضر بن حارث ایران سے رستم وسہراب کے قصے لاکر لوگوں کو سنایا کرتا تھا، آج اسی طرح یہ مسلک پرست توحید کی بات کو نیچا کرنے کے لیے اپنے اکابرین کے ملفوظات واقوال، صوفیاء کی جھوٹی کرامتوں کے من گھڑت واقعات مرچ مصالحہ لگا کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں؛ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ کسی طرح قرآن کی دعوت کو پہنچنے نہ دیا جائے۔ مقرر نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے تمسک پر زور دیا اور سامعین کو بتایا کہ گمراہی سے بچاؤ اور فلاح ونجات کا حصول اسی میں مضمر ہے۔

مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات کے حوالے سے تقریر کی۔ سورۃ کے نزول کا پس منظر بیان کیا۔ سورۃ شوریٰ کی آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ .... کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے آپ نے مسلک پرستوں کے اس باطل عقیدے کو رد کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ہر چیز کا علم تھا، غیب ان پر عیاں تھا، اور کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ اس کے بعد ایک گھنٹے تک امیر تنظیم نے سوالوں کے جوابات دیے۔ عشاء کے بعد رات تین بجے تک مشاورت ہوتی رہی جس میں کئی علاقوں کے مسائل حل کیے گئے۔

اگلے دن جمعہ تھا۔ فجر کے بعد حکیم رمضان اور ڈاکٹر عبداللہ صاحبان کی گاڑیوں میں نو ساتھی جھنگ کے لیے روانہ ہوگئے۔ راستے میں کبیروالا میں ناشتہ کیا۔ گیارہ بجے جھنگ کی مسجد توحید پہنچے۔ یہ مسجد حال ہی میں ایک طویل مقدمے بازی کے بعد واپس ملی ہے جس پر صحابہ کے نام پر تنظیم بنانے والوں نے ایک عرصے سے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں پر شورکوٹ، فیصل آباد اور دیگر علاقوں کے ساتھی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ مسجد کھچا کھچ بھرگئی تھی جس سے حبس بھی پیدا ہوگیا تھا۔ صلوۃ الجمعہ امیر محترم نے پڑھائی۔ جماعت سے پہلے اپنے وعظ میں امیر تنظیم نے سورۃ الحج کی آیات ۷۱ تا ۷۳ کی روشنی میں اس امت کے شرک وکفر سے آلودہ عقائد بیان کیے اور کھل کر طاغیت کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے کفر اور ان سے اجتناب پر زور دیا۔ آپ نے بتایا کہ اللہ نے اس امت کو امت وسط بنایا ہے کہ امم سابقہ پر تکمیل دعوت اور اتمام حجت کی شہادت دے مگر انتہائی افسوس کا عالم ہے کہ اس نے بھی وہی راہ اپنائی ہے جس پر گزشتہ امتیں چل کر اپنے مالک کے غیظ وغضب کا شکار ہوکر بعد والوں کے لیے عبرت بنادی گئیں، اُن کی بربادی سے انہوں نے کوئی سبق نہ سیکھا بلکہ آنکھ بند کرکے انہی جیسے شرکیہ عقائد اختیار کرلیے۔ انجام کار ان پر بھی مالک کے عذاب کا کوڑا اسی طرح برس رہا ہے، جس طرح پہلی امتوں پر برسا؛ تباہی وبربادی کی انتہا پر تو پہنچ ہی گئے ہیں، اگر اب بھی اصلاح نہ کی تو پھر کچھ بھی نہ بچے گا۔

صلوۃ الجمعہ کے بعد ایک بڑی ضیافت کی گئی جس کے بعد حاضرین کے شوق وجذبے کو دیکھتے ہوئے محمدی گل صاحب سے تقریر کروائی گئی۔ آپ نے سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت کرکے اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کیا۔ دیگر قرآنی آیات واحادیث کی روشنی میں آپ نے بتایا کہ اطاعت دو نہیں، بلکہ ایک ہی ہے، یہ منکرین حدیث کی مغالطہ آرائی ہے کہ دو اطاعتوں کے مطالبے کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے ورنہ درحقیقت نبی اور اہل امر کی اطاعت بھی اسی ایک اطاعت الٰہی کے تحت ہے جس کی علیحدہ سے اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ منکرین حدیث کی چیرہ دستیوں کے ساتھ ساتھ اس امت کے احبار ورھبان مولویوں اور پیروں کی پھیلائی ہوئی خرابیوں کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا۔

صلوۃ العصر کے بعد براستہ چھوٹا ساہیوال، سرگودھا کے علاقے ڈیرہ قدیم کے لیے قافلہ روانہ ہوا۔ یہاں کی مسجد میں مقامی ساتھیوں کے علاوہ فاروقہ اور ملحقہ علاقوں کے بہت سے ساتھی جمع ہوگئے تھے۔ مغرب کی صلوۃ کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ عبس کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس دیا۔ آپ نے بتایا کہ قرآن وحدیث

انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہیں مگر مولویوں اور پیروں نے انہیں مال بنانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ آپ نے "ختم بخاری شریف" کے نام سے مسلک پرستوں کی جانب سے منعقد کی جانے والی تقریب کے حوالے سے بتایا کہ بجائے بخاری پر عمل کرنے کے، ان بخاری پڑھانے والوں نے اس کو بھی مال بٹورنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ آپ نے آیات واحادیث کے حوالے سے طواغیت اور ان کی مذموم سرگرمیوں کو اچھی طرح سے واضح کیا۔ عشاء کے بعد حاضرین کی تواضع کی گئی اور اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔

اگلے روز فجر کے بعد سورۃ فرقان کے تیسرے رکوع کے حوالے سے منور سلطان نے درس قرآن دیا۔ مختلف مثالیں دے کر بتایا گیا کہ کس طرح یہ مسلک پرست اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستے سے دور کر کے خود کو طاغوت ثابت کرتے ہیں۔ آیات واحادیث کی روشنی میں طاغوت پرستی کی اچھی طرح سے وضاحت کی گئی اور اس کے عواقب ونتائج، انجام واثرات کو کھول کر بیان کیا گیا۔

اس کے بعد قافلہ ڈیرہ جدید کی مسجد توحید روانہ ہوگیا جہاں پنجاب شوریٰ کے رکن عبدالرؤف صاحب نے ساتھیوں کی تواضع کی اور مقامی نظم کے ساتھ مختصر مشاورت بھی ہوئی۔ ڈیرے کے ساتھی اگلے کچھ مقامات تک قافلے کے ساتھ رہے۔ یہاں سے قافلہ سرگودھا شہر روانہ ہوگیا جہاں کمیل صاحب کے گھر پر ناشتے کا اہتمام کیا گیا تھا جو اپنے گھر والوں کے ساتھ آج کل سرگودھا میں مقیم ہیں۔ ناشتے کے بعد کمیل صاحب کے ضعیف وعلیل والد فدا صاحب سے اہل قافلہ نے ملاقات کی جن کی استقامت دین راہ روان حق کے لیے ایک مثال ہے۔ فدا صاحب اس دورے کے تھوڑے دنوں بعد ہی وفات پاگئے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین

اگلا پروگرام چک ۳۷ کی مسجد توحید میں تھا جہاں پر سرگودھا کے علاوہ لاہور سے آئے ہوئے ساتھی بھی جمع ہوگئے تھے۔ یہاں امیر تنظیم نے سورۃ یٰس کی آیات:

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ...... أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ......

کے حوالے سے درس دیا۔ آپ نے اپنے درس میں ایمان خالص کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے سامعین پر زور دیا کہ وہ پورے دین پر دل جمعی کے ساتھ عمل پیرا ہوں اور اسوہ حسنہ کو اپنا آئیڈیل بناتے ہوئے زندگی بسر کریں کہ اسی میں فلاح ونجات ہے۔

یہاں سے قافلہ ضلع خوشاب کے علاقے منگی گجراں کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہوگیا۔ یہاں مقامی ساتھیوں کے علاوہ خوشاب، جوہر آباد، کھاتواں اور بُدھانا سے بھی کافی ساتھی آئے ہوئے تھے۔ ظہر کی صلوٰۃ کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ یونس کی آیات ۹۹ تا ۱۰۳ پر تقریر کی۔ اپنے بیان میں آپ نے دین کے نام پر پھیلائی گئی بے دینی کو اجاگر کیا، دینداری کو دکانداری بنانے والوں کی حرکات سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے خبردار کیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے تفصیل کے ساتھ ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ یہاں کے ساتھیوں میں نظم کی اطاعت اور تنظیم سے مخلصانہ وابستگی کے بارے میں بڑا جوش وجذبہ دیکھنے میں آیا۔ اپنی کم مائیگی کے باوجود بڑے والہانہ طور سے ساتھیوں کی ضیافت کا بندوبست کیا اور جس محبت وعقیدت سے قافلے کا استقبال کیا تھا، اسی وارفتگی میں رخصت بھی کیا۔ ان میں سے بہت سے ساتھی تو اگلی منزل تک ساتھ بھی گئے۔

یہاں سے قافلہ جوہر آباد کے لیے روانہ ہوگیا۔ یہاں کے ناظم عبداللہ صدیق صاحب نے اپنی حویلی پر ایک بڑا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا جہاں لاہور سے بھی کچھ ساتھی پہنچ گئے تھے۔ مغرب کے بعد بجلی چلی گئی اور گھپ اندھیرا ہوگیا۔ روشنی کے متبادل انتظام میں امیر تنظیم نے درس دیا اور سوالوں کے جواب بھی دیے۔ رات کو وہیں قیام کیا گیا۔

فجر کے بعد منور سلطان نے سورۃ مریم کے تیسرے رکوع کی ابتدائی آیات پر تقریر کی۔ مقرر نے سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم کی آیات کی روشنی میں عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے معجزانہ پیدائش، ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے ساتھ قوم کے برتاؤ اور اخلاق کے نارواطرز عمل کو بیان کرتے ہوئے دین حق سے تمسک اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔

ناشتے کے بعد قافلہ میانوالی کے علاقے مظفر پور کے لیے روانہ ہوگیا۔ یہاں کی مسجد توحید میں بڑھانا، گھنڈی، کندیاں، میانوالی وغیرہ کے ملحقہ علاقوں کے ساتھی بھی بڑی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ محمدی گل صاحب نے سورۃ النساء کی آیت: وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ ...... پر ایک سیر حاصل تقریر کی جسے سامعین نے بڑی توجہ اور شوق سے سنا۔ اپنی تقریر میں محمدی گل صاحب نے سنت کے درست تصور کو بیان کیا اور اس سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کی نشاندہی کی۔ آپ نے بتایا کہ توحید پرستی اور کسب معاش تمام نبیوں کی سنت رہی ہے۔ انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار یہ مولوی اس سنت پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ آپ نے مومنوں کی مومنوں سے شادی بیاہ اور میراث کے مسائل سے بھی بحث کی۔

تقریر کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ ایک نام نہاد جہادی تنظیم کے کارکنوں نے یہ دعویٰ کر کے انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی کہ آپ لوگ جہاد کیوں نہیں کرتے جبکہ غریب عورتیں اور بچے مدد کو چلاتے ہیں۔ ان کو بتایا گیا کہ جہاد بالسیف سے پہلے قرآن کے ذریعے جہاد کبیر ہے جس میں لوگوں کی بدعقیدگی پر ضرب لگائی ہے، کفر وشرک سے آلودہ اس بدعقیدگی، جو ان مسلک پرست جہادی تنظیموں کے اکابرین کی ہی پیدا کردہ ہے، کو ختم کرنا سب جہادوں سے بڑا جہاد ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے خلاف تو کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی صرف زور سے آمین کہنے، پیر پھیلا کر کھڑے ہونے وغیرہ جیسے اپنے مخصوص مسائل پر ہی زور دیا جاتا ہے، دینی امور پر معاوضہ لینا از روئے قرآن وحدیث ناجائز ہے، مگر یہ لوگ اپنا حق سمجھ کر لیتے ہیں، بجائے فکر آخرت کے جہاد کے نام پر لوگوں سے کھالیں اور چندہ جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے خواہ ان کا عقیدہ کیسا ہی بدتر کیوں نہ ہو۔ امیر تنظیم نے ان مسلک پرستوں کے کفریہ شرکیہ عقائد کو بلا رعایت کھول کر بیان کیا۔ اس کے بعد ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ حاضرین کی بڑی تعداد کی وجہ سے مہمانوں کو پہلے فارغ کر دیا گیا۔

یہاں سے قافلہ کندیاں کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں چشمہ بیراج موڑ پر صلوٰۃ الظہر ادا کی گئی۔ اس کے بعد کندیاں کے چوہدری غلام رسول صاحب کی بیٹھک پر پروگرام ہوا۔ مقامی ساتھیوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے سورۃ مومنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے منور سلطان نے تقریر کی اور ایمان کی اہمیت کو واضح کیا کہ فلاح وکامرانی صرف ایمان والوں کا مقدر ہے، ایسے ایمان والے جو کفر وشرک کی آمیزش سے پاک ایمان خالص کے حامل ہوں، طاغوت سے مجتنب ہوں اور مومنانہ اوصاف سے

متصف ہوں۔ تلاوت شدہ آیات کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل، الفرقان، الحجرات وغیرہ کے حوالے سے صلوٰۃ کی پابندی، مومنانہ نام رکھنے، شکل وصورت، عادات و اطوار، رہن سہن، لباس وتمدن، خوشی وغمی کی تقاریب وغیرہ کے بارے میں مومنوں کی صفات بیان کی گئیں اور بتایا گیا کہ یہ صفات ایمان کے دعوے کا عملی ثبوت ہوتی ہیں، جب تک یہ پیدا نہ ہوں تو ایمان کا دعویٰ محتاج ثبوت رہتا ہے۔

اس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے اور دورے کے ہر مقام کی طرح یہاں بھی مقامی نظم کے ساتھ مشاورت کی۔

عصر کی صلوٰۃ ادا کر کے قافلہ دریا خان کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں چوہدری صاحب نے وہ قطعہ زمین بھی دکھایا جو انہوں نے مسجد توحید کے لیے وقف کر دیا ہے اور جہاں ان شاء اللہ عنقریب مسجد کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔ نزدیک ہی خدا الرحمٰن صاحب کا گھر بھی تھا۔ اہل قافلہ ان کی درخواست پر ان کے گھر بھی گئے۔

عین مغرب کے وقت قافلہ دریا خان کی مسجد توحید پہنچا۔ یہاں محمد گل صاحب نے سورۃ فاطر کی آیات: [illegible] — یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ کے حوالے سے تقریر کی۔ اپنی تقریر میں محمد گل صاحب نے اہل مدارس کی "زرین خدمات" کھول کر بیان کیں اور بتایا کہ کس طرح سے یہ دین ان لوگوں کے ہاتھوں آج اس مقام تک پہنچ گیا ہے۔

تقریر کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے جن کا سلسلہ عشاء کے بعد دوبارہ شروع ہوا۔ امیر تنظیم نے باوجود تھکان اور ضعف کے رات گئے تک سوالوں کے جواب دیے۔ یہاں بھی اسی جہادی تنظیم کے افراد موجود تھے مگر یہاں انہوں نے کوئی انتشار پیدا نہیں کیا اور صرف تحریری سوالات پر ہی اکتفا کر لیا۔ امیر محترم نے وضاحت کے ساتھ جوابات دیے۔

فجر کی صلوٰۃ کے بعد منور سلطان نے سورۃ المومن کے دوسرے رکوع پر درس دیتے ہوئے عذاب قبر کے موضوع پر تقریر کی۔ ناشتے کے بعد قافلہ واپس روانہ ہو گیا۔ راستے میں مظفر گڑھ کے ساتھیوں کے اصرار پر تھرمل پاور کالونی میں پروگرام کیا گیا۔ یہاں کے ریزیڈنٹ انجینئر انور صاحب کے گھر پر نشست ہوئی۔ انور صاحب نے ہمارا لٹریچر پڑھ رکھا ہے مگر طاغوت کے کفر اور اس سے اجتناب کے معاملے میں انہیں کچھ تذبذب تھا۔ امیر تنظیم نے ان کے سامنے طواغیت کے "کارنامے" بیان کیے اور ان کے کفر واجتناب کے بارے میں عائد ہونے والی مومنوں کی ذمہ داری ان پر واضح کی جس پر غور وفکر کی انہوں نے حامی بھری۔ بعد ازاں اہل قافلہ کی پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔

یہاں سے قافلہ ملتان پہنچا۔ بستی کھار کی مسجد توحید میں پروگرام تھا۔ چونکہ ٹرین کی روانگی میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا، اس لیے بہت مختصر پروگرام کیا گیا۔ امیر تنظیم نے حاضرین کے سامنے ایمان کے تقاضے رکھے اور خود کو سنت رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس کے بعد سوالوں کے مختصر جوابات دیے گئے۔ صلوٰۃ العصر سے پہلے مشاورت بھی کی گئی۔ صلوٰۃ کے بعد یہ قافلہ ذکریا ایکسپریس سے واپس کراچی کے لیے روانہ ہو گیا اور ۲۹ اگست کو بخیریت کراچی پہنچ گیا۔

کل پاکستان سالانہ اجتماع ۲۰۰۶ء

ہر سال کی طرح امسال بھی یہ اجتماع ضلع سرگودھا کے علاقے ڈیرہ جدید کی مسجد توحید میں منعقد ہوا اور ہر سال کی طرح گزشتہ سال سے زیادہ ساتھیوں نے اس میں شرکت کی۔ کراچی اور لاہور سے بہت بڑی تعداد میں ساتھیوں نے شرکت کی۔ کراچی سے تقریباً ۱۳۰ ساتھیوں کا قافلہ ۲۳ نومبر کی صبح پیر ایکسپریس سے روانہ ہوا جو پچیس گھنٹے سے زیادہ سفر کرتا ہوا اگلے دن اجتماع گاہ پہنچا جہاں دوسرے علاقوں سے بڑی تعداد میں ساتھی پہلے ہی پہنچے ہوئے تھے۔ ساتھیوں کی تعداد اور وقت کو دیکھتے ہوئے مغرب کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب صاحب سے تقریر کروائی گئی۔

رفعت نواب صاحب نے اپنے ٹھہرے ہوئے مخصوص انداز میں بڑی جامع اور مدلل تقریر کی جس میں سورۃ المائدۃ کی آیت: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ کے حوالے سے یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ دوستی ومحبت کے تعلقات، رشتے وناطے صرف ایمان والوں سے ہونے چاہئیں۔

فجر کی صلوٰۃ کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ توبہ کی آیت یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ .... کے حوالے سے منافقین کے طرز عمل پر درس دیا۔ سورۃ بقرۃ کے دوسرے رکوع کی آیات کی روشنی میں بتایا کہ منافقین کس طرح سے فریب کاری کرتے ہوئے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کس طرح در پردہ ایمان والوں اور ان کی جمعیت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔ لفظ "نفاق" کی لغوی بحث کرتے ہوئے اچھی طرح سے اس کی پہچان کروائی۔ عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کی جماعت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ذاتی اغراض ومفاد کو ترجیح دینا نفاق کا سبب بتایا۔ جنگ تبوک کے پس منظر میں آیات موضوع کی تشریح کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکلنے سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے عذر لنگ اور بیہودہ بہانوں کو بیان کیا۔ مقرر نے بڑے مدلل انداز میں نفاق سے بچنے کا طریقہ بتایا کہ دو عقیدے اگر دل سے قبول کیے جائیں تو پھر یہ مرض پاس نہیں پھٹک سکتا: ایک تو یہ کہ اللہ انسان کے ظاہر وباطن سے بخوبی واقف ہے اور دوسرے یہ کہ اپنے ہر عمل کے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ خشوع وخضوع کے ساتھ صلوٰۃ کی پابندی بھی نفاق سے روکتی ہے کیونکہ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ یہ منافقین پر بہت بھاری ہے اور وہ لوگ اس میں بہت سستی کرتے ہیں۔ نفاق کی تباہ کاریاں بیان کرتے ہوئے سامعین پر خلوص وخشیت اختیار کرنے پر زور دیا۔

پروگرام کے مطابق آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے اجتماع کے افتتاحی کلمات کہنے تھے مگر عین وقت پر ان کی ناسازی طبیعت کی وجہ سے امیر تنظیم نے یہ کلمات ادا فرمائے۔ سورۃ الحج کی آیات ۴۲، ۴۳ کو امیر محترم نے اپنا موضوع خطاب بنایا۔ آپ نے پچھلی امتوں کی بربادی کی وجوہات بیان فرمائیں کہ ان کے عقائد برباد ہو گئے تھے۔ عقائد کی یہ بربادی طواغیت حاضرہ کے ذریعے اس امت میں بھی در آئی ہے۔ طواغیت نے پچھلی امتوں کو جس بد انجامی سے دوچار کرایا، آج یہ بد انجامی اس امت کا مقدر بھی بنا دی گئی ہے۔ طاغوت پرستی نے پچھلی امتوں کو جن عذابات میں مبتلا کرا کر نشان عبرت بنا دیا، آج یہ امت بھی ان عذابات کی مستحق بن گئی ہے۔ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان طواغیت سے یکسر اجتناب کیا جائے اور ان کی پھیلائی ہوئی خرابیوں کا ازالہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ امیر محترم نے اجتماع کی غرض وغایت بیان کی اور اس سے بھرپور استفادے کے لیے شرکائے اجتماع کو ہدایات دیں۔

اس کے بعد قاری خلیل الرحمٰن نے حسب سابق اصول تجوید سکھائے اور آخری

دس سورتوں کی مشق کروائی۔ حاضرین نے توجہ اور شوق سے حصہ لیا۔

اصول تجوید کے پروگرام کے بعد حولدار منیر صاحب کی تقریر تھی۔ آپ کی تقریر کا موضوع تصوف تھا۔ مقرر نے سورۃ الحدید کی آیت: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا کے حوالے سے رہبانیت کا پس منظر بیان کیا اور آیات واحادیث کی روشنی میں اسے خلاف شریعت ثابت کرتے ہوئے اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کی اہمیت کو بیان کیا۔ صوفیاء کے اشعار و اقوال کا حوالہ دیتے ہوئے دین تصوف کو دین اسلام سے متصادم ثابت کیا۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام تھا جس میں بیس بیس منٹ کی چار تقاریر ہوئیں۔ موضوع سورۃ ص کی آیت: إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ تھی جس میں بتایا گیا ہے کہ اہل جہنم ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور اپنے جہنم میں جانے کا سبب دوسرے کا بہکانا قرار دیں گے۔ اس قسم کا مضمون قرآن میں دوسرے کئی مقامات پر بھی آیا ہے۔

اس پروگرام کے تحت پہلی تقریر چونیاں کے ساتھی عبداللہ صاحب نے کی اور بڑی روانی کے ساتھ آیات واحادیث کے حوالے دیتے ہوئے بتایا کہ آج یہ مسلک پرست بڑی عقیدتمندی کے ساتھ اپنے اکابرین کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی جو بھی تشریح وہ کردیں، آنکھ بند کرکے قبول کرلیتے ہیں، ان اکابرین کی مدح وستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں، لیکن جب آخرت میں ان کے سامنے حق واضح ہوجائے گا اور نظروں کے سامنے سے غفلت کا پردہ ہٹ جائے گا تو اپنے انہی اکابرین کے دشمن ہوجائیں گے، ان پر لعنتوں کے ڈونگرے برسائیں گے، انہیں پیروں تلے روندڈالنے کی تمنائیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے التجائیں کریں گے ان ہستیوں کو دگنا عذاب دیا جائے؛ ان کی اس لاتعلقی وبیزاری کو دیکھتے ہوئے ان کے اکابرین خود ان سے برأت ظاہر کریں گے اور انہی کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔

دوسری تقریر آزاد کشمیر کے ساتھی عباس صاحب نے کی۔ ان کی تقریر آیت موضوع سے ہٹ کر تھی۔ تاہم انہوں نے بڑے خوبصورت الفاظ میں مدھم لہجے میں تقریر کی۔ ان کے بعد پشاور کے ساتھی عمرزادہ صاحب نے تقریر کی۔ ان کی تقریر متعدد قرآنی حوالوں سے مزین تھی۔ سلاست وروانی نے ان کی تقریر کو موثر بنادیا تھا۔ انہوں نے سورۃ کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا اور اس کا مختصر خلاصہ بھی۔ ان کی تقریر سب سے زیادہ متاثر کن تھی۔

آخری تقریر منڈی بہاء الدین کے ولایت صاحب نے کی۔ آدھی پنجابی آدھی اردو میں کی گئی بالکل سادہ انداز کی یہ تقریر حاضرین کو بہت پسند آئی۔ ولایت صاحب نے دیگر آیات کے حوالے سے آخرت کے اس جھگڑے کا نقشہ کھینچا جو مسلک پرستوں کے اکابرین اور ان کے مقلدین کے درمیان ہوگا۔

تقاریر کے آخر میں منور سلطان نے ان کا محاکمہ پیش کرتے ہوئے ان کے نقائص ومحاسن کی نشاندہی کی۔ کوتاہیوں کے ازالے سے بہتری پیدا کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے مقررین کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ یہ اجتماعات ہی ہماری تربیت کا موقع فراہم کرتے ہیں ورنہ ہمارے یہاں کوئی مستقل ادارے نہیں ہیں جہاں لوگوں کو تربیت دی جائے۔

حاضرین کی بڑی تعداد کے پیش نظر انتظامی سہولت کی خاطر ظہر سے عصر تک کھانے اور صلوٰتین کا وقفہ تھا۔ عصر کے بعد قاری خلیل الرحمن نے تقریر کی۔ آپ کا موضوع سورۃ التوبہ کی آیات: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ ..... تھا۔

آپ نے ان آیات کی روشنی میں حکم الٰہی بتایا کہ یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بنایا جائے۔ آپ نے اس پر قرآن کے متعدد حوالے دیے اور ثابت کیا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن ایمان والوں کے کبھی دوست نہیں ہوسکتے۔ آپ نے سورۃ المائدۃ اور المجادلۃ کی آیات کے حوالے سے "حزب اللہ" یعنی اللہ کے گروہ میں شامل لوگوں کی صفات کو بیان کیا اور بتایا کہ اس ایمان کی جانچ کی جاتی ہے آزمائشوں کے ذریعے تاکہ اس کے کھرے کھوٹے پن کو پرکھا جاسکے۔ اور جو کھرے نکلتے ہیں وہ اللہ کے گروہ میں شامل ہیں جن کے لیے غلبے اور فلاح کا وعدہ ہے، ایسا وعدہ جو خلاف نہیں ہوسکتا۔

مغرب کے بعد ڈاکٹر عبداللہ نے سورۃ الحدید کی آیات: وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ...... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے انفاق فی سبیل کی اہمیت و فضیلت کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بیان کردہ صفات الٰہیہ کی وضاحت کی اور دیگر قرآنی آیات واحادیث کے ذریعے سے مال کی محبت، دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی ضرورتوں کو بیان کیا۔ آخر میں آپ نے وہ احادیث بیان کیں جن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب پر ان کی تقریر کا اختتام ہوا۔

عشاء کے بعد رات دیر تک امیر محترم نے سوالوں کے جواب دیے۔ سوالات کا سلسلہ رکنے میں نہ آتا تھا اور سفر کی تکان، طول طویل مشاورتوں اور مسلسل مصروفیت نے امیر محترم کو جو طویل بخار سے صحت یاب ہوکر اسی ضعف میں آگئے تھے، کافی تھکا دیا تھا اس لیے اس سلسلے کو موقوف کرنا پڑا۔

فجر کے بعد امیر پنجاب حکیم محمد رمضان نے سورۃ آل عمران کی آیات: وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ..... پر درس دیا۔ اپنے اس پر مغز اور انتہائی معلوماتی درس میں حکیم صاحب نے اللہ کے دین کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لیے کیے جانے والے جہاد کو بیان کیا۔ اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کی دعوتی کوششوں کو بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ اس عظیم مشن میں آنے والی مشکلات وآزمائش کے ذکر میں ہجرت مدینہ، بدرواحد، احزاب وحنین کے غزوات کی مثالیں پیش کی گئیں۔ حق کے اوپر استقامت میں آل یاسر، بلال وخباب ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو ایذائیں دی گئیں، ان کا بھی ذکر کیا گیا۔ مثالیں دے کر صحابہ کرام کے شوق شہادت اور جذبہ جہاد کو بھی بیان کیا گیا۔

ناشتے کے وقفے کے بعد قاری خلیل الرحمن نے سورۃ یوسف کی آیت: قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ اور سورۃ توبہ کی آیت: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ .... کے حوالے سے دین سیکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اصول تجوید کے اسباق کا اعادہ کیا اور سورۃ الفاتحہ کی مشق کروائی۔

اس کے بعد محمدی گل صاحب نے تقریر کی جس کا موضوع احبار ورہبان کی مال خوری اور لوگوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سورۃ الاعراف کی آیات: ...... إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ کی روشنی میں آپ نے بتایا کہ یہ مولوی اور پیر کس طرح مال کے بھوکے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ لوگ انہیں "مولانا، مولانا" پکارتے رہتے ہیں اور یہ اپنے عمل سے "مال لانا، مال لانا" ثابت کرتے ہیں۔ آپ نے دین کو برباد کرنے میں ان مولویوں اور پیروں کے کردار کو اچھی طرح اجاگر کیا!

دین کی خدمت کرنے کے ان کے دعووں کی حقیقت کو واضح کیا۔ ساتھ ہی دنیا کی آسائشوں اور اس کی رنگینی پر ریجھنے والوں کو آخرت کی یاد دلائی۔ دنیا کے امتحان اور آخرت کی جوابدہی کا احساس دلایا اور روح قبض ہونے سے پہلے توبہ قبول ہونے کا ذکر کرتے ہوئے زور دیا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے ہی اپنی اصلاح کر لی جائے ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

اس کے بعد منور سلطان نے تقریر کی جس کا موضوع کتاب اللہ میں تحریف تھی۔ سورۃ النساء کی آیت: مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ ...... کے حوالے سے مقرر نے یہودیوں کی چیرہ دستیوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ کس طرح وہ لوگ اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان کی اتباع میں اس امت کے احبار و رھبان مولوی اور پیر بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ چونکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ نے خود لے رکھا ہے لہذا لفظی تحریف تو ممکن نہیں لیکن معنوی تحریف بے تحاشا کی گئی ہے۔ مقرر نے مثالیں دے کر ثابت کیا کہ کسطرح سماع موتیٰ، عود روح، حیات انبیاء و شہداء، غیر اللہ سے استمداد و توسل، شفاعت، حاضر و ناظر، علم غیب، نور و بشر، ختم نبوت، ولایت وغیرہ سے متعلق آیات میں تحریف کر کے قرآن و حدیث کے موقف سے ہٹ کر اپنے من پسند معنی کشید کر کے کفریہ شرکیہ عقائد اس امت کے اندر پھیلائے گئے ہیں۔ وقت کی کمی کے سبب وہ اپنی تقریر کو مکمل نہ کر سکے ورنہ تقریباً دو درجن مثالیں انہوں نے ایسی جمع کی ہوئی تھیں جن میں مسلک پرستوں نے تحریف کر رکھی ہے۔

مختصر وقفے کے بعد آزاد کشمیر کے ساتھی عتیق الرحمن صاحب نے سورۃ ممتحنہ کی آیت: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے طاغوت سے اجتناب پر زور دیا اور اس سلسلے میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت، آزمائشوں، استقامت، وغیرہ کو بیان کیا۔ مختلف آیات کے حوالے دے کر اسوہ ابراہیمی کو پیش کیا کہ کس طرح انہوں نے قوم کی کفریہ شرکیہ روش سے برات و بیزاری ظاہر کی اور ان کے معبودان باطلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان پجاریوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہ اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں، تمہیں کیا دے سکتے ہیں۔ لاتعلقی کا یہ انداز اللہ کو کس قدر پسند آیا کہ رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے اس کو نمونہ بنا دیا۔

اجتماع کے آخر میں امیر محترم نے پورے اجتماع کا محاکمہ کرتے ہوئے اختتامی کلمات ادا فرمائے۔ آپ نے سورۃ ابراہیم کی آیت: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ کے حوالے سے تقریر کی اور کفر بالطاغوت پر زور دیا اور بتایا کہ اس امت کا سب سے بڑا طاغوت احمد بن حنبل تھا جس نے سب سے پہلے اس امت میں یہ عقیدہ دیا کہ مردے کی روح لوٹ آتی ہے، جو کہ قرآن کا صریح انکار ہے۔ آپ نے بتایا کہ یہ کفریہ عقیدہ خشت اول ثابت ہوا اور اس پر تعمیر کی جانے والی عقائد کی پوری عمارت ٹیڑھی ہی اٹھی جس کا نتیجہ آج ان مسلک پرستوں کے ہاتھوں کفر و شرک کی گرم بازاری ہے اور انہیں اس کے باطل ہونے کا احساس تک نہیں ہے۔ امیر محترم نے اسوۂ ابراہیمی کو بطور نمونہ پیش کیا کہ مشرک قوم کے شرکیہ معاملات سے پوری طرح بیزاری ہو اور دین توحید پر پوری طرح ثابت قدمی ہو جو دم آخر تک برقرار رہے اور اس میں کسی قسم کا ضعف نہ آ سکے، شکوک و شبہات کی آندھیاں بھی ہمارے پایہ استقامت میں کوئی جنبش نہ لا سکیں۔ آپ نے شرکاء اجتماع سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر جا کر اجتماع کی دعوت کو چلائیں، طاغوت پرستوں کے رسم و رواج، انداز رہن سہن اور طور طریقوں سے قطعاً مجتنب ہو کر اپنی زندگی سنت رسول ﷺ کے مطابق گزاریں اور دوسروں کے لیے نمونہ بن جائیں۔ اجتماع کے منتظمین اور میزبانوں کے لیے دعائیہ کلمات کہتے ہوئے آپ نے اپنی تقریر ختم کی۔

بحیثیت مجموعی، یہ اجتماع رد طاغوت کا عنوان رہا۔ مقررین نے کھل کر طاغوت کی نشاندہی کی اور ان کے کفر اور ان سے اجتناب پر زور دیا۔ حاضرین نے بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ انہیں سنا اور بڑی تعداد میں ان کی کیسٹیں اور سی ڈیز حاصل کیں جو لاہور اور سرگودھا کے ساتھی بڑی تندہی کے ساتھ تیار کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے طلبہ ۲۰۰۷ء

یہ اجتماع ہر سال ناظمین کے اجتماع سے منسلک طور پر مختلف شہروں میں منعقد کیا جاتا ہے جس میں پورے ملک سے طلبہ و نوجوان شرکت کرتے ہیں۔ اس مرتبہ یہ اجتماع کراچی کے علاقے گلستان جوہر کی مسجد توحید میں ہوا جس میں بڑی تعداد میں نوجوانوں نے شرکت کی جو جمعہ کی شام ہی اجتماع گاہ پہنچ گئے تھے جبکہ لاہور سے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد کئی دن پہلے ہی پہنچ گئی تھی جنہوں نے اجتماع کے آغاز تک کراچی شہر کی مختلف مساجد و مراکز کا دورہ کیا اور ساتھیوں سے ملاقات کی۔

اس اجتماع کے باقاعدہ آغاز سے پہلے حسب معمول صلوٰۃ الفجر کے بعد درس قرآن ہوا جو لاہور کے ساتھی معراج الدین صاحب نے دیا۔ آپ کی تقریر کا موضوع تھا "تخلیق انسانی کا مقصد" جسے آپ نے سورۃ الذاریات کی آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کی روشنی میں واضح کیا اور متعدد قرآنی حوالوں کے ذریعے حاضرین کو بتایا کہ انسان صرف اپنے رب کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے؛ اگر یہ انسان اللہ کے بجائے اپنے نفس کی بندگی میں لگ جائے، اس کو الٰہ بنا کر اس کو خوش کرنا اس کا مقصد حیات ہو جائے، یا پھر دوسرے بندوں کی بندگی شروع کر دے، قبروں، مزاروں کی پرستش ہونے لگے، الٰہ واحد کے بجائے بے اختیار مُردوں کو داتا، دستگیر، حاجت روا اور مشکل کشا مانا جائے، خود تراشیدہ بتوں کی طرح اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے تعویذ گنڈوں، کڑوں چھلوں، نقشوں نگینوں کو نفع و نقصان کا مالک سمجھا جانے لگے تو پھر یہ اشرف المخلوق انسان اپنے مقصد تخلیق سے دور ہو کر اسفل السافلین بن جاتا ہے اور اس کی مثال چوپایوں کی سی ہو جاتی ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ مقرر نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ عقیدۂ توحید کے لوازم بیان کیے اور شرک کی بدانجامی کو بھی کھول کر بیان کیا۔

اشراق اور ناشتے کے وقفے کے بعد کراچی کے کیپٹن فرید الزماں صاحب نے اجتماع کے افتتاحی کلمات ادا کیے اور اجتماع کی غرض و غایت کو بیان کیا؛ اجتماع سے پوری طرح مستفید ہونے کے لیے حاضرین کو توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اجتماع میں شرکت کرنے سے متعلق کچھ ہدایات دیں۔

اس کے بعد کبیر والہ کے (مقیم کراچی) شبیر عبداللہ نے ساتھیوں کو اصول تجوید بتائے اور مختلف سورتوں کی تلاوت کروا کر قرأت قرآن کی مشق کروائی۔

بعد ازاں تحریری امتحان کا پروگرام تھا جس کا موضوع عذاب قبر تھا۔ اس کے لیے حبل اللہ ۲۲ اور ۲۳ میں چھپنے والے عذاب قبر سے متعلق مضامین کو منتخب کیا گیا تھا۔ نوجوان ساتھیوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا۔ دوران امتحان دیگر ساتھیوں کے لیے دعوت الی اللہ کی مشقی تقاریر کروائی گئیں۔ ان پروگراموں کے

نگراں لاہور کے وسیم اکرم اور قصور کے محمد جاوید تھے۔ ساتھیوں کی دلچسپی کے لیے یہ تقاریر علاقائی زبانوں میں بھی کروائی گئیں تاکہ ساتھیوں کو اپنی زبان میں دعوت دینا آجائے۔

ایک مختصر وقفے کے بعد باجماعت پنج وقتہ صلوٰۃ کی اہمیت پر زور دینے کے لیے درس قرآن تھا۔ پروگرام کے مطابق کئی گڑھی صوبہ سرحد کے نور اللہ صاحب کو یہ پروگرام کرنا تھا مگر وہ بوجوہ شرکت نہ کرسکے۔ ان کی جگہ منور سلطان نے یہ درس دیا اور آیت موضوع: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا کے حوالے سے صلوٰۃ کی اہمیت کو اجاگر کیا اور متعدد قرآنی آیات واحادیث کی روشنی میں حاضرین کو بتایا کہ صلوٰۃ صرف مومنوں پر فرض ہے اور مومنوں کے پیچھے ہی ادا کی جاسکتی ہے۔ صلوٰۃ کو پورے خشوع وخضوع اور علم وشعور کے ساتھ وقت پر ادا کرنا ایمان والوں کی صفت ہے۔ اور جو لوگ اپنی صلوٰت سے غافل ہیں، بے وقت پڑھتے ہیں، اس کا علم نہیں رکھتے، مشرک مسلک پرستوں کے پیچھے پڑھ کر اجر ضائع کردیتے ہیں، یا دکھاوے اور نمائش کے لیے پڑھتے ہیں تو ان کے لیے بربادی ہے۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام تھا جس کا موضوع استقامت دین پر ملنے والی کامیابی تھا۔ ہر صوبے سے ایک مقرر نے سورہ آل عمران کی آیت: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ....الخ پر اپنے مطالعہ قرآن کو بیان کیا اور متعلقہ آیات واحادیث کی روشنی میں بتایا کہ ایمان خالص پر جم جانے والوں ہی کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کی بشارت ہے۔

صلوٰۃ الظہر اور طعام کے وقفے کے بعد سوال وجواب کا مقابلہ تھا جس کے لیے حبل اللہ ۲۲ کا مضمون "منارۃ البیضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک" منتخب کیا گیا تھا جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہودیوں کے عزائم خاک میں ملادیے اور وہ انہیں نہ تو قتل ہی کرسکے اور نہ صلیب پر چڑھاسکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف زندہ اٹھالیا اور قرب قیامت کانے دجال کو مارنے کے لیے وہ دنیا میں سفید مینار واقع دمشق میں نزول فرمائیں گے اور ان کی موت سے متعلق قادیانیوں اور منکرین حدیث کا عقیدہ سراسر باطل ہے اور کشمیر میں واقع ان کے مزعومہ مزار عیسیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں کہ آپ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں بلکہ یہ عیسیٰ خان نامی کسی مقامی باشندے کا ہوسکتا ہے۔ ساتھی ماشاءاللہ خوب تیاری کرکے آئے ہوئے تھے جس کا اندازہ ملنے والے جوابات سے ہورہا تھا۔ اس پروگرام کے نگراں کراچی کے خالد عزیز اور عبداللہ عمر تھے۔

چائے اور عصر کے وقفے سے پہلے فیصل آباد کے ساتھی رفعت نواب صاحب کی اسلامی تحریک میں نوجوانوں کے کردار سے متعلق تقریر تھی۔ آپ نے سورۂ کہف کی آیت: إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى کے پس منظر میں نوجوان اصحاب کہف کے جذبۂ ایمانی، ان کی استقامت، حفاظت ایمان کے لیے ان کی قربانیوں کو بیان کرتے ہوئے نوجوان ساتھیوں کے جذبات کو مہمیز کیا اور ان پر زور دیا کہ وہ ایمان خالص پر مضبوطی سے جم جائیں اور تمام آزمائشوں کو ثابت قدمی واستقامت کے ساتھ انگیز کریں، ایمان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوجائیں، اپنے اندر مومنانہ اوصاف پیدا کرکے اسوہ حسنہ کا جیتا جاگتا نمونہ بن کر دوسروں کے لیے مثال قائم کردیں۔

وقفے کے بعد ناظم طلبہ کیپٹن ارشد صاحب نے اجتماع کے اختتامی کلمات ادا کیے اور حاضرین پر زور دیا کہ اجتماع میں جو کچھ بتایا گیا اس پر غور وفکر کریں اور ان معروضات پر عمل کریں کہ اسی تربیت کے مقصد کے تحت یہ اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں ورنہ اگر تربیت نہ ہو تو پھر نشستند گفتند برخاستند یعنی بیٹھے، بولے اور چلے گئے والا معاملہ ہوگا۔ آپ نے حاضرین سے التماس کیا کہ وہ یہ عزم لے کر یہاں سے واپس جائیں کہ جو کچھ یہاں سنا ہے دوسروں تک پہنچائیں گے اور خود کو عملی نمونہ بنا کر رہیں گے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین ۲۰۰۷ء

ملکی سطح کا یہ سالانہ اجتماع ۲۶، ۲۷ مارچ ۲۰۰۷ء کو مسجد توحید، گلستان جوہر، کراچی میں منعقد ہوا جس میں ملک کے طول وعرض سے ناظمین اور ان کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اجتماع کے انتظامات بہترین رہے۔ مختلف امور کے لیے ساتھیوں کی ٹیمیں بنادی گئی تھیں جنہوں نے بڑی تندہی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تین روز تک اپنے فرائض انجام دیے۔ تمام شرکاء اجتماع کا ایک ڈیٹا بیس تیار کیا گیا تھا اور انہیں کمپیوٹر سے پرنٹ کرکے مخصوص رنگوں کے خصوصی کارڈ جاری کیے گئے تھے جو انہوں نے اپنے سینوں پر آویزاں کیے ہوئے تھے، جس کے بغیر کسی کو شرکت کی اجازت نہ تھی۔ کمپیوٹر پر ڈیٹا بیس بنانے والی جماعت سے حاضرین کی تعداد کسی بھی وقت معلوم کی جاسکتی تھی جس سے طعام کا انتظام کرنے والوں کو بہت سہولت ہوتی اور وہ بقدر ضرورت ہی طعام تیار کرواتے۔ کسی بھی شریک اجتماع کو بلا کسی ضرورت کے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ان اقدامات سے اجتماع میں نظم وضبط مثالی رہا۔ کھانے وغیرہ میں کسی طرح کی بدنظمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ان انتظامات کو امیر تنظیم اور دیگر امراء ونظماء نے سراہا اور سرگودھا کے سالانہ اجتماع عام کے لیے بھی ایسے انتظامات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

اجتماع کی پہلی تقریر محمد گل صاحب کی تھی۔ آپ نے فجر کے بعد سورہ آل عمران کی آیت: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ....الخ کے حوالے سے "تنظیم کے قیام کا بنیادی مقصد، اہمیت اور تقاضے" کے عنوان پر درس دیا۔ سورۃ کے مضامین کا احاطہ کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ اس امت کو خیر امت کا لقب اس وجہ سے ملا کہ اس نے ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اس کا حق ادا کردیا، دوسروں کی بھی فکر کی اور انہیں بھی ایمان کو شرک وکفر کی ملاوٹ سے پاک کرنے کی دعوت دی، انہیں بندوں کے بجائے اللہ کی طرف بلایا جسے اللہ نے بہترین کام قرار دیا۔ پچھلی امتوں میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی کام کرتے رہے۔ لیکن انبیاء کے وارث ہونے کا دعویٰ کرنے والا یہ فرقہ ومسلک پرست مولوی اس منصب سے محروم ہوگیا، اس سے خیر امت کا لقب چھن گیا کیونکہ یہ کلمہ کا اقرار کرنے کے باوجود مشرک بن گیا، اس نے الہٰ واحد کے ساتھ ساتھ دوسرے ڈھیروں الٰہ بنالیے، معمولی معمولی چیزوں کو اللہ کے برابر کردیا، اس نے لوگوں کو اللہ کے بجائے مردہ صوفیوں کی طرف بلانا شروع کردیا، اللہ کے بندوں کو اللہ سے دور کردیا۔ اسی تناظر میں آپ نے مرتدین کا بھی مختصراً ذکر فرمایا کہ کس طرح امیر تنظیم کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرکے دوسروں کو ورغلاتے ہیں۔ آپ نے مثالیں دے کر بڑی وضاحت کے ساتھ مرتدین کے اس جھوٹے الزام کو رد کیا کہ تنظیم اپنی راہ سے ہٹ گئی، اور ثابت کیا تنظیم کے امیر ومامورین سب اسی راہ پر ہیں جس طرح وہ روز اول تھے، ان کا کچھ بھی نہیں بدلا البتہ تنظیم کو چھوڑ کر جانے والوں کا سب کچھ بدل گیا۔ ایمان کو

سمجھنے کے بعد ایمان کی قدر نہ کی، علم آجانے کے بعد محض بڑائی کے زعم میں حق کی مخالفت شروع کردی اور حق پرستوں کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوگئے؛ شیطان کے وار سے گھائل ہوکر شیطان کے آلۂ کار بن گئے اور اب ان کا مشن مومنوں کی اجتماعیت میں دراڑیں ڈالنا بن گیا؛ جب تک ایمان والوں کے ساتھ تھے تو معیار کچھ اور تھا اور اب ان کا ساتھ چھوڑا تو معیار بھی بدل گیا؛ ہر طرح کی حدود وقیود سے آزادی حاصل ہوگئی، اب جو چاہیں کریں، سیاہ سفید ہوگیا، سفید سیاہ، اندھیرا اجالا اور اجالا اندھیرا؛ کتنی ایسی مثالیں ہیں جو گنوائی جاسکتی ہیں کہ علیحدگی کا مقصد صرف ذاتی اغراض کا حصول تھا ورنہ اگر خلوص ہوتا تو اتنا تو نہ کرتے، پیچھے رہ کر بھی کام کیا جاسکتا تھا اور خود پر لگنے والے دھبے دھونے کی کوشش کی جاتی؛ مگر یہ کیا کہ ان دھبوں میں اضافہ کرتے کرتے مکمل روسیاہی اختیار کرلی۔ ایسے بدنصیب سیاہ چہروں والوں سے کہا جائے گا: أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ...... ''کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ پس چکھو مزہ اس انکارِ حق کا۔'' اس لیے ایمان کی قدر کریں، اس دولت کی حفاظت کریں، انانیت ونفس پرستی سے پاک بے غرضی وبے لوثی اختیار کریں؛ کبر ونخوت، غرور وتکبر، بڑائی کا گھمنڈ، علمیت کا بھرم، کچھ جاننے کا زعم، منصب کی ہوس، جاہ وحشمت کی خواہش، مال کی حریصانہ طلب، یہ ایسے عوامل ہیں جو اس خیرِ امت کے منصب سے نااہل بنادیتے ہیں۔ اللہ پناہ عطا فرمائے۔

ساتھیوں نے اس تقریر کو بے حد پسند کیا اور پنجاب کے متعدد ناظمین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ باتیں ہمیں پہلے کیوں نہ بتائی گئیں ورنہ ہم مرتدین سے اچھی طرح نمٹ لیتے۔

ناشتے اور اشراق کے بعد آزاد کشمیر کے امیر آزاد خان صاحب نے اجتماع کے ابتدائی کلمات ادا فرمائے۔ آپ نے سورہ آل عمران کی آیات: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ تلاوت کرتے ہوئے عمرؓ کے حالاتِ زندگی کے بیان سے آغاز کلام کیا؛ بتایا کہ امت کے شیخین ابوبکر وعمرؓ آخرت کی جوابدہی کے خوف سے کانپتے تھے۔ اللہ کی ناراضگی کا خوف معصیت سے روکتا ہے، یہ خوف اگر دلوں سے نکل جائے تو پھر آدمی نافرمانی کی روش پر نڈر وبے باک ہوکر دوڑنے لگتا ہے۔ یہ بے خوفی انسان کی زندگی کو بے قیمت بنادیتی ہے۔ اس لیے پوری طرح سے سوچ سمجھ کر فکرمندی کے ساتھ، اہل کتاب کی زندگیوں سے سبق لے کر، مومنوں کو اپنی زندگی میں نکھار پیدا کرنا ہے۔ مومن اپنی چال سے پہچانا جاتا ہے۔ ایمان کے معاملے میں کسی مداہنت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ نے حکم دیا کہ دیکھو وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ: تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں اللہ کے فرمانبردار ہو۔ اور اللہ کا فرمانبردار رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ کا خوف ہو، تقویٰ ہو۔ بیماری کا علاج تجویز کردیا گیا کہ ڈرتے رہو۔ جب یہ ڈر نکل جائے تو پھر آزادی مل جاتی ہے۔ بتایا کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا یعنی متحد ومتفق ہوکر حبل اللہ سے معتصم رہو اور اپنی جمعیت میں افتراق وانتشار نہ آنے دو، باہمی طور سے گروہوں میں تقسیم نہ ہوجاؤ کہ جب انسان راستے سے ہٹتا ہے تو فتنے فساد کا شکار ہوجاتا ہے جیسے مرتدین ہوگئے کہ پہلے اس جماعت کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار تھے آج اسے توڑنے میں لگے ہوئے ہیں، مومنوں کی جماعت اور ان کے امیر سے علیحدگی اختیار کرکے ہر طرح کی آزادی حاصل کرلی ہے، ان کے کل کے اور آج کے طرزِ عمل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کی فتنہ آرائیوں سے بچنے اور اس تحریک کے ساتھ اجتماعیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے امیر پر مکمل اعتماد ہو۔ تنظیم الحمدللہ پوری آب وتاب کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور یہ شیطان اور اس کے ہمنواؤں کے لیے باعثِ اضطراب ہے، لہٰذا يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یہ تو یہی چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نورِ ہدایت کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔ ہمیں اللہ سے ڈرتے ہوئے شیطان اور نفس کے فتنوں کا شکار ہونے سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا ہے اور اسی میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔

اس کے بعد امیر تنظیم نے ساتھیوں کے سامنے ان دونوں تقاریر پر اظہارِ خیال کیا۔ سورہ آل عمران کی آیت: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ پڑھ کر حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں بتایا کہ دنیا پرست دنیا کمانے کو کامیابی سمجھتے ہیں جبکہ ہمارے لیے تو ایمان نصیب ہوجانا بہت بڑی کامیابی ہے۔ ایمان کا مسئلہ تمام مسائل پر حاوی ہے۔ یہ ایمان کی دعوت ہی تو تھی جس نے پورے عرب میں ایک آگ سی لگادی تھی۔ ایمان کی برکت سے ٹوٹے دل جڑ گئے، دشمن بھائی بھائی بن گئے۔ اسی چیز کو ہم نے بھی سامنے رکھنا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے معاشرتی بگاڑ کے آگے بند باندھنا ہے۔ خیرِ امت بننے کے لیے برابر سرگرم رہنا ہے جس کے لیے اعتصام بحبل اللہ کو لازم وملزوم کرنا پڑے گا۔ اپنی تربیت کرکے نفس کا تزکیہ کرنا ہوگا۔ تن آسانی نہیں اختیار کرنی ہوگی بلکہ کمر کسنی پڑے گی۔ اختلافات سے دور رہنا پڑے گا۔ یہ اختلافات بڑے ہلاکت خیز ہوتے ہیں۔ اختلافات کو نظریات کا رنگ دے کر راہِ حق سے دوری اختیار کرلی جاتی ہے اور پھر انجام کار اپنے لیے عذاب تیار کیا جاتا ہے۔ انسانی شکلیں سب ایک جیسی ہیں لیکن آخرت میں کچھ چہرے سیاہ اور کچھ روشن سفید ہوں گے۔ کالے منہ والے ایمان کے ناقدرے بدقسمت ہوں گے، انہوں نے سوچ سمجھ کر شعوری طور سے دعوت قبول نہیں کی ہوگی اس لیے راہِ حق سے جدا ہوگئے۔ جبکہ روشن چہروں والے ایمان کے قدرداں اور اس کے تقاضے پورے کرنے والے خوش قسمت لوگ ہوں گے۔ امیر محترم نے سورہ قیامہ کا بھی حوالہ دیا کہ: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ ...... یعنی کچھ لوگ اس روز تروتازہ ورونق والے چہروں کے ساتھ اپنے رب کا دیدار کررہے ہوں گے اور کچھ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی اور کسی عذاب ومصیبت کی فکر میں غلطاں ہوں گے۔ ان دو انجاموں میں سے بہرحال ایک انجام ہونا ہے۔ بدانجامی سے بچنے کا علاج اعتصام بحبل اللہ ہے۔ اللہ کے رسولوں نے تو اس کا حق ادا کرکے دکھادیا۔ اب ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے، انجام کی فکر کرنی ہے۔ کوئی لمحہ اور لحظہ بے فکری میں نہ گزرے۔ ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہے کہ آخرت میں کیا ہوگا۔ مومن کی زندگی آزاد نہیں بلکہ حدود وقیود کی پابند ہے۔ اسی قید میں ہمیشہ کی آزادی ہے۔ ساتھیوں نے بڑی توجہ اور دھیان سے امیر تنظیم کی ان فکرانگیز معروضات کو گوش گزار کیا۔

اس کے بعد قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے اصول تجوید بیان کیے اور حسبِ معمول مثالوں کے ذریعے مخارج وقواعد کی مشق کروائی۔

پروگرام کے مطابق اگلی تقریر ڈاکٹر عبداللہ نے کرنی تھی مگر وہ کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے۔ ان کی جگہ کراچی کے خالد عزیز صاحب نے یہ تقریر کی جس کا موضوع فکرِ آخرت تھا۔ آپ نے سورۃ المومنون کی آیت موضوع حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۔۔۔۔الخ کی تلاوت کر کے اپنے کلام کا آغاز کیا اور بطور تمہید اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے حوالے سے فلاح یاب ہونے والے مومنوں کی صفات بیان کیں۔ متعدد قرآنی حوالوں سے مقرر نے آخرت سے متعلق مشرکین کے تصورات بیان کیے: آپ نے بتایا کہ مشرکین تو آخرت کے صاف صاف انکاری تھے کہ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ بس یہ دنیا ہی کی زندگی ہے جس میں ہم جیتے مرتے ہیں ورنہ ہم نے دوبارہ زندہ نہیں ہونا؛ جبکہ یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ چونکہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم اللہ کے چہیتے ہیں اس لیے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ہمیں تو جہنم کی آگ چھوئے گی ہی نہیں مگر یہی معدودے چند روز؛ اور نصاریٰ اس زعم میں مبتلا تھے کہ مسیح ان کے گناہوں کو لے کر صلیب پر چڑھ گئے اور اب لوگوں سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ مقرر نے کتاب اللہ کی روشنی میں ان باطل تصورات کا رد کیا اور اسلام کے پیش کردہ تصورِ آخرت کو شرح و بسط کے ساتھ سامعین کے سامنے پیش کیا۔

مختصر وقفے کے بعد فہم القرآن کا پروگرام تھا جس کے نگران سرگودھا کے ماسٹر عبدالعزیز اور کراچی کے منور سلطان تھے۔ اس پروگرام میں سکھر کے اسماعیل (دوا خان)، شمالی علاقہ جات کے انجم اقبال، فیصل آباد کے شہباز ارشد، لاہور کے وسیم اکرم اور ڈیرہ اسماعیل خان کے محمد اقبال نے عذاب قبر کے موضوع پر سورۃ المومنون کی آیت: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔۔۔۔۔۔۔الخ کے حوالے سے اپنا حاصل مطالعہ سامعین کے سامنے پیش کیا۔ مقررین نے قرآن وحدیث کے حوالے دیتے ہوئے احمد بن حنبل کے عودِ روح کے باطل عقیدے کا رد کیا اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ روح قیامت سے پہلے نہیں لوٹتی؛ اس کے قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹنے کا عقیدہ قرآن کا کفر ہے؛ قیامت سے قبل روح کا لوٹنا ناممکن ہے، مردے پر عذاب و راحت کے مراحل عالمِ برزخ میں گزرتے ہیں، نہ کہ دنیاوی قبر میں جو کہ سب کو مل بھی نہیں پاتی کہ کچھ مردے گل سڑ جاتے ہیں، کچھ جل کر خاک ہو جاتے ہیں، کچھ کو درندے کھا لیتے ہیں اور کچھ دوسرے طریقوں سے تلف ہو جاتے ہیں؛ مگر ان سب مُردوں کو عالمِ برزخ میں ایک قبر دی جاتی ہے جہاں عذاب و راحت کا معاملہ پیش آتا ہے؛ بے جان مردے سماعت سمیت ہر حس سے خالی ہوتے ہیں؛ سماعِ موتیٰ کا عقیدہ قبر پرستی کی بنیاد ہے۔ تقاریر کے آخر میں منور سلطان نے ان کا محاکمہ پیش کیا۔

طعام و ظہر کے وقفے کے بعد آزاد کشمیر کے ساتھی عتیق الرحمٰن صاحب نے سورۃ النساء کی آیت: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے حوالے سے فتنہ انکارِ حدیث کے موضوع پر تقریر کی۔ قرآن کی متعلقہ آیات پیش کر کے آپ نے بتایا کہ اطاعت ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی اطاعت؛ اس کے رسول ﷺ اور اہلِ امر کی اطاعت بھی اسی ایک اطاعت کے ذیل میں ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو دین کی تشریح اور تبیینِ احکامات کے لیے بھیجا تھا اور وحی کے ذریعے ان کی رہنمائی اور مدد فرمائی تھی۔ مقرر نے مثالوں کے ذریعے وحی متلو اور غیر متلو کا فرق اور ان کی حجیت کو بیان کیا۔ نبی اپنے جی سے کوئی بات نہیں بیان کرتا بلکہ وحی کے ذریعے آنے والے حکمِ الٰہی کی روشنی میں کلام کیا جاتا ہے۔ نبی کے فیصلے کو خوشدلی سے قبول کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور اس فیصلے کو نہ ماننا ایمان کی نفی ہے۔ اور یہ فیصلے احادیث کی شکل میں ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔ نبی کی اطاعت فرض ہے۔ جس معاشرے میں انکارِ حدیث کا فتنہ پیدا ہو جائے، وہاں بے راہ روی اور نفس پرستی پروان چڑھتی ہے۔ لہٰذا اس فتنے سے خبردار رہا جائے اور اس کی بیخ کنی کے لیے پوری کوشش کی جائے جو قادیانی سازشوں کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد کراچی کے عبدالغفار صاحب نے عربی تعلیم کا پروگرام کیا۔ آپ نے بورڈ پر لکھ کر عربی قواعد کی مشق کروائی۔

چائے اور عصر کے وقفے کے بعد چکلالہ راولپنڈی کے قاری خلیل الرحمٰن نے سورۃ یٰسٓ کی آیت: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ کے حوالے سے جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب، شدائد و مصائب کی تفصیل بیان کی۔ آپ کی تقریر بڑی مدلل تھی۔ متعدد قرآنی حوالوں کے ذریعے آپ نے ان تفصیلات کا ایک نقشہ سا کھینچ دیا۔ حاضرین نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور بڑے انہماک اور توجہ سے سنا۔

مغرب کے بعد عبدالغفار صاحب کی تقریر تھی جس کا موضوع سورۃ الرعد کی آیت: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔۔۔الخ کے حوالے سے مومنوں کا منصب، ان کے اوصاف اور اخلاق و آداب تھا۔ آپ نے سورہ کی وجہ تسمیہ اور اس کے مضامین بیان کیے اور دیگر آیاتِ قرآنی کے حوالے سے ان اوصاف کا ذکر کیا جن کا ایمانِ خالص متقاضی ہے۔ مومنوں کی ذمہ داریوں کو بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا۔ بتایا گیا کہ ایمانِ خالص قبول کرنے کے بعد ایک مومن کی دلی آرزو اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے راہِ حق میں جان دے کر شہادت حاصل کرنا ہوتی ہے نہ کہ ہنود و یہود کے تمدن و تہذیب کی نقالی کرتے ہوئے دنیا کی دلفریبیوں اور رنگینیوں پر مرمٹنا۔

طعام اور عشاء کے وقفے کے بعد پروگرام دوبارہ شروع ہوا جس میں امیر تنظیم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک حاضرین کے سوالوں کے تفصیلی و مدلل جواب دیے۔ پروگرام کے مختلف وقفوں کے دوران ہی مشاورت بھی کر لی گئی۔

اگلے دن کے پروگرام کا آغاز فجر کے بعد حکیم رمضان کے درسِ قرآن سے ہوا جس کا موضوع سورۃ الشعراء کی آیت: هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ کے حوالے سے سماعِ موتیٰ کا رد تھا۔ حکیم صاحب نے بڑی مدلل اور بسیط تقریر کی اور مردوں کے سننے سے متعلق عقیدے کا رد کیا۔ تمہید میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو بنیاد بنایا کہ کس طرح آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو الٰہ واحد کی بندگی کی دعوت دی۔ موضوع کو وسعت دیتے ہوئے حکیم صاحب نے شیطان کی بھی وضاحت کی وہ کس طرح سچے بندوں کو گمراہ کرتا ہے۔ بنی آدم کو گمراہ کرنے کا ابلیسی عہد بیان کیا گیا اور بتایا گیا کہ جو ابلیس کی بات مانے گا وہ ابلیس کی بندگی کرے گا، اور وہ اسے گمراہی کے راستے پر دوڑا کر عذابِ الٰہی سے دوچار کرا دے گا۔ توحید کا معیار یہ نہیں کہ جو جی میں آئے کیا جائے، اپنی مرضی چلائی جائے بلکہ جس طرح مالک چاہتا ہے، اس کی خوشنودی چاہی جائے۔ مالک اپنے بندوں کا خیر خواہ ہے۔ وہ طرح طرح سے مثالیں دے کر انہیں سمجھاتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا گیا کہ جس طرح ایک اندھا اور بینا، اندھیرا اور اجالا، سایہ اور دھوپ، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک مردہ انسان اور جیتے جاگتے کی سماعت بھی ایک جیسی نہیں ہو سکتی؛ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مرنے سے پہلے سننے والا مرنے کے بعد بھی سننے لگے۔ حکیم صاحب نے واضح دلائل کے ساتھ سماعِ موتیٰ کے کفریہ عقیدے کا رد کیا۔

اشراق اور ناشتے کے وقفے کے بعد کراچی کے ساتھی منور سلطان نے اس موضوع پر تقریر کی کہ کیا عید میلاد النبی ﷺ منانا ہی حبِ رسول کا معیار ہے؟ مقرر نے بتایا کہ رسول سے محبت ایمان کا جزوِ لازم ہے مگر یہ محبت اطاعت سے مشروط ہے۔

اطاعت رسول سے خالی محبت کا دعویٰ باطل ٹھہرے گا۔ مقرر نے سورۃ الفتح کی پہلی آیت اور سورۃ النصر، سورۃ الکوثر، سورۃ القریش کے پس منظر میں بتایا کہ رسول اللہ کی بعثت بلاشبہ ایک احسان عظیم اور نعمت عظیمہ ہے اور انہی سورتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نعمت کے ملنے پر اس کا شکر ادا کرنے کی صورت اسوۂ رسول ﷺ سے ملتی ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس کی بندگی میں اضافہ کردیا جائے، اس کی تسبیح و تقدیس بیان کی جائے، زبان پر اسی کی حمد وثناء ہو، اس سے استغفار چاہی جائے نہ کہ چوری کی بجلی سے چراغاں کیا جائے اور ہندوؤں عیسائیوں کی طرح پیدائش کا جشن منانا شروع کردیں کیونکہ پیدائش کی خوشی اور مرنے کا غم ایک فطری چیز ہے مگر اس کو منانا، ہر سال اسکی یاد تازہ کرنا، اسلام کی تعلیم نہیں۔ مقرر نے مروجہ عید میلاد کا تاریخی پس منظر بیان کیا اور بتایا کہ پہلا میلاد النبی ابولہب نے منایا اور بارہ ربیع الاول کو خوشیاں منافقوں نے منائیں ورنہ ابوبکر و عمر، عثمان و علی، تمام صحابہ ﷺ تو اس دن بہت مغموم تھے۔ تمام صحابہ نبی ﷺ سے بے حد محبت کرنے والے تھے مگر کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ کبھی عید میلاد النبی منایا ہو۔ مقرر نے اس موقع پر متعدد احادیث پیش کرکے اس تیسری عید کو بدعت قرار دیا اور بدعت سے متعلق لسان رسالت ﷺ سے ادا ہونے والی وعیدیں بیان کیں۔

اس کے بعد اصول تجوید اور قرأت قرآن کا پروگرام ہوا جسے آج بھی قاری خلیل الرحمن صاحب نے کیا اور حاضرین سے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کروا کر اصول سکھائے اور اغلاط کی تصحیح کی۔ تعلیم کی غرض سے قاری صاحب نے اصولوں کے خلاف تلاوت کرکے ساتھیوں سے اغلاط کی تصحیح کروائی جس سے ساتھیوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوا۔

مختصر وقفے کے بعد سرگودھا کے ماسٹر عبدالعزیز نے سورۃ التوبہ کی آیت: **وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ**۔۔۔ کی روشنی میں ایمان کے تقاضوں اور مومنوں کے معاملات بالخصوص شادی، غمی وغیرہ کے موضوع پر ایک سیر حاصل تقریر کی۔ آپ نے بڑے مدلل اور مؤثر انداز میں ایک جامع تقریر کی اور موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے مومنوں کے آپس کے تعلقات کی اہمیت کو بیان کیا۔ بتایا کہ ایمان کی برکت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے جنگجو باہمی اخوت کے جذبے سے سرشار ہوکر بھائی بن گئے تھے، ان کا اتحاد مثالی تھا۔ ایسا ہی اتحاد آج بھی مطلوب ہے۔ جہاں نفرتیں ہوں، بغض ہو، کینہ وحسد ہو، بڑائی کا گھمنڈ، حقارت و ذلت ہو تو وہاں کبھی بھی دیرپا اتحاد قائم نہیں ہوسکتا بلکہ انتشار و افتراق ہوگا۔ مومن ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہتے ہیں، ایک دوسرے کے حقوق کے نگراں ہوتے ہیں، کسی کا حق غصب نہیں کرتے بلکہ اس کی ادائیگی میں کسی کوتاہی پر مالک کے آگے جوابدہی کا احساس رکھتے ہیں۔ اخوت کا یہ جذبہ ہر عصبیت سے، ہر غرض سے، ہر لالچ سے بالاتر ہو۔ مختلف حوالوں کے ذریعے مقرر نے حاضرین کے سامنے موضوع کی اہمیت اجاگر کی۔

پروگرام کے اختتامی کلمات امیر تنظیم نے ادا فرمائے۔ سورۃ ابراہیم کے پانچویں رکوع کی آیات: **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ**۔ رکوع کی تلاوت کرکے سورہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ قرآن کے نزول کا مقصد اللہ کے بندوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آنا ہے؛ کفر و شرک کی گھٹائیں چھٹیں اور توحید کا اجالا نمودار ہو۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس مبارک دعوت کے خلاف کام کریں، خود بھی ہدایت سے دور ہوں اور دوسروں کو بھی دور کردیں، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دیں، ذاتی اغراض اور نفسی مفاد کی خاطر اس کا راستہ مسدود کرنے کے درپے ہوجائیں، چند ٹکڑوں کی خاطر اپنی عاقبت برباد کردیں، شیطان کو اپنا دشمن سمجھنے کے بجائے اس کے آگے سپر ڈال کر اس کے آلۂ کار بن جائیں حالانکہ یہ دغاباز تو بیچ منجدھار میں ساتھ چھوڑ دے گا اور اعلان کرے گا کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا اور میں نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں شجر خبیثہ اور شجر طیبہ کی مثالیں دے کر حق و باطل کا فرق سمجھایا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت: **وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** کے حوالے سے بتایا کہ نعمت ایمانی ملنے سے پہلے تو تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، جہنم کے گڑھے میں گرنے والے تھے، اللہ نے تمہیں بچایا، بھائی بھائی بنا دیا۔ اس ایمان کی قدر کی جائے۔ اللہ نے اپنے رسول کو اسی ایمان کے سکھانے کے لیے مبعوث کیا، کسی دنیاوی غرض ومفاد کے لیے نہیں۔ اسی نعمت ایمانی کے لیے اجتماعیت قائم کی گئی، اور اسی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والوں سے جنگیں لڑی گئیں، تلواریں چلیں خواہ مدمقابل سگے خونی رشتے دار ہوں، انہیں راہ حق کا مخالف ہونے کے سبب دشمن سمجھا گیا اور موقع ملا تو ان کی گردنیں تن سے جدا کردی گئیں۔ امیر محترم نے بڑے بڑے طواغیت کی نام بنام نشاندہی کراتے ہوئے ان کے پھیلائے ہوئے کفریہ شرکیہ عقائد ونظریات کو حوالوں کے ساتھ سامعین کے سامنے پیش کیا اور ان سے مکمل برأت واجتناب پر زور دیا۔ ڈاکٹر عثمانی ؒ کے اس طاغوت پرستی کے خلاف کیے جانے والے جہاد کو بھی ان کی تصانیف کی روشنی میں ان کے مسلکی استاد یوسف بنوری کو دی جانے والی دعوت ایمان کے حوالے سے اجاگر کیا۔ ساتھیوں کو اپنی تربیت پر زور دیا کہ وہ سنت نبوی پر عمل پیرا ہوکر ایمان کا عملی نمونہ بن کر آنے والوں کے لیے مثال قائم کریں، اپنے پیچھے ایک شمع فروزاں چھوڑ جائیں جس کی روشنی دوسروں کے لیے راہنما ہے۔ ساتھیوں کو اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ وہ اس تنظیم سے مخلص رہیں جس کا مقصد طاغوت پرستوں کے اثرات کو مٹانا ہے۔ آپ نے مختصراً بتایا کہ کس طرح مرتدین نے اس تنظیم کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے ان ناپاک عناصر سے تنظیم کی تطہیر کردی؛ یہ اللہ کا انتظام ہے، جو بھی ایمان کے اس عظیم مشن کے لیے اپنے آپ کو نااہل ثابت کرے گا، اللہ اس سے اپنے گروہ کو پاک کرتا رہے گا۔

آخر میں ساتھیوں سے درخواست کی گئی کہ وہ اس اجتماع میں بیان کی جانے والی باتوں پر غور وتدبر کریں، اپنی تربیت کریں، تجوید اور عربی تعلیم کے پروگرام اپنے اپنے مراکز پر بھی کرکے اپنے اندر اتنی استعداد پیدا کریں کہ اللہ کی کتاب کو سمجھنے کے قابل ہوجائیں، اس کو ٹھیک طرح سے پڑھنے لگیں، فہم القرآن کے پروگرام کرتے رہیں تاکہ اچھے مقرر پیدا ہوں۔ اجتماع کے منتظمین کی کوششوں کو سراہتے ہوئے اور ان کے لیے دعائیہ کلمات کہتے ہوئے امیر محترم نے اپنے خطاب کا اختتام فرمایا۔

سندھ کے دورے اور اجتماعات

اندرون سندھ ہمارے کئی مراکز ومساجد ہیں۔ ضلع بدین میں بڈھو قمرانی کے علاقے میں ہمارے ساتھی الیاس صاحب نے اپنی زمین پر مسجد توحید تعمیر کی ہے۔ لنڈھو ضلع سانگھڑ میں بھی ہمارے ساتھیوں کی مسجد توحید ہے۔ اس کے علاوہ کنڈھ کوٹ کے گل شیر محلے میں بھی تنظیم نے مسجد توحید تعمیر کی ہے۔ ان کے علاوہ حیدرآباد، میرپور

خاص، ڈھرکی، سکھر، شکارپور، میرپور برڑو، ضلع جیکب آباد وغیرہ میں ہمارے مراکز ہیں جہاں پر کافی ساتھی موجود ہیں جو ایک نظم کے تحت پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی صلوٰۃ و دیگر اجتماعات کے لیے باقاعدگی سے جمع ہوتے ہیں۔ ان شاء اللہ یہاں بھی مساجد توحید تعمیر کی جائیں گی۔ بعض مراکز میں قطعہ زمین بھی حاصل کر لیا گیا ہے جہاں اللہ نے چاہا تو عنقریب تعمیر شروع ہو جائے گی۔ مرکزی نظم کے تحت کراچی سے ساتھی یہاں جمعہ کی صلوٰۃ اور دوسرے پروگراموں کے لیے برائے رابطہ آتے رہتے ہیں۔ پچھلے ایک سال میں تو ایک ایک مرکز کے کئی دورے ہوئے جہاں ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور درس و دعوت کے پروگرام منعقد ہوئے۔ افسوس کہ ان کی کاروائی قلمبند نہ کی جا سکی ورنہ قارئین کی خدمت میں ضرور پیش کی جاتی۔

ابھی حال ہی میں گزشتہ سال کی طرح، عید کی چھٹیوں میں زیریں سندھ کا دورہ کیا گیا۔ کراچی سے ایک ساتھی کے ٹرک میں اٹھارہ مومنوں کا قافلہ صابر علی صاحب کی امارت میں عید کے دوسرے روز فجر کے بعد بدین کے لیے روانہ ہوا۔ قافلے کے ساتھ جو تھوڑا بہت لٹریچر تھا وہ راستے میں تقسیم کر دیا گیا۔ صلوٰۃ الظہر مسجد توحید میں ادا کی جہاں کے مقامی ساتھیوں کے ہمراہ بدین شہر کے بازاروں میں انذار عام کیا گیا۔ مسجد توحید میں لٹریچر کی بڑی مقدار موجود تھی۔ اس میں سے تقریباً ایک ہزار کتابچے دوران دعوت تقسیم کر دیے گئے۔ پہلی تقریر بدین چوک پر منور سلطان نے کی۔ لوگوں کے سامنے اللہ واحد کی خالص بندگی کی دعوت رکھی گئی، طاغوت کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے کفر اور ان سے اجتناب کی اہمیت کو قرآنی آیات کی روشنی میں اجاگر کیا گیا۔ تعویذ گنڈہ، قبر پرستی اور دیگر کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال کی وضاحت کرتے ہوئے ان سے بچنے کی تلقین کی اور کتاب اللہ کو پڑھنے، سمجھنے اور اس کے مطابق عقیدہ و عمل بنانے پر زور دیا۔ دوسری تقریر لاری اڈے پر فیصل الرحمٰن نے کی اور تقریباً یہی باتیں اپنے انداز میں بیان کیں۔

یہاں سے قافلہ بڈھو تھرائی کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں ماتلی شہر میں رک کر بڑی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ مغرب کے بعد بڈھو تھرائی پہنچے۔ صلوٰۃ کے بعد آگرہ تاج کالونی کے ناظم محمد جاوید صاحب نے درس قرآن دیا اور متعدد آیات کی روشنی میں منافقوں کے طرز عمل اور طریقہ واردات کی وضاحت کی اور اس کی سزا اور انجام سے ڈراتے ہوئے ایمان والوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اندر خلوص و خشیت پیدا کریں اور منافقوں کی علامات دروغ گوئی، خیانت، وعدہ خلافی اور سب و شتم سے نفرت کریں۔

رات کو یہیں ٹھہرنا تھا۔ مقامی ساتھیوں نے قیام و طعام کا بہت اچھا بندوبست کیا ہوا تھا۔ فجر کے بعد قافلہ میرپور خاص کے لیے روانہ ہو گیا۔ آج جمعہ تھا۔ امیر قافلہ نے تین جماعتیں بنا دیں۔ پہلی جماعت محمد جاوید اور محمد کلیم کی معیت میں حیدرآباد روانہ ہو گئی۔ دوسری جماعت منور سلطان اور سجاد پر مشتمل تھی جو میرپور خاص میں عبداللطیف پنہور صاحب کے گھر پر ٹھہر گئی جہاں پر صلوٰۃ الجمعہ کا اجتماع ہوتا ہے۔ باقی قافلہ لنڈھو کے لیے روانہ ہو گیا۔ میرپور خاص مرکز سے بھی لٹریچر کی بہت بڑی مقدار ساتھ لے لی جو لنڈھو جاتے ہوئے اور واپسی کے سفر میں شہداد پور وغیرہ میں تقسیم کر دیا گیا۔

لنڈھو کی مسجد میں وعظ و خطبہ عبداللہ عمر نے، میرپور خاص میں منور سلطان نے اور حیدرآباد میں محمد جاوید نے دیا۔ اپنی تقاریر میں انہوں نے کھل کر طاغوت کی نشاندہی کی اور ان کے کفر اور ان سے اجتناب پر زور دیا۔ میرپور خاص میں ہمارے ساتھیوں کا عذاب قبر پر اہلحدیثوں سے حال ہی میں ایک مباحثہ ہوا تھا۔ اس کے حوالے سے منور سلطان نے سورۃ المومنون کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے عذاب قبر کو موضوع بنایا اور آیات و احادیث کے ذریعے ثابت کیا کہ عذاب قبر دنیاوی قبر میں نہیں ہوتا بلکہ عالم برزخ میں دی جانے والی قبر میں ہوتا ہے جو ایک ناقابل عبور آڑ کے پار ہے، جس سے کوئی نہیں گزر سکتا ورنہ اگر یہی دنیاوی قبر عالم برزخ میں دیے جانے والے عذاب یا راحت کا مقام ہوتی تو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنے والد کی لاش کو ان کی شہادت کے چھ مہینے بعد ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ آڑ قیامت تک عبور نہیں کی جا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون:۱۰۰)

حیدرآباد میں ویسٹن یونیورسٹی کے ہال میں ساتھی صلوٰۃ الجمعہ ادا کرتے ہیں۔ کراچی سے جماعت کی آمد کی اطلاع پر کافی ساتھی یہاں جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے نئے ساتھی بھی آئے ہوئے تھے۔ دیگر ساتھیوں کے آنے تک جاوید صاحب جمعے کے خطبے و امامت کے بعد درس و مذاکرہ کرتے رہے۔ مغرب کے بعد قافلے کے باقی ساتھی بھی آ ملے۔ عشاء کے بعد منور سلطان نے سورۃ العصر پر تقریر کی اور ایمان و عمل، دعوت و صبر کے عنوان پر ایک مدلل تقریر کی۔ نئے ساتھیوں نے بڑی توجہ اور شوق سے سنا۔ اس کے بعد انہوں نے سوالوں کے جواب بھی دیے۔

رات دس بجے کے بعد قافلہ کراچی کے لیے واپس روانہ ہو گیا۔ سپر ہائی وے پر ایک جگہ ٹائر برسٹ ہو گیا۔ اس سے پہلے تین مقامات پر ٹائر پنکچر ہو چکا تھا جس کی وجہ سے کافی وقت اس میں لگ گیا۔ مگر اس دفعہ تو کئی گھنٹے اسی میں صرف ہو گئے کہ ہائی وے پولیس کے تعاون سے پچیس کلومیٹر دور سے ٹائر لانا پڑا۔ صبح تین بجے کے بعد قافلہ کراچی واپس پہنچا۔ رات لیبر کالونی کی مسجد توحید میں گزاری اور فجر کے بعد ساتھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

کراچی میں ہر ماہ کے آخر میں ایک تربیتی اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔ ہر تیسرے ماہ یہ اجتماع صوبائی سطح پر اندرون سندھ کے کسی علاقے میں رکھا جاتا ہے، جس میں صوبے بھر سے ساتھی شرکت کرتے ہیں۔ سال گزشتہ کے آخر کا اجتماع کندھ کوٹ کی مسجد توحید میں کیا گیا جس میں کراچی کے متعدد ساتھیوں کے علاوہ سندھ کے تقریباً ہر علاقے سے ساتھیوں نے شرکت کی۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز میرپور برڑو کے ساتھی میر حسن صاحب کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ آپ نے سورۃ البقرۃ کی آیات: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ سے آغاز کلام کرتے ہوئے بنی نوع انسان پر اس کے رب کے فضل و کرم، عنایات و نوازشات کو بیان کیا۔ بتایا کہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ نے کسی ایک فرد کے لیے نہیں بلکہ ساری اولاد آدم کے لیے خلق کی ہے: اسے صرف آخری رسول محمد ﷺ کے لیے قرار دینا قرآن و حدیث کا انکار ہے اور ایک جھوٹی بات ہے۔ حق اور سچ یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں موجود ہر شے اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے لیے بنائی ہے اور اس سے مقصود صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون اپنے رب کو راضی کرتا ہے۔ اس کے بدلے میں ان لوگوں سے صرف ایک مطالبہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس کا ساتھی اور ساتھی، ہمسر و ہم مقام، ند اور کفو کسی کو نہ گردانا جائے۔ مگر کائنات کی ان اصول

نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والے اس ناسپاس انسان نے اس کا یہ شکر ادا کیا کہ کسی کو اللہ کا بیٹا بنایا، کسی کو بیٹی؛ کسی کو اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرایا تو کسی کو صفات میں، کسی کو حقوق میں تو کسی کو اختیارات میں: اس نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی اہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دی مگر لوگوں نے ان نبیوں کو ہی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرادیا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی مرض الموت میں یہ دعا تھی کہ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اسے پوجا جائے۔ مگر افسوس کہ اس امت نے قبر نبوی کو بت بنا کر ہی چھوڑا۔ آج اس قبر کو عرش و کرسی و کعبے سے بھی افضل قرار دیا جاتا ہے، اس قبر پر تعمیر سبز گنبد کی پوجا پاٹ ہوتی ہے، مسجدوں میں اس کی نقل کر کے گنبد بنائے جاتے ہیں، اس کی تصویریں و تمثیلیں لگائی جاتی ہیں اور موجب خیر و برکت سمجھی جاتی ہیں، جن کے آگے یہ لوگ رکوع و سجدے کرتے ہیں اور اس کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی خالد عزیز صاحب نے تجوید و قرأت کا پروگرام کیا جس میں ساتھیوں کو مخارج بتائے گئے اور جن مخارج میں اکثر غلطی ہوتی ہے اور انہیں دوسرے کے ساتھ بدل کر غلط پڑھا جاتا ہے مثلاً ھ اور ح، ت اور ط، ث اور س، ک اور ق وغیرہ، ان کی خوب مشق کروائی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ سورۃ الفاتحہ کی بھی مشق کروائی گئی اور ساتھیوں سے پڑھوا کر غلطیوں کی تصحیح کی گئی۔

اس کے بعد کراچی ہی کے عبدالغفار صاحب نے سورۃ النساء کی آیت ۶۰: يَتَحَاكَمُوٓا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ پر تقریر کی۔ آپ نے دیگر مترادف آیات کے ذریعے سے لفظ "طاغوت" کی تشریح کی اور دلائل و براہین سے طاغوت کے کفر اور اس سے اجتناب کی اہمیت کو اجاگر کیا اور واضح کیا کہ ایسا کیے بغیر ایمان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ مقرر نے مختلف مسالک اور تنظیموں کے اکابرین کی کتابوں کے حوالے دیتے ہوئے ان کے وہ عقائد و نظریات سامعین کو بتائے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں اور جن سے قرآن و حدیث کا انکار ہوتا ہے اور اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ یہ اکابرین مسلک طاغوت کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اللہ کے دین سے دور کر کے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکاتے رہے اور جن سے برأت و بیزاری ایمان خالص کا تقاضا ہے۔ مشرکین کے ساتھ ساتھ مرتدین کا بھی ذکر کیا گیا کہ کس طرح ذاتی اغراض، لالچ، مال کی ہوس اور عہدوں کی حرص میں، کبر و نخوت، فخر و غرور کے ہاتھوں شیطان کا آلۂ کار بن کر طاغوت طاغوت کا راگ الاپتے ہوئے خود ہی طاغوت بن بیٹھے اور جھوٹ بول بول کر ایمان خالص کے لیے کام کرنے والوں کی جمعیت میں انتشار پیدا کرنا انہوں نے اپنا نصب العین بنالیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں طاغوت اور طاغوت پرستوں پر خوب ضربیں لگائیں۔

مختصر وقفے کے بعد دعوت الی اللہ کی مشقی تقاریر کا پروگرام ہوا جس میں میرپور برڑو کے ایوب (دیت خان) اور سکھر کے اسماعیل (دوداخان) نے حصہ لیا۔ ایوب صاحب نے سورۃ العصر کی روشنی میں تقریر کی اور اچھے انداز میں شرکیہ عقائد کی نشاندہی کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کی باحوالہ تقریر کی۔ اسماعیل صاحب نے سورۃ حم السجدۃ کے حوالے سے مؤثر انداز میں تقریر کی۔ ان تقاریر پر محاکمہ کراچی کے جاوید صاحب نے پیش کیا۔

صلوٰۃ الظہر و طعام کے وقفے کے بعد کراچی کے منور سلطان نے صلوٰۃ کے مسائل بیان کیے۔ آپ نے آیات و احادیث کی روشنی میں صلوٰۃ کی اہمیت کو بیان کیا اور اسے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق پڑھنے کی تاکید کی اور بہشتی زیور والی نماز سے بچنے بچانے پر زور دیا۔ آپ نے عملی مظاہرہ کرتے ہوئے قیام، نیت باندھنے، رفع یدین، رکوع اور سجدے وغیرہ کا مسنون طریقہ سکھایا۔ ساتھیوں نے دلچسپی کے ساتھ اس میں شرکت کی اور اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔

چائے اور صلوٰۃ العصر کے وقفے کے بعد محمد گل صاحب نے اس تربیتی پروگرام کے اختتامی کلمات کہے۔ آپ نے بتایا کہ ایمان ہر بڑی سے بڑی دولت سے زیادہ قیمتی دولت ہے جو اسی وقت باقی رہتی ہے جب تک اس کی قدر کی جائے، اس پر نظر رکھی جائے، اس کی حفاظت کی جائے اور جو اس کے تقاضے ہیں وہ پورے کیے جائیں ورنہ ایمان کے ڈاکو یہ دولت لوٹ لیتے ہیں اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے دعویداروں سے یہ دولت چھن جاتی ہے اور پھر وہ نفس کے بندے بن کر شیطان کا مشن پورا کرنے لگ جاتے ہیں۔ شیطان کا وار انہی پر چلتا ہے جو جماعت سے تعلق میں ڈھیل دکھاتے ہیں؛ ہم نے ڈھیل نہیں دکھانی، سستی نہیں کرنی بلکہ پوری چستی کے ساتھ آگے بڑھنا ہے، جماعت کو کسی حال میں نہیں چھوڑنا: یہی فرمان رسول ہے، یہی فرمان الٰہی ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں مختلف شرکیہ عقائد و نظریات کی نشاندہی کرتے ہوئے رد طاغوت کیا اور ساتھیوں پر ایمان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس کے تقاضے پورے کرنے اور خود کو اسوۂ نبوی کا نمونہ بنانے، صحابہ کرام کے اوصاف اپنانے پر زور دیا۔ مغرب کے بعد یہ تربیتی پروگرام اختتام کو پہنچا اور ساتھی اپنے اپنے علاقوں کو واپس روانہ ہوگئے۔

ماہ مارچ کا سہ ماہی پروگرام اجتماع ناظمین کے سبب نہ ہوسکا۔ اس سے اگلا پروگرام امسال ماہ جون کے آخر میں کراچی میں ہوا جس میں سندھ کے مختلف مراکز سے ساتھیوں نے شرکت کی۔ افتتاحی کلمات امیر سندھ ماسٹر منظور صاحب نے ادا فرمائے۔ اس کے بعد شبیر عبداللہ نے تجوید و قرأت قرآن کا پروگرام کرتے ہوئے حسب سابق ساتھیوں کو اصول تجوید کی مشق کروائی اور اغلاط کی نشاندہی کراتے ہوئے ان کی تصحیح کی۔

اس سہ ماہی تربیتی پروگرام کا مرکزی خطاب بھی عبدالغفار صاحب نے کیا جس کا موضوع یہ تھا کہ سماع موتی کا عقیدہ شرک کی جڑ ہے۔ آپ نے سورۃ النمل کی آیات: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ ... إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ لفظ "سمع" کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے صوفیاء کی مروجہ اصطلاح "سماع" پر بھی روشنی ڈالی جس کو یہ لوگ قوالی کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کہ سراسر بدعت ہے اور اس میں بیان کیے جانے والے مضامین شرک و کفر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ قوالی سے متعلق مفتی شفیع عثمانی والا بدعتی پیر کا واقعہ بھی سامعین کے سامنے بیان کیا گیا۔ بنیادی مسئلے کی طرف آتے ہوئے قرآن و حدیث کے حوالوں سے بڑے مدلل انداز میں بتایا گیا کہ مردے، خواہ کوئی بھی ہوں، حیات سے عاری اور شعور سے خالی ہیں؛ سماع سمیت ہر حس روح کی موجودگی میں ہی کام کرتی ہے اور روح نکلتے ہی بے کار ہوجاتی ہے چنانچہ کان پہلے کی طرح موجود ہوتے ہیں مگر سن نہیں سکتے، آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں، اسی طرح دیگر اعضاء بدن بھی اپنا اپنا فعل انجام دینے سے قطعی معذور ہوجاتے ہیں۔ یہ انتہائی گمراہی و جہالت ہے کہ مرنے کے بعد بھی حس سماعت کو بدستور بلکہ پہلے سے بھی زیادہ فعال و سریع مانا جائے اور روح سے

خالی مُردوں کو اپنی چتائیں سنائی جائیں، ان سے دعائیں کروائی جائیں یا پھر انہی سے کچھ مانگا جائے۔ پتہ چلا کہ مُردوں کے سننے کا عقیدہ ہی قبر پرستی کا سبب بنتا ہے۔ مردہ بابا کو "پہنچا ہوا" سمجھ کر اس کی قبر یا مزار پر آکر پہلے اس سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے، پھر ہوتے ہوتے اسی سے مانگا جانے لگتا ہے جیسے یا معین الدین چشتی پار لگا دے کشتی، بابا شاہ کمال پتر دے دے رتھا لال، یا بہا، الحق بیڑہ دھک، وغیرہ۔ پھر ان قبروں پر سجدے ہوتے ہیں، پھیرے لگتے ہیں، انکو غسل دیا جاتا ہے اور غسل کا استعمال شدہ اور جراثیم سے آلودہ پانی بطور تبرک استعمال کیا جاتا ہے، وہاں سے شیرنی کی شکل میں تبرک لایا جاتا ہے، غیر اللہ کی نذر و نیاز کا لنگر تقسیم کیا جاتا ہے؛ غرض کفر یہ شرکیہ رسومات کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور اس سب کی وجہ یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مردہ سنتا ہے۔

اس بلیغ و بصیر خطاب کے بعد صلوٰۃ الظہر اور طعام کا وقفہ ہوا۔ از اں بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کا عنوان تھا "فرقہ پرستی کا رد"۔ اس میں پانچ ساتھیوں نے اپنا حاصل مطالعہ بیان کیا۔

نارتھ کراچی کے نوجوان ساتھی محمد سعید نے بڑے اعتماد کے ساتھ متعدد قرآنی حوالوں کے ذریعے ثابت کیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی فرقہ پرستی ہے؛ فرقہ بندی اللہ کے عذاب کی ایک شکل ہے؛ تفرقہ بازی شرک ہے اور یہ شرک تمام فرقوں کی رگوں کا خون ہے۔

فرنٹیئر کالونی کے نوعمر ساتھی وقاص نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ فرقہ پرستی سے سختی سے منع کرنے کے باوجود اس امت نے اپنی وحدت کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور اس طرح سے ممانعت والی ان آیات کا سرے سے انکار کر ڈالا ہے۔ فرقہ پرستی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کمسن مقرر نے بتایا کہ اس کی وجہ عقائد کا بگاڑ ہے؛ جب تک عقائد درست تھے فرقے نہ تھے، سب ایک ہی امت تھے۔ جب اختلاف ڈالا گیا تو نئے نئے مکاتب فکر وجود میں آئے اور پھر یہ فرقے بن گئے۔ فرقہ پرستی اگرچہ خود شرک ہے مگر فرقہ بننے سے دوسرے اور شرک بھی خوب ترویج پاتے ہیں جیسے ذات کا شرک یعنی کسی کو اللہ کی ذات کا ٹکڑا اور حصہ قرار دینا جسے اللہ نے اپنے لیے گالی قرار دیا ہے؛ صفات کا شرک جیسے کسی کو غیب کا جاننے والا قرار دینا؛ اختیارات کا شرک جیسے کسی کو مشکل کشائی اور قسمتوں کے کھوٹے کھرے کرنے پر قادر سمجھنا؛ وغیرہ۔ یہ فرقے باہم دست و گریباں رہ کر امت کی شیرازہ بندی کو بکھیر دیتے ہیں؛ آپس میں مناظرے ومجادلے کرتے ہیں، ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں لیکن اپنے مفاد کی خاطر بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو پس پشت ڈال کر اپنے اکابرین کے ملفوظات کو سامنے کر لیتے ہیں حالانکہ شیخ الحدیث بنتے ہیں مگر اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان سے کیسے غافل ہیں جس کو امام مالک نے روایت کیا ہے کہ تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے جب تک ان دو چیزوں کو تھامے رکھوگے: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

سکھر کے محمد اسماعیل (دواخان) نے متعدد آیات قرآنی کی روشنی میں فرقہ پرستی کا رد کیا۔ مروجہ مختلف فرقوں کے عقائد کا مختصر اً موازنہ کیا اور بڑے موثر اور مدلل انداز میں موضوع کے کافی پہلو سامعین کے سامنے پیش کیے۔ مختلف فرقوں کی اس باطل روش کو بھی بیان کیا کہ باوجودیکہ اللہ نے گروہ بندی سے سختی سے منع فرمایا ہے مگر پھر بھی یہ دیوبندی بن گئے، بریلوی اور وہابی بن گئے؛ آپس میں مشرق و مغرب کا بعد رکھتے ہیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو حق پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

میر پور برزو کے ایوب مسلم (دیت خان) نے بڑی روانی سے تقریر کرتے ہوئے مختلف فرقوں کے ساتھ ساتھ صوفیاء کے فرقوں کا بھی تذکرہ کیا۔ مختلف قرآنی دلائل کے ذریعے تفرقہ بازی کا رد کیا اور بتایا کہ یہ فرقہ پرست ایسے فریب کار ہیں کہ اپنے نادان مقلدوں سے مال بٹورنے اور ان کو یہ باور کرانے کے لیے کہ تم ہی صراط مستقیم پر ہو یہ تک دعویٰ کرنے میں بھی کوئی باک نہیں رکھتے کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر فرمایا ہے کہ تم حق پر ہو۔ چنانچہ اپنے علاقے کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ دیوبندیوں نے ایک جلسہ کر کے سر پر قرآن رکھ کر قسم کھاتے ہوئے بتایا کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر بتایا ہے کہ دیوبندی بالکل حق پر ہیں؛ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ان کے حریف فرقے نے بھی اسی طرح جلسہ منعقد کر کے سر پر قرآن رکھ کر قسم کھا کر اعلان کیا کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر بتایا کہ بریلوی سو فیصد درست ہیں۔

کیماڑی کے نوجوان ساتھی محمد فیصل نے پراعتماد انداز میں نپے تلے اور خوبصورت الفاظ کے ساتھ تقریر کی۔ قرآن و حدیث کے متعدد حوالے دیتے ہوئے فرقہ پرستی کا رد کیا۔ مختلف فرقوں کے کفریہ شرکیہ عقائد کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے بخاری کی کتاب الفتن کی اس روایت پر اپنی تقریر ختم کی کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ فتنوں کے بارے میں سوال کیا اور اثبات میں جواب پاکر پوچھا کہ پھر ایسی صورت میں وہ کیا کریں۔ نبی ﷺ نے بتایا کہ مسلموں کی جماعت اور اس کے امام کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ پوچھا کہ اگر مسلموں کی جماعت نہ ملے تو؟ فرمایا کہ پھر کسی جنگل میں مرتے دم تک رہنا مگر ان فرقوں سے بچے رہنا۔ نوجوان مقرر نے سامعین کو تلقین کی کہ تمام فرقوں سے دور رہیں اور مسلموں کی جماعت کے ساتھ تمسک کیے رکھیں۔

اس پروگرام کے آخر میں کیپٹن ارشد صاحب نے ان تقاریر کا محاکمہ کرتے ہوئے مقررین کے محاسن و معائب کی نشاندہی کی اور موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے بتایا کہ دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے ہر مسلک اور فرقے کو چھوڑنا لازمی ہے کیونکہ جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں۔ آج جتنے فرقے نظر آتے ہیں، یہ ان کے مولویوں اور پیروں کی لالچ اور آپس کی ضد کی وجہ سے بنے ہیں۔ جانتے بوجھتے انہوں نے لوگوں کو مختلف فرقوں میں بانٹ کر امت مسلمہ کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث کی ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں، ہر فرقہ و مسلک اپنے اپنے اکابرین کے اقوال و ملفوظات پیش کرتا ہے۔ اس کا رد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کھل کر قرآن و حدیث کی دعوت دی جائے اور ہمیشہ سورۃ الروم کی ان آیات کو پیش نظر رکھیں: مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ ... كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۲،۳۱) یعنی اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور صلوٰۃ قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے؛ ہر گروہ اس چیز پر خوش (اور مطمئن) ہے جو اس کے پاس ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے شرک آتا ہے اور بعد میں علیحدہ جماعت بنتی ہے جس کی وجہ ذاتی اغراض ہی ہوتی ہیں۔ ہمارے ساتھیوں نے تو ابھی حال ہی میں کچھ نام نہاد علم والوں کو گمراہ ہوتے اور علیحدہ گروہ بندی کرتے ہوئے دیکھ بھی لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و حدیث پر قائم ہونے والی اس جماعت کے ساتھ شامل رکھے اور ہر طرح کے فتنہ و فساد سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔ آمین

اس کے بعد افادیت کے پیش نظر منور سلطان نے صلوٰۃ کے مسائل کا پروگرام

دوبارہ کیا اور حاضرین کو صلوٰۃ کے متعدد مسائل بتاتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں زور دیا کہ نبی ﷺ والی صلوٰۃ ادا کی جائے، جو لوگ یہاں سیکھیں، اپنے مقام پر واپس جا کر اپنے ساتھیوں اور گھر والوں کو بھی یہ باتیں بتائیں تا کہ ان کی صلوٰۃ بھی سنت کے مطابق ہو کر اللہ کی بارگاہ میں بار پا سکے۔

چائے اور صلوٰۃ العصر کے وقفے کے بعد امیر تنظیم نے اختتامی کلمات ادا فرمائے۔ آپ نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ سے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ آپ نے بتایا کہ اُولُوالْاَلْبَاب کی پکار پر لبیک کہنے والے سلیم وسعید الفطرت لوگ اپنے مالک کو ہر حال میں یاد کرنے والے ہوتے ہیں، وہ اپنے اطراف میں پھیلی اپنے مالک کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیوں سے غافل نہیں رہتے، وہ ان میں تدبر و تفکر کرتے ہیں اور مالک کی شان ربوبیت کو پہچان کر ان کی زبانیں بیساختہ شہادت دینے لگتی ہیں کہ یہ نظام کائنات عبث نہیں پیدا کیا گیا، یہ اپنے رب کی تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے اس کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ انہیں اس بات کا پورا شعور و یقین ہوتا ہے کہ جس کی اللہ نے گرفت کر لی تو بس وہ مارا گیا، عزت رکھتے ہوئے ذلیل ہو گیا جس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ یہ وہ مبارک ہستیاں ہوتی ہیں کہ جنہیں اپنے رب کی طرف بلایا جائے تو جاہلانہ و متکبرانہ انداز اپنا کر اس دعوت حق سے اعراض و پہلوتہی نہیں کرتے بلکہ اس پر لبیک کہہ کر اس کی منزل کے راہی بن جاتے ہیں۔ اپنی تقاصیر کی مغفرت چاہتے ہیں، اپنی کوتاہیوں کے ازالے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور دلی خواہش کے ساتھ ان کی پوری کوشش بھی ہوتی ہے کہ نیکوکار مومنوں میں مرتے دم تک شامل رہیں، رب کریم نے اپنے بندوں سے جن انعامات کا وعدہ کیا ہے اس کا فضل چاہتے ہوئے آخرت کی ذلت و رسوائی سے پناہ چاہتے ہیں اور اپنے رب کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ اس کے لیے ان باتوں سے مجتنب رہتے ہیں جو مالک کے غیظ و غضب کو دعوت دیتی ہیں۔ شیطان کی بندگی اور شیطان کے آلہ کار طواغیت سے انہیں ایک گونہ نفرت ہوتی ہے (یہاں آپ نے مختلف مسالک کے اکابرین کی تحریروں کے حوالے پیش کرتے ہوئے ان کے کفر و شرک پر مبنی عقائد و نظریات کا مختصر سا جائزہ پیش کیا اور ان سے اجتناب پر زور دیا)۔ ایسے خوش بختوں کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔ مالک نے اعلان کر دیا کہ کسی عمل کرنے والے، خواہ مرد ہو یا عورت، کا عمل ضائع نہیں کیا جاتا بشرطیکہ اس ایمان کا حامل ہے جو اس کے رب کو مطلوب ہے، ایسا ایمان جس کو بچانے کے لیے انہوں نے ایذائیں جھیلیں، یہاں تک گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے اور ان کی جانیں تک لے لی گئیں۔ ان کی تقاصیر معاف کر دی جاتی ہیں اور انہیں جنت کے باغات میں داخل کر دیا جاتا ہے جہاں ان کے رب کی طرف سے ان کی مہمان نوازی کی جاتی ہے اور ان کو بہترین بدلہ دیا جاتا ہے۔ امیر محترم نے اجتماع کی تقاریر وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حاضرین پر زور دیا کہ ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور اپنے اپنے مقام پر اس جہد مسلسل کو جاری رکھا جائے۔ اندرون سندھ سے آئے ہوئے ساتھیوں کی واپسی کے پیش نظر پروگرام مغرب سے کافی پہلے ختم کر دیا گیا اور ساتھی اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ ان کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً سندھ کے متعدد دعوتی دورے کیے گئے۔ تقریباً ہر مہینے یہ پروگرام کیے جاتے ہیں۔ بعض پروگرام میں امیر تنظیم بھی شرکت فرماتے ہیں۔ ان پروگراموں کی تفصیلات رپورٹ موصول نہ ہونے کے سبب قارئین کے سامنے پیش نہیں کی جا سکیں۔

پنجاب اور سرحد کے دورے واجتماعات

صوبہ پنجاب، سرحد اور شمالی علاقہ جات میں دعوت و تبلیغ کے پروگرام باقاعدگی سے ہو رہے ہیں۔ بعض مقامات پر تو ہر مہینے یہ پروگرام کیے جاتے ہیں۔ وہاں کے متعلقہ ساتھیوں سے گزارش ہے کہ ان پروگراموں کی رپورٹ جلد از جلد ارسال کر دیں تا کہ حبل اللہ میں شامل کی جا سکے۔

امیر تنظیم اور رفقاء کا دورۂ بلوچستان

ماہ مئی کے پہلے ہفتے میں بلوچستان کا دعوتی دورہ کیا گیا جس کے لیے امیر تنظیم کراچی سے محمد گل صاحب اور منور سلطان کی معیت میں بذریعہ تیزگام ملتان روانہ ہوئے۔ صبح سویرے ملتان پہنچے جہاں ملتان کے ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ امیر پنجاب حکیم رمضان صاحب بھی حسب پروگرام اپنی گاڑی لے کر آ گئے تھے جس میں ڈیرہ غازی خان اور کوڈی بلوچستان تک سفر کیا گیا۔ امیر تنظیم بغیر رکے ڈیرہ غازی خان روانہ ہو گئے۔ ڈیرہ غازی خان کے ناظم صادق صاحب کے عزیزوں کے گاؤں اصغر گورمانی واقع پل سیدان شاہ میں دوپہر سے پہلے درس قرآن کا پروگرام تھا۔ یہاں ڈیرہ غازی خان کے ساتھیوں کے علاوہ ملتان، مظفر گڑھ، رحیم یار خان، ترنڈہ، ڈیرہ اسماعیل خان، دریا خان وغیرہ سے بڑی تعداد میں ساتھی جمع ہو گئے تھے جو امیر تنظیم سے کافی دیر تک مسئلے مسائل پوچھتے رہے۔ پشتو تقاریر کے لیے امیر سرحد نیاز اللہ صاحب اور کتیاڑی کے زاہد خان بھی تشریف لے آئے تھے۔

دورے کی پہلی تقریر منور سلطان نے کی۔ سورۃ یونس کے تیسرے رکوع کے حوالے سے مقرر نے عقیدہ توحید کو کھول کر بیان کیا اور شرک و کفر کی مروجہ شکلوں کو واضح کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے دلائل سے ان کا رد کیا۔ مختلف مسالک کے لٹریچر میں پائے جانے والے باطل عقائد و نظریات کو بیان کرتے ہوئے طاغوت پرستی کی نشاندہی کرائی گئی۔ مقرر نے کھل کر رد طاغوت کیا اور سامعین پر واضح کیا کہ یہ مسلک پرست کس طرح سے قرآن کا انکار کرتے ہیں۔

درس کے بعد سوال وجواب کی ایک طویل نشست ہوئی جس میں امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے تفصیلی اور مدلل جواب دیے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ پوری بستی شیعوں کی تھی جس میں سے صرف ایک خوش نصیب کو ایمان خالص کی نعمت ملی، جس کے ڈیرے پر یہ پروگرام ہوا تھا۔ سامعین نے دلچسپی سے شرکت کی اور سوالات بھی پوچھے۔ اس کے بعد ایک بڑی ضیافت ہوئی جس میں رواج کے مطابق تقریباً پورے گاؤں نے شرکت کی۔

اس کے بعد ساتھی پل شور یہ چاہ گھنے والا کے علاقے میں وہ جگہ دیکھنے روانہ ہو گئے جو مشتاق لغاری صاحب نے مومنوں کی بستی "مسلم آباد" بسانے اور مسلم مسجد بنانے کے لیے وقف کی ہے جہاں پر سالانہ اجتماع کرنے کا ارادہ ہے کیونکہ یہ جگہ چاروں صوبوں کے سنگم پر واقع ہے جہاں ہر علاقے سے ساتھی با آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ لغاری صاحب ایک سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یکسو ہونے سے پہلے وہ اس شہر کے نائب ناظم تھے۔ اللہ کی توفیق سے اس طاغوتی نظام سے متنفر ہو کر قرآن و حدیث کی دعوت کو عام کرنے میں پورے خلوص اور تندہی سے سرگرم ہیں اور اسی لئے

جذبے سے انہوں نے یہ اتنا بڑا عطیہ وقف للہ کیا ہے۔

بعد ازاں ساتھی ڈیرہ غازی خان کی مرکزی مسجد توحید واقع ٹنگن روڈ پہنچے۔ یہاں مذکورہ بالا علاقوں کے ساتھی بھی پہنچ چکے تھے جن کی تعداد میں شام تک اور اضافہ ہو گیا۔ موسم اگرچہ سخت گرم تھا مگر یہ ساتھیوں کے شوق و جذبے پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ مغرب تک یہ مسجد کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ عصر کے بعد پہلے سے اعلان کردہ پروگرام کے مطابق منور سلطان نے تقریر کی۔ سورۃ آل عمران کے گیارہویں رکوع کی آیات کے حوالے سے اعتصام بحبل اللہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے تفرقہ بازی اور مسلک پرستی کی مذمت کی گئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والی جماعت سے منسلک رہنے اور اس سے بالشت بھر بھی جدا نہ ہونے کی ضرورت کو بیان کیا گیا۔ روز آخر ہونے والے روشن اور سیاہ چہروں کی شناخت کرواتے ہوئے مومنوں کے اوصاف بیان کیے گئے اور منافقوں اور فاسقوں کے عیوب سے دور رہنے پر زور دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ: اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ "کیا ایک مومن کسی فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ نہیں، وہ برابر نہیں ہو سکتے"۔

اس تقریر کے بعد امیر تنظیم نے صلوٰۃ و سلام سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کا بڑے علمی اور فکر انگیز انداز میں تفصیلی جواب دیا۔

مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً...... پر طویل تقریر کی اور کائنات کی تخلیق کی غرض و غایت کو بیان کیا۔ قرآنی آیات کی روشنی میں اس باطل عقیدے کو رد کیا گیا کہ یہ کائنات کسی واحد کے لیے بنائی گئی اور سارے انبیاء بھی اسی ایک شخصیت کی وجہ سے پیدا کیے گئے، بلکہ یہ ساری کائنات ساری انسانیت کے لیے بنائی گئی ہے تاکہ آزمایا جائے کہ کون اللہ کا فرمانبردار بن کر آتا ہے۔ عشاء کے بعد ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ رات گئے تک امیر تنظیم ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیتے رہے۔

اگلے روز ناشتے کے بعد قافلہ رکنی بلوچستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ مذکورہ علاقوں کے ساتھی ہم سفر تھے۔ رکنی بلوچستان کا پہلا بڑا شہر ہے جہاں سے صوبے کے مرکزی شہروں لورالائی وغیرہ اور پنجاب میں ڈیرہ غازی خان کو راستے جاتے ہیں۔ یہاں مرکزی چوک پر ایک مسجد واقع ہے جو اس سے قبل ایک بریلوی مولوی کے قبضے میں تھی مگر حال ہی میں یہاں کے ساتھیوں نے اسے حاصل کر لیا ہے جسکے آباؤ اجداد نے اسے تعمیر کیا تھا۔ اس جگہ پر ایک بڑی اور پختہ مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔ یہاں کچھ دیر ستا کر قافلہ کوڑی کے لیے روانہ ہو گیا۔ کوڑی کی مسجد توحید میں ظہر سے قبل آمد ہوئی جہاں پر بلوچستان کے امیر عبدالحکیم اور دیگر ساتھیوں نے کئی بکرے دنبے ذبح کر کے ساتھیوں کی ضیافت کا بندوبست کر رکھا تھا۔ یہاں دور دراز سے لوگ آئے ہوئے تھے۔

ظہر کے بعد منور سلطان نے تقریر کی۔ سورۃ الانعام کے آخری رکوع کی آیات: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے فرقہ پرستی کی مذمت کی گئی اور مختلف فرقوں کے باطل عقائد و نظریات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں رد کیا گیا۔

عصر کے بعد امیر پنجاب حکیم رمضان صاحب کی تقریر تھی۔ آپ نے سورۃ محمد کی آیات ۱۵تا۲۸ کی تلاوت سے آغاز کلام کر کے ایک بلیغ خطاب کیا۔ تمہید میں آپ نے بتایا کہ دین میں تفرقہ علم والوں نے ہی پھیلایا، یہ جہلا کا کام نہیں۔ اور ان نام نہاد علماء نے ہی اللہ کے بندوں کو بہکایا جن سے لاتعلقی کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ "یعنی جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ در گروہ ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ حکیم صاحب نے اپنی تقریر میں اس امر کی متعدد مثالیں دیں کہ ان علم والوں نے کس طرح اللہ کے احکامات کا انکار کیا ہے۔

آپ نے بتایا کہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے: لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ان کا جنت میں جانا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گزر جانا۔ مالک بطور تعجب فرماتا ہے کہ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ "اللہ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اس بات کی گواہی دے چکے کہ بیشک رسول برحق ہیں، اور جنکے پاس کھلی نشانیاں آچکیں۔ اللہ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔" یہ ہدایت انہی کو ملا کرتی ہے جو اسکی طلب رکھتے ہیں: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ "اللہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ ہدایت حبشہ کے بلال، فارس کے سلمان اور روم کے صہیب رضی اللہ عنہم کو مل گئی مگر نبی ﷺ کے سگے چچا کو نہیں ملی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ اس کے بندے اس کی طرف توجہ کریں مگر یہ لوگ ہیں دھیان نہیں دیتے۔ کشمیر و بالاکوٹ کا زلزلہ ان کی بند آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا مگر انہوں نے پھر بھی اپنے رب سے تعلق نہ جوڑا، پہلے ہی کی طرح غافل پڑے ہوئے ہیں۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ "جس چیز کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی، اسے انہوں نے بھلا دیا" تو پھر تیار رہیں اس سے شدید عذاب کے لیے۔ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ "ان سے کہو کہ زمین میں سیر کر کے دیکھو کہ تم سے پہلے کے لوگوں کا کیا انجام ہوا (کیوں وہ تباہ و برباد کر دیے گئے؟ اس لیے کہ) ان کی اکثریت مشرک ہو گئی تھی۔"

حکیم صاحب نے حاضرین پر زور دیا کہ وہ ایمان خالص پر جم جائیں جس پر ان کے مالک کی رحمتیں برسیں گی: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا .... "جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر مستقیم ہو گئے تو ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے نزول کرتے ہیں تمہارے لیے کسی خوف و غم کا موقعہ نہیں، اور خوشخبری لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم دنیا میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لیے وہ کچھ جس سے تمہارے جی خوش ہو جائیں اور وہ بھی جو تم چاہو، یہ معاف کرنے والے رحم کرنے والے رب کی طرف سے مہمان نوازی ہے۔"

اللہ ہم سب کو اس کا مصداق بنائے۔ آمین

مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے تقریر کی۔ جسے بہت دلچسپی سے سنا گیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا پڑھ کر آپ نے اپنے مخصوص انداز میں دین فروش مولویوں اور پیروں کی مال بٹورنے کی حرکتیں بیان کیں اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے دور کرنے کے لیے ان کے پھیلائے گئے کفریہ شرکیہ عقائد و نظریات بیان کرتے ہوئے ان کی مال کی ہوس اور بہانے بہانے سے لوٹ مار کو اجاگر کیا۔ اس باغیانہ روش پر ملنے والی سزا سے ڈراتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کے حوالے سے جہنم کی ہولناکیاں اور عذاب کی شدتیں سامعین کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے طویل خطاب

کیا جس کے بعد پورے علاقے کی ضیافت کی گئی۔

فجر کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع کے حوالے سے درس دیا۔ آپ نے تلاوت شدہ آیات کی روشنی میں امت کے اندر پائے جانے والے بگاڑ کی نشاندہی کی اور احمد بن حنبل و دیگر مسلکی اکابرین کی تحریروں کے حوالے دیتے ہوئے سامعین پر واضح کیا کہ یہ تحریریں ہی گمراہی کا سبب بنی ہیں: آج جو کفریہ شرکیہ عقائد پائے جاتے ہیں اور جتنا کتاب اللہ کا انکار ہو رہا ہے، وہ سب ان تحریروں کی وجہ سے ہے۔ آپ نے ان باطل عقائد و نظریات کا کتاب و سنت سے تقابلی جائزہ بھی پیش کیا اور حاضرین پر زور دیا کہ ایمان اس بات کا متقاضی ہے کہ ان طواغیت سے مکمل برأت کی جائے: جب تک ان کی محبت و عقیدت دل کے نہاں خانوں میں کہیں پوشیدہ رہے گی، ایمان اس وقت تک معتبر نہیں ہوگا، اعمال کی کوئی قیمت نہ ہوگی، اللہ کا غیظ و غضب بھڑکے گا اور تباہی مقدر بن جائے گی۔

ناشتے کے بعد قافلہ رکنی واپس آ گیا۔ یہاں کی بکرا پیڑی میں محمدی گل صاحب نے دعوت الی اللہ کی تقریر کی جسے بہت بڑے مجمعے نے بڑی توجہ سے سنا اور لٹریچر بھی کافی تقسیم ہوا۔

ازاں بعد شہر کے مرکزی چوک پر منور سلطان نے تقریر کی۔ سننے والوں کی ایک بڑی تعداد وہاں جمع ہو گئی تھی۔ آسان اور سادہ الفاظ میں لوگوں کے سامنے آج کے فرقوں میں پائے جانے والے کفریہ و شرکیہ عقائد و باطل نظریات کو کھول کر بیان کیا گیا۔ اسی مقام پر امیر تنظیم نے بھی تقریر کی اور فرقہ و مسلک پرستی، اکابر و مقابر پرستی اور طاغوت پرستی کا کھل کر رد کیا۔

نزدیک واقع اپنی مذکورہ مسجد میں تھوڑی دیر ٹھہر کر قافلہ لورالائی کے لیے آگے روانہ ہو گیا۔ یہاں سے دوسرے اضلاع کے ساتھی واپس چلے گئے۔ حکیم رمضان صاحب بھی واپس ترنڈو چلے گئے تھے۔

لورالائی کے راستے میں آنے والے کنگری اور مختر کے شہروں میں ٹھہر کر لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ بیان مدنی کے ساتھ عازم علاقے میں ظہر عصر ملا کر پڑھی گئیں اور شام کے وقت لورالائی شہر پہنچے۔ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں شہر کے دو چوکوں پر محمدی گل صاحب اور زاہد خان نے پشتو میں تقاریر کیں۔ دونوں جگہوں پر بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے بڑی دلچسپی سے سنا اور لٹریچر بھی لیا۔

رات کا قیام ایک ساتھی کے دوست کے مکان پر کیا گیا جہاں بجلی غائب تھی۔ موم بتی کی روشنی میں کھانا پکایا اور کھایا گیا۔ فجر کے بعد منور سلطان نے سورۃ حم سجدہ کی آیات إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا پر درس قرآن دیا۔ درس میں ایمان پر استقامت اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہنے اور خندہ پیشانی سے آزمائشیں برداشت کرنے کی ہدایت کو اجاگر کیا گیا اور اس پر ملنے والے انعامات کو بیان کیا گیا۔

ناشتے کے بعد قافلہ اگلے شہر قلعہ سیف اللہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں تقریباً دس بجے پہنچ کر دو مختلف چوکوں پر محمدی گل اور نیاز اللہ صاحبان نے تقاریر کیں اور لوگوں کو کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان خالص قبول کرنے کی دعوت دی۔ دونوں جگہوں پر لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی۔

یہاں سے قافلہ مسلم باغ روانہ ہوا جہاں زاہد خان نے تقریر کی۔ یہاں بھی سامعین کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ پولیس والے بھی آگئے اور یہ کہہ کر تنبیہ کرنے لگے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر یہاں پابندی ہے۔ تھانیدار رکنی میں تعینات رہ چکا تھا اس لیے ساتھیوں سے واقف تھا۔ اس نے بجائے کسی کاروائی کے جس کی دھمکی دوسرے پولیس والے دے رہے تھے، چائے ٹھنڈے سے تواضع کرنا چاہی جس سے ساتھیوں نے معذرت کر لی۔

اس کے بعد قافلہ خانوزئی پہنچا۔ یہ بہت ٹھنڈا علاقہ ہے جہاں ہوا خنک اور پانی اتنا سرد تھا کہ نہانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس کے نواح میں رک کر ظہر و عصر کی صلوٰۃ ادا کی گئی اور کھانا کھایا گیا۔ خانوزئی شہر میں [illegible]ند صاحب نے دعوت الی اللہ دی جسے لوگوں نے بڑی توجہ سے سنا۔ سامعین کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ تو سڑک پر ہی بیٹھ کر پورے انہماک سے تقریر سن رہے تھے۔ یہاں کے ایک میڈیکل اسٹور کے مالک نے دعوت سے اتفاق کیا اور مزید لٹریچر بھیجنے کے لیے اپنا پتہ لکھوایا جو کراچی پہنچ کر بھجوا دیا گیا۔

یہاں سے قافلہ پشین روانہ ہوا۔ پشین شہر میں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں محمدی گل صاحب نے تقریر کی جسے اتنی بڑی تعداد نے سنا کہ راستہ بند ہو گیا۔ یہاں کے ساتھی شریف صاحب کے گھر پر قافلے نے قیام کیا جس کی ضیافت اور آرام آسائش کے لیے میزبان نے خصوصی انتظام کر رکھا تھا حتیٰ کہ ساتھیوں کے غسل کے لیے اپنے گھر کو خالی کروا دیا۔ یہاں عشاء کے بعد نیاز اللہ صاحب نے سورۃ الاحقاف کی ابتدائی آیات کے حوالے سے تقریر کی۔ ساتھیوں کے علاوہ محلے پڑوس کے بھی کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ درس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب بھی دیے۔

فجر کے بعد منور سلطان نے چوتھے پارے کی آخری آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ...... الخ پر درس دیا اور سامعین کو بتایا کہ تحریم و تحلیل کے اختیار صرف اللہ کے پاس ہیں جنہیں اس نے کسی کو بھی تفویض نہیں کیا؛ مولویوں اور پیروں کا اپنی مرضی سے کسی چیز کو حرام اور کسی کو حلال کر دینا رب ہونے کا دعویٰ کرنا ہے جیسا کہ حیلے سے یوسف لدھیانوی نے سود کو اور رضا خاں بریلوی نے فاحشہ عورت کی کمائی کو حلال کر دیا ہے۔ مقرر نے حوالوں کے ساتھ ان واقعات کو سامعین کے سامنے پیش کیا۔

اس کے بعد کچھ انتظامی امور طے کیے گئے جن میں پشین کی مسجد کے لیے ایک پلاٹ کا سودا کیا گیا اور عرائض نویس کے ذریعے ایک بیع نامہ تیار کروا کر فریقین کے دستخط کروائے گئے۔ اسکے بعد قافلہ کوئٹہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں یارو شہر میں محمدی گل صاحب نے اور کچلاک شہر میں نیاز اللہ صاحب نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں۔ ظہر کے بعد قافلہ کوئٹہ پہنچا۔ یہاں میزان چوک پر محمدی گل صاحب نے تقریر کی جسے ایک بڑے مجمعے نے سنا۔ کوئٹہ میں دوسری اور دورے کی آخری تقریر عصر کے بعد سریاب روڈ پر منور سلطان نے کی جسے لوگوں کی کثیر تعداد نے دلچسپی سے سنا۔ ہر تقریر میں کھل کر باطل پر ضرب لگائی گئی اور عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا۔ ہر تقریر کے بعد بڑی تعداد میں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔

بعد مغرب یہاں سے بلوچستان کے ساتھی واپس چلے گئے اور امیر تنظیم بھی رفقاء کے ہمراہ بذریعہ بس کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔

گیارہویں توحید و سنت کانفرنس

اس پروگرام کی رپورٹ پہلے موصول نہ ہو سکی جس کے سبب پچھلے شماروں

میں قارئین اس کی تفصیلات نہ پڑھ سکے۔ ساتھیوں کی معلومات کے لیے اسے تاخیر سے شائع کیا جا رہا ہے۔

گیارہویں سالانہ توحید وسنت کانفرنس گزشتہ سال ستمبر کی پہلی اور دوسری تاریخ کو امریکی ریاست ٹیکساس (Texas) کے شہر ڈلاس (Dallas) میں ہوئی۔ ہر سال کی طرح امسال بھی کانفرنس کا انتظام مقامی ہوٹل میں کیا گیا تھا جہاں شرکاء کانفرنس کے قیام کے لیے کمروں کے علاوہ ایک کانفرنس ہال بھی حاصل کرلیا گیا تھا۔ امریکی ریاستوں فلوریڈا (Florida)، میساچوسس (Massachusetts)، مسوری (Missouri)، الی نوئی (Illinois)، اور ٹیکساس سے ساتھی جمعرات سے ہی آنا شروع ہوگئے تھے۔ حسب معمول پروگرام کا آغاز صلوٰۃ الجمعہ سے ہوا جو مسوری سے آنے والے ڈاکٹر تحسین خالد نے پڑھائی۔ کھانے کے وقفے کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

پہلی تقریر ڈلاس کے ساتھی عمران قیصر صاحب نے کی۔ آپ نے سورہ احقاف کی ابتدائی بارہ آیات کے حوالے سے حاضرین کانفرنس کو بتایا کہ آخری رسول محمد ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی خالص بندگی کی دعوت دی اور شرک سے بچنے پر زور دیا۔ آپ کی دعوت کا لب لباب یہی تھا کہ بندگی صرف ایک اللہ ہی کی ہوگی اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے گا۔ مذکورہ آیات میں مشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے کہ انہوں نے الٰہ واحد کے مقابلے میں جو جھوٹے اور خودساختہ الٰہ بنا رکھے ہیں، جو ان کے زعم باطل میں ان کے کارساز اور مشکل کشا ہیں، انہوں نے زمین وآسمان میں ایک ذرہ بھی اگر تخلیق کیا ہو تو بتایا جائے؛ وہ تو خود اپنی تخلیق میں بھی اللہ کے محتاج تھے! یہ جھوٹے معبود تو اپنے پیروکاروں کی ہر دعاء والتجا، ان کی لگائی جانے والی ہر دہائی وپکار، ان کے نام دی جانے والی نذرونیاز، ان سے کی جانے والی استعانت و استمداد، وغیرہ سب سے غافل ہیں! کیسی نادانی کی بات ہے کہ ایسی بے حیثیت و بے اختیار ہستیوں کو داتا و دستگیر بنالیا جائے، ان سے آرزوئیں والتجائیں کی جائیں، ان سے منت ومرادیں مانگی جائیں، ان سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ قرآن پکار پکار کر ان شرکیہ افعال کی نفی کرتا ہے۔ ستم ظریفی کا عالم ہے کہ جس نبی کی زبانی یہ اعلان کروایا جائے کہ میں کسی دوسرے کے لیے تو کیا، خود اپنے نفع نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا، اسی کو مختار کل بنادیا جائے، اسی سے مانگا جانے لگے، اس کو اللہ کی ذات وصفات، حقوق واختیارات میں شریک ٹھہرالیا جائے! شرک ناقابل معافی گناہ ہے لہٰذا اس کی ہر شکل سے خبردار رہا جائے اور توحید باری تعالیٰ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

عمران صاحب کی طویل تقریر کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی اور صلوٰۃ العصر کے وقفے کے بعد فلوریڈا کے ساتھی ارشد ظفر صاحب نے تقریر کی۔ آپ نے سورہ نساء کی آیت ۳۰ کو اپنا موضوع بنایا جس میں بتایا گیا ہے کہ صلوٰۃ صرف ایمان والوں ہی پر فرض ہے۔ مقرر نے قرآن کی مختلف آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتایا کہ جس شخص کا ایمان درست نہ ہو، شرک سے آلودہ ہو، اس پر صلوٰۃ سمیت کوئی بھی عبادت فرض نہیں۔ عبادت انہی لوگوں سے مطلوب ہے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں مومن کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ نے شرکاء کانفرنس پر زور دیا کہ ایمان والوں کو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیے کہ فلاح یاب مومنوں کی صفات میں شامل ہے؛ فرقہ ومسلک پرست پیشہ ور مولویوں کے پیچھے پڑھ کر ضائع نہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل مسجدوں کے امام کسی نہ کسی فرقے ومسلک سے وابستہ ہوتے ہیں جن کے عقائد قرآن وحدیث سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ مقرر نے مختلف مسالک کی کتابوں کے حوالے سے ان کے باطل عقائد ونظریات کی مثالیں سامعین کے سامنے پیش کیں جن کی موجودگی میں ایمان خالص نہیں رہتا اور نتیجتاً ان پر نماز فرض نہیں رہتی اور جب شرک کی موجودگی میں ان پر نماز فرض ہی نہیں تو ان کے پیچھے پڑھی بھی نہیں جاسکتی کہ یہ ایک بیکار عمل ہوگا بلکہ مشرک کو اپنا امام بنانے کی وجہ سے اللہ کے غیظ و غضب کو بھی دعوت دینا ہوگا۔ مزید یہ کہ یہ فرقہ پرست مولوی سارے کے سارے پروفیشنل ہوگئے ہیں جنہوں نے دین کو ذریعہ معاش بنالیا ہے، جو کہ قرآن وحدیث کا انکار ہے؛ لہٰذا قرآن وحدیث کا انکار کرنے والے کو اپنا امام کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ احبار ورہبان، علماء ومشائخ یا مولویوں اور پیروں کے متعلق سورہ توبہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے ہیں۔ ایسے دین فروشوں سے دور رہ کر اپنے ایمان ومال کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اس تقریر کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی جس میں شرکاء نے زیادہ تر باجماعت صلوٰۃ کے متعلق سوالات کیے جن کے تفصیلی جواب دیے گئے۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا اور تادیر سوال وجواب بھی ہوتے رہے۔

دوسرے روز ظہر تک انفرادی مطالعے اور group discussion کی نشستیں ہوتی رہیں۔ ظہر کے بعد عمران قیصر صاحب کی دوسری تقریر ہوئی جس کا عنوان ایمان وتقویٰ تھا۔ سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں بیان کیے گئے متقیوں کے اوصاف کی وضاحت کرتے ہوئے مقرر نے بتایا کہ سچے مومن اللہ پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں؛ ایمان بالغیب یہی ہے کہ اللہ کی ذات وصفات، حقوق واختیارات، احکامات وقوانین، روز آخرت، حشر وحساب، سب پر اعتقاد رکھا جائے۔ ایمان بالغیب کے ساتھ ساتھ صلوٰۃ قائم کرنا، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، آخرت کی جوابدہی سے ڈرنا بھی ان کے اوصاف میں شامل ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے بتایا گیا کہ فلاح یاب ہونے والے ہیں۔ مقرر نے مزید بتایا کہ قرآن جس نے فلاح وکامرانی کا یہ پروگرام دیا ہے، ہر شک وشبے سے بالاتر کتاب ہے جو تمام عالم کے لیے پیغام ہدایت ہے؛ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جس کے بعد کوئی اور کتاب اترنے والی نہیں جس طرح محمد ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آنے والا۔ لہٰذا اس کتاب کو اچھی طرح غور سے پڑھنا چاہیے اور اس میں سمجھ بوجھ پیدا کرکے اس کو اپنی زندگی پر نافذ کرنا چاہیے۔ انہوں نے بتایا کہ مسلک پرست لوگ اپنی فرقہ وارانہ شخصیات کے حصار میں مقید رکھنے کے لیے باور کراتے ہیں کہ قرآن بہت مشکل کتاب ہے، اس کا سمجھنا محال ہے جب تک اسلامی علوم کی سند حاصل نہ کی جائے۔ انہوں نے قرآن کی چودہ سے زیادہ آیات کے ذریعے بتایا کہ یہ سوچ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن مجید بہت آسان ہے اور آسان زبان میں پڑھنے سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ قرآن میں کلیات وقوانین کو وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے اور خاص طور پر ایمان کے مسئلے کو تو کھول کھول کر بتلادیا ہے کہ شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہدایت کی اس کتاب کو تعویذ گنڈوں کی کتاب میں بدل دیا گیا ہے جس کو خود مفسر قرآن ﷺ نے شرک بتایا ہے۔ قرآن کی حامل اس امت نے اسے تعویذ گنڈوں، ٹونوں ٹوٹکوں، جھاڑ پھونک کے ساتھ ساتھ قرآن خوانی، ایصال ثواب، محفل میلاد، قسموں حلفوں تک محدود کردیا ہے۔

بقیہ آخری صفحہ پر

سلسلہ سوال و جواب

از افادات ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

سوال: مردے پر سلام نہیں بھیجا جاتا تو پھر مردے پر السلام علیکم یا اھل القبور کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: مُردوں پر اس طرح سے سلام نہیں بھیجا جاتا کہ قبرستان جانے والے سے یہ کہا جائے کہ فلاں مردے کو میرا سلام کہہ دینا بلکہ ان مردوں کو سلام صرف اس طرح ہے کہ قبرستان میں داخل ہوتے وقت مسنون دعا پڑھ لی جائے جسے مسلم نے روایت کیا ہے: اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ ”مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والوں پر سلامتی ہو، اللہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔“ یا پھر وہ دعا پڑھ لی جائے جو ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ ”اے قبر والو اتم پر سلام ہو، اللہ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے، تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم تمہارے پیچھے ہیں“۔ مگر دونوں دعاؤں میں مردوں کو سنانے کے لیے یہ کلمات نہیں کہے جاتے کیوں کہ مردہ تو سماعت سے عاری ہے۔ ان میں مخاطب کا صیغہ بطور دعا استعمال کیا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے وفورِ جذبات میں ایک سعادتمند بیٹا اپنے فوت شدہ باپ کے احسانوں کو یاد کرکے کہہ بیٹھتا ہے کہ اے میرے باپ! اللہ آپ پر رحم فرمائے کہ آپ نے میری تربیت کرکے مجھے مومن بنادیا، ایمان کی پہچان کرواکر شرک سے بچالیا.........وغیرہ۔ جس طرح یہ کلمات مردہ باپ کو سنانے کے لیے نہیں کہے جاتے اسی طرح وہ دعائیہ کلمات بھی مردوں کو سنانے کے لیے نہیں کہے جاتے بلکہ صرف مسنون دعا کے طور پر کہے جاتے ہیں۔

سوال: کیا قبروں پر یا اپنے والدین کی قبروں پر پھول ڈالنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: قبروں پر پھول ڈالنے کے لیے اس روایت سے جواز نکالا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے دو مومنوں کی قبروں پر پہنچے جنہیں عذاب ہو رہا تھا، ایک کو چغل خوری کے سبب اور دوسرے کو پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ نبی ﷺ نے دو سبز ٹہنیاں ان کی قبروں پر یہ کہہ کر لگادیں کہ مجھے امید ہے کہ جب تک یہ سبز رہیں گی، ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ اس سے تازہ پھول قبروں پر ڈالنے کا جواز نکالنا بالکل باطل ہے۔ نبی ﷺ نے یہ ٹہنیاں صرف صحابہ کرام کی تعلیم کے لیے لگائی تھیں تا کہ یہ بات ان کے ذہنوں میں نقش ہوجائے کہ چغل خوری اور طہارت میں بے احتیاطی عذاب قبر کا باعث بنتی ہیں۔ نبی ﷺ کا یہ معمول تھا کہ کوئی بات زبان سے کہنے کے بعد ہاتھ سے بھی کرکے دکھادیتے تھے تاکہ زبانی تلقین اس عملی مظاہرے سے دل میں راسخ ہوجائے۔ چغل خوری سے اور طہارت کی بداحتیاطی سے بچنے کی زبانی تلقین اس ٹہنیوں والے واقعے سے نبی ﷺ نے صحابہ پر موکد کردی کہ ایک مومن کو چغل خوری سے بچنا چاہیے، پیشاب کے معاملے میں بداحتیاطی نہیں کرنی چاہیے کہ یہ دونوں عذاب کا سبب بنتی ہیں۔ صرف یہ بات ذہن میں بٹھانے کے لیے ٹہنیاں لگائی گئیں ورنہ اگر یہ تخفیفِ عذاب کا نسخہ ہوتا تو صحابہ کرام کا اس پر ضرور تعامل ہوتا جو کہ بہرحال ثابت نہیں۔ مگر یہ جو آج قبروں پر پھول ڈالے جاتے ہیں، پیر و مولویوں کے مزاروں کو پھولوں سے ڈھانک دیتے ہیں تو ان کا عذاب ان پھولوں سے کم نہیں ہوسکتا کہ یہ سارے کے سارے مشرک گزرے ہیں چاہے وہ ان کے داتا صاحب ہوں، اجمیری صاحب ہوں، بختیار کاکی ہوں، نظام الدین اولیاء ہوں، شاہ ولی اللہ ہوں، عبدالحق دہلوی ہوں.........ان کی قبروں پر پھول تو کیا پھولوں کا باغ بھی لگادیں تو ان کے عذاب میں کمی نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے دین کو برباد کیا ہے، قرآن و حدیث کے دین توحید کے متوازی تصوف کے اتحادی دین کو فروغ دیا ہے۔ بہرحال نبی ﷺ کا ٹہنیاں لگانا صرف تعلیم کی غرض سے تھا جیسا کہ پڑھانے والا پڑھاتے وقت کسی بات کو اشکال کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ سننے کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے دیکھ کر وہ بات ذہن نشین ہوجائے۔ اور نبی ﷺ کی اس عمل سے غرض یہی تھی کہ صحابہ کرام یہ بات جان لیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے اعمال بھی عذاب قبر کا سبب بن جاتے ہیں لہٰذا ان سے بچیں۔

سوال: سماع موتی کا قائل مسلمان ہے کہ نہیں؟

جواب: قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی یہ صفت بتائی ہے کہ امنو باللہ و رسولہ جو مومن بندے ہیں وہ ہر اس بات پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کردی اور جو اپنے نبی کے ذریعے امت کو بتلادی۔ اللہ کی کتاب تو بتلاتی ہے کہ جو مرجاتا ہے وہ اموات غیر احیاء ہے، مردہ ہے، اس میں جان کی رمق تک باقی نہیں ہے اور قیامت سے پہلے اس میں روح واپس نہیں آنے والی؛ یہ سننے اور سنانے والے نہیں ہیں۔ قرآن کا بیان ہے کہ مومن بندے بلا چوں و چرا ایمان لاتے ہیں اور کتاب اللہ کی ہر خبر کو صحیح سمجھتے ہیں، کسی ریب و شک کو دل میں جگہ نہیں دیتے۔ سماع کے قائل کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ ان کا ایمان کتاب اللہ کے مطابق نہیں ہوتا۔ یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے۔ عدم سماع کے متعدد دلائل قرآن میں ہیں۔ جو انکو نہیں مانتا اور مردے کے سننے پر اصرار کرتا ہے تو یہ اسکا اپنا معاملہ ہے۔

سوال: امام کعبہ کے پیچھے حج ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: حج کسی کے پیچھے نہیں کیا جاتا۔ حج کا کوئی بھی رکن ایسا نہیں جس میں کسی کی اقتداء کی ضرورت ہو۔ جتنے بھی مناسک ہیں، وہ سب آپ نے خود اپنے طور پر ادا کرنے ہیں۔ ایسا کہیں نہیں آیا کہ یہ مناسک حج اجتماعی طور پر ادا کیے جائیں۔ یہ سب انفرادی طور پر کرنے ہیں۔ ان کے لیے مقام اور وقت تو مقرر ہیں لیکن کرنے سب کو اپنے طور پر ہیں، کسی کی اقتداء کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک صحیح العقیدہ مومن اپنی صلوٰۃ بھی اکیلے پڑھے اگر کوئی مومن ساتھی نہ ہو کیونکہ ان سارے سعودیوں کا اور ان کے امام عبدالوہاب کا عقیدہ ہے کہ سارے اعمال نبی ﷺ پر پیش ہوتے ہیں، درود و سلام نبی ﷺ سن لیتے ہیں.........ایمان کے بعد سب سے عظیم الشان چیز صلوٰۃ ہے۔

اس کو ضائع کرنا اور جس کا ایمان صحیح نہ ہو اس کو اپنا امام بنانا، اللہ کے وقار کو للکارنا ہے۔
اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ایمان کا سودا کیا جائے۔

سوال: کسی کے احترام میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب: احادیث میں آتا ہے کہ علیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ نبی ﷺ آئیں تو ہم ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں مگر ہم جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس عمل کو پسند نہیں کریں گے۔ احادیث سے یہی ملتا ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ نبی ﷺ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

معاویہؓ سے نبی ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ جو یہ چاہے کہ اس کے آنے پر لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اور یہ جو روایت ہے کہ غزوہ خندق کے اختتام پر بنوقریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو اوس قبیلے کے سردار سعد بن معاذؓ کی تعظیم میں کھڑے ہونے کو کہا تو یہ ایک استثنائی معاملہ ہے۔ سعدؓ بنوقریظہ کے حلیف تھے۔ بنوقریظہ نے انہیں اپنا حکم بنایا اور سعدؓ نے یہودیوں کے اپنے قانون کے مطابق فیصلہ سنایا کہ ان کے جنگجو جوانوں کو تہ تیغ کردیا جائے اور باقیوں کو جلاوطن کردیا جائے۔ اس جنگ میں تیر لگنے سے سعدؓ کی شہ رگ سے خون جاری ہوگیا تھا جو ان کی دعا سے دشمنوں کی شکست تک رک گیا تھا۔ اس فیصلے کے بعد پھر سے خون جاری ہوگیا اور اسی سے سعدؓ شہید ہوئے۔ اس غیر معمولی پس منظر میں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو کھڑے ہوکر سعدؓ کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ورنہ قیام استقبال نبی ﷺ کو ناپسند تھا۔

سوال: کیا زندہ پیروں یا گزرے ہوئے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین یا کسی اور کو پکاریں تو یہ حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریاد رسی کرتے ہیں؟

جواب: سورۃ سبا (آیت ۲۲) میں مالک کا فرمان ہے کہ لوگو! اللہ کے سوا تمہارا جن جن کے متعلق گمان ہے ان سب کو پکارلو، ان میں سے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں، نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

سورۃ النحل (آیت ۲۰) میں مالک کا فرمان ہے کہ جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرسکتے، بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں؛ (مرنے کے بعد) وہ مردہ ہیں زندہ نہیں، ان میں تو جان کی رمق تک باقی نہیں اور نہ ہی انہیں یہ شعور ہے کہ کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

سورۃ الاحقاف (آیت ۲۷) میں فرمایا کہ اے نبی! یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کردیں...... اور تباہی سے پہلے ہم نے ان کو طرح طرح کی نشانیاں بیان کردیں تاکہ لوگ رجوع کرلیں۔ پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا...... پھر انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے اور یہ ان کا محض جھوٹ اور بہتان تھا۔

ان آیات میں کسی کا کوئی استثناء نہیں۔ ان میں تمام انبیاء شامل ہیں، تمام فرشتے شامل ہیں، تمام جن شامل ہیں، تمام صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں، سارے امام اور امام زادے شامل ہیں، قبروں میں مدفون ساری ہستیاں شامل ہیں، امت مسلمہ کے سارے پیروں اور مولویوں کے ساتھ ساتھ دیگر تمام قوموں کے سارے راہب، پوپ، پنڈت، پادری، یا ان کے علاوہ جن جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سب کے سب شامل ہیں۔ اور اس کے علاوہ سورۃ توبہ (آیت ۸۰) عبداللہ بن ابی کی مثال؛ سورۃ تحریم (آیت ۱۰) میں نوح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور آسیہ (فرعون کی بیوی) کی مثالیں ہیں، سورۃ توبہ (آیت ۱۱۴) میں ابراہیم علیہ السلام کی مثال، یہ سب اس کی نفی کرتے ہیں۔

سوال: کون کونسی نیازیں غیر اللہ کی نذر و نیاز کہلاتی ہیں؟

جواب: قرآن خوانی برقل، تیجہ، ساتا، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سالانہ برسی، ہر جمعرات کا ختم، عید میلاد النبی کا ختم، گیارھویں شریف کے نام پر پکنے والی دیگیں، ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو دیا جانے والا دودھ، خواجہ خضر کے نام پر دیا جانے والا خاص رنگ کا مرغ، مختلف مزاروں اور آستانوں پر مرے ہوئے بزرگوں اور باباؤں کی قربت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دی جانے والی رقوم اور جانوروں کے نذرانے، کھانے پینے کی اشیاء اور چادروں کے چڑھاوے، محرم کے شربت اور حسین کے نام پر لگائی جانے والی سبیلیں، رجب کے کونڈے، پیالے بھرنے، "جناب سیدہ" اور دس بیبیوں کی کہانی، بی بی کی صحنک، وغیرہ جیسی سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کہلاتی ہیں۔

سورہ المائدہ (آیت ۳) میں مالک فرماتا ہے کہ اے ایمان والو: تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مرگیا ہو یا اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو یا سینگ مارنے سے مرا ہو یا جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو۔ لیکن اگر تم اسے ذبح کرڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو یہ سب بدترین گناہ ہیں۔ آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہوگئے، خبردار: تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔ یہ حکم البقرہ: آیت ۱۷۳، الانعام: ۱۴۵ اور النحل: ۱۱۵ میں بھی آیا ہے۔

مسلم کی حدیث میں نبی کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے قربانی دے۔

سوال: شرک میں کون کون سی باتیں آتی ہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ شرک کی مثال ایسے ہے جیسے کالی رات ہو، اس میں کالا پتھر ہو، اس پر کالی چیونٹی ہو...... نبی ﷺ نے فرمایا جس طرح وہ چیونٹی چلتی ہوئی نظر نہیں آتی، اسی طرح شرک تم سے ہوجائے گا اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔

قرآن کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف شرک کی معافی نہیں۔ اور نبی ﷺ کا مسلم کی حدیث میں فرمان ہے کہ اگر کسی شخص نے پوری زمین گناہوں سے بھر دی ہو، لیکن اگر اسے شرک پر موت نہ آئی تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ان سارے گناہوں کے برابر معافی کے ساتھ اپنے اس بندے سے ملاقات کرے گا۔ غور فرمائیں کتنا نازک اور اہم معاملہ ہے یہ۔ سبھی فرقے مانتے ہیں کہ شرک بڑا بھاری ظلم ہے لیکن اس کی وضاحت نہیں کرتے۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یا محمد، یا رسول مدد، یا علی مدد، یا غوث مدد، یا پیر مدد پکارنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مدمقابل، عبدالقادر جیلانی کو دستگیر، علی ہجویری کو داتا، علیؓ کو مشکل کشا، امام بری کو قسمتیں کھری کرنے والا، معین الدین چشتی کو بیڑے پار لگانے والا، نظام الدین اولیا کو غریب نواز، شہباز قلندر کو لجپال، یا ان کے علاوہ انبیاء کرام، شہداء اور صالحین سمیت اللہ کے بندوں، خواہ زندہ ہوں یا مرے۔ ان میں سے کسی کو بھی اللہ کے مقابل کھڑا کرنا یا اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات کا ان میں شائبہ تک کرنا بھی شرک ہی کہلاتا ہے۔ اللہ کے سوا تعویذ، گنڈوں، کڑوں، چھلوں، منکوں، پر توکل کرنا بھی شرک ہے۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز کرنا شرک ہے، نظر بد سے بچنے کے لیے بچے کی پیشانی پر کالی سیاہی لگانا، بچے کے سرہانے چھری یا لوہے کی کوئی چیز رکھنا، مکان و دکان پر کالی ہانڈی رکھنا، گائے بھینس کے سینگ

لگانا، گھوڑے کے نعل دروازے پر آویزاں کرنا، گاڑی کے نیچے جوتی لٹکانا، امام ضامن (کالا کپڑا) باندھنا، یا ان کے علاوہ دیگر سارے ٹوٹکے بھی شرکیہ ہی کہلاتے ہیں۔

سوال: کیا بدعت احسن بھی ہو سکتی ہے؟

جواب: بدعت احسن کوئی چیز نہیں ہے۔ رمضان میں تراویح کی باجماعت نماز سے نکالتے ہیں کہ عمرؓ نے ایسا کیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے نبی ﷺ نے تین راتیں رمضان کے اندر جماعت سے تراویح پڑھائی۔ اس کے بعد چوتھی رات کو صحابہ اتنی تعداد میں آئے کہ مسجد بھر گئی اور رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے۔ اب صحابہ میں سے کچھ لوگ کھانسے کھنکھارے اور کچھ نے صلوٰۃ صلوٰۃ پکارا تاکہ اگر آپ سو رہے ہوں تو جاگ جائیں مگر آپ پھر بھی تشریف نہ لائے۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے نکلے اور نماز کے بعد صحابہ سے مخاطب ہوئے کہ آج رات تمہارا حال کچھ مجھ پر مخفی نہ تھا تمہارے اس اشتیاق کو بھی میں نے دیکھا، لیکن اس خوف سے کہ میں بحیثیت پیغمبر زندہ ہوں وحی آرہی ہے، اس سے پہلے بنی اسرائیل نے ایسی سختی کی ہے کہ اللہ نے جو چیزیں فرض نہیں کی تھیں انہوں نے زبردستی کر کے فرض کروائیں اور پھر نہیں کر پائے تو مارے گئے تم ایک بات میں جو اللہ نے فرض نہیں کی ہے اس طرح سے اپنے شوق کی انتہا دکھا رہے ہو تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے پھر نہ کر پاؤ اور اللہ کے عذاب میں پھنس جاؤ، اس خدشے کی وجہ سے میں نہیں آیا، اس لیے تم اس نماز کو اور دوسری نفل نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو کیونکہ نوافل میں وہی نماز سب سے اچھی ہے جو گھر میں پڑھی جائے بجز فرض نمازوں کے جو مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں (متفق علیہ)۔ اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ عمرؓ کے شروع کے زمانہ میں بھی یہی ہوتا رہا۔ پھر ایک رات عمرؓ مسجد نبوی میں آئے اور دیکھا کہ لوگ الگ الگ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں تو کہیں تھوڑے سے لوگ کھڑے ہیں جو جماعت سے پڑھ رہے ہیں۔ تب انہوں نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ میں ان سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دوں۔ آپ ﷺ کی سنت ہے کہ آپ نے تین دن تک باجماعت پڑھائی ہیں۔ اب آپ ﷺ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اس لیے ان کے فرض ہو جانے کا خطرہ بھی موجود نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابی بن کعبؓ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا تاکہ ایک جماعت ہو۔ پھر دوسری رات کو جب آتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو عبدالرحمٰن بن القاری جوان کے ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے یہ دیکھ کر کہا نعمت البدعة هذه (یہ ایک اچھی بدعت ہے)۔ یعنی ایک کام جو نبی ﷺ کے بعد کافی عرصے سے نہیں ہو رہا تھا، اس کو جاری کر کے میں نے کتنی اچھی نئی بات کر لی ہے کہ اب مسجد نبوی میں ایک بار پھر ایک ہی جماعت ہو رہی ہے تراویح کے لیے، جیسے اللہ کے نبی ﷺ نے رمضان میں تین راتیں ایک جماعت کرائی تھی لیکن اس خطرہ سے کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے، بند کر دی تھی اور وہ خطرہ اب باقی نہیں رہا۔ لیکن خود نہیں شریک ہوئے تھے اور نہ بہت سے صحابہ جماعت میں شریک ہوتے تھے وہ تہجد کے وقت پڑھتے تھے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ نبی ﷺ کی سنت ہی کا اجراء تھا۔

بقیہ

سنت رسول اللہ ﷺ پر سختی سے کاربند رہا جائے اور اپنے ذمہ داران و امراء کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھتے ہوئے کی جائے۔ تنظیم کے ہر ساتھی پر لازم ہے کہ اللہ کے دین کے لیے قائم اس تنظیم کو مضبوط سے مضبوط بنائیں، وہ کام نہ کریں جس سے اس اجتماعیت میں کمزوری آئے، نظم و ضبط قائم رکھیں تاکہ ہم

جاہلیت کی موت سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ

"............دلائل آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے خدمت گاروں کی تنخواہیں جائز ہیں ان کو ناجائز کہنا در حقیقت انتظام دین کو ناکام کرنے کی ایک سازش ہے کیونکہ جب دین پڑھانے والوں کی تنخواہوں کو ناجائز کہہ کر روک دیا جائے گا تو جن لوگوں کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے وہ مجبوراً یہ کام چھوڑ کر اپنا کوئی دوسرا ذریعہ معاش اپنائیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ دینی تعلیم کم بلکہ بند ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ حق پرستوں کا یہ منصوبہ ہے کہ اسی طریقے سے دینی تعلیم کو بند کیا جائے تاکہ لوگ دین سے دور ہو کر ہمارے پیروکار بن جائیں......" (صفحہ ۵۰۔۵۱۱)

(جاری ہے)

بقیہ

اس کی آیات کو بجائے سمجھنے کے خطاطی کے شاہکار بنانے کے لیے مختص کر لیا ہے۔ ان کے طغرے اور کیلنڈر بنا کر دکان و مکان میں خیر و برکت کے لیے لٹکائے جاتے ہیں۔ یہ سب قرآن کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ اللہ کی رحمت اس کو لٹکانے سے نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے سے آتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے مگر سب سے کم سمجھی جانے والی کتاب بنادی گئی ہے۔ ہم نے خود کو دنیا میں مصروف کر کے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن پڑھنا اور سمجھنا صرف مولوی صاحب کی ذمہ داری ہے وہ جیسے چاہیں ہمیں سمجھا دیں، ہمیں اس میں غور و فکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ انہوں نے اس سوچ کو غلط قرار دیتے ہوئے حاضرین پر زور دیا کہ وہ روزانہ کچھ نہ کچھ وقت قرآن کو ضرور دیں۔

پروگرام کی اگلی اور آخری تقریر سوری کے ساتھی ڈاکٹر تحسین خالد نے سورہ توبہ کی آیت ۳۰ کو موضوع بناتے ہوئے کی۔ انہوں نے بتایا کہ آج خون مسلم کی ارزانی ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں رہی، ان کی حالت سب سے بدتر ہے؛ وہ جو دنیا کے امام بنے آئے تھے، آج مقتدی بننے کے قابل بھی نہیں رہے۔ انہوں نے بتایا کہ سورہ توبہ کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ان پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے نبیوں عزیر و عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر اس کی ذات میں شریک کر ڈالا۔ مگر آج اس امت مسلمہ کا عقیدہ ان **مغضوب علیھم** اور **ضالین** یہودیوں اور عیسائیوں سے بدتر ہے جو کہتے ہیں کہ احد اور احمد کے درمیان صرف میم کا پردہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا جسد زمین کے جس ٹکڑے سے چھو رہا ہے، وہ حصۂ زمین کعبہ اور اللہ کے عرش و کرسی سب سے افضل ہے (بلکہ نبی ﷺ کی جوتی بھی معاذ اللہ عرش الٰہی سے افضل ہے)۔ انہوں نے اور کئی مثالوں سے یہ واضح کیا موجودہ امت مسلمہ کے عقائد دوسرے مذاہب سے زیادہ خراب ہیں اور اسی وجہ سے ان پر ہر سو مار پڑ رہی ہے اور مار بھی وہ رہے ہیں جن کے لیے قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا۔

تقریر کے بعد سوال و جواب کی ایک نشست اور ہوئی جو عصر تک جاری رہی۔ صلوٰۃ العصر کے بعد کانفرنس کا اختتام ہو گیا۔ الحمد للہ پروگرام بہت کامیاب رہا جس میں شرکاء نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے حصہ لیا۔ پہلے دن مجموعی طور سے ۲۷ اور دوسرے دن ۱۴۳ افراد شریک تھے۔

مومن کون؟

ایمان کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری شرط اللہ تعالیٰ نے یہ لگائی ہے کہ وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو شک وشبہ سے بالاتر کرلیں اور پھر اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنے کے لیے اس کے دین کو دنیا میں قائم اور ثابت کرنے کے لے اپنا مال نچھاور کریں۔ اپنی جانوں تک کو پیش کر ڈالیں۔ یعنی یہ لوگ نچلے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ جس چیز کو انھوں نے حق پایا ہے اور جس کو خود اختیار کر چکے ہیں اسی کو قائم کرنے، اسی کو سرفراز اور اسی کو جاری کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں گے۔ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ جس اعتقاد اور عمل نے ان کی کایا پلٹ دی ہے، وہ ساری دنیا کے ساتھ یہی سلوک کرے۔ پھر یہ اپنی زبانیں اسی کوشش میں صرف کریں گے۔ ان کے قلم کی جنبش اس کے لیے وقف ہوگی، اور جس جس چیز کا ان سے مطالبہ ہوتا جائے گا، اس کو پیش کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کے فضل وکرم سے اگر یہ نوبت آجائے کہ میدان قتال میں اللہ کے دشمنوں سے دوبدو ہونا پڑے تو خم ٹھونک کر ان کے مقابل ہوں گے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے گا اور اس کے وعدے کے مطابق یہ فیصلہ انہی کے حق میں ہوگا۔ یہ نقشہ پروردگار عالم ان سچے مومنوں کا پیش کرتا ہے جن کا ایمان اللہ کے یہاں معتبر، پروردگار کی بارگاہ میں قبول اور جس کے بدلے میں مالک کی جنتیں ان کا انتظار کررہی ہیں۔ صرف یہی لوگ اپنے دعوے ایمان میں سچے ہیں۔ انہی مومنوں سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ دنیا میں ان کی کمزوری کو زور وقوت سے، ان کی ذلت کو عزت وسرفرازی سے بدل دے گا اور ان کے ذریعہ کائنات کے معاملات کو سنوارے گا۔ یہ دنیا میں اس کی رحمت کے مستحق، اس کی نصرت کے حقدار اور آخرت میں اس کے قرب سے سرفراز ہوں گے، اور اس کی جنتوں کی سرمدی بادشاہتیں ان کے لیے وقف ہوں گی۔ یہ آیت ہماری دعوت کا محور ہے۔ ہم اللہ کے بندوں کے سامنے یہی ایک بات رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا مالک ایک پروردگار، ایک اللہ ہے۔ اسی نے آسمان کو بنایا اور زمین کو بچھایا ہے، اسی کے ہاتھ میں نفع ونقصان ہے، دینا اور روک رکھنا ہے۔ کسی اور کے پاس کچھ ہے ہی نہیں جو کسی کو دے سکے۔ سب اس کے بندے اس کی مخلوق ہیں اس لیے صرف ایک مالک کے بندے اور غلام بنو، اسی کی فرمانبرداری کرو، اسی کے سامنے سجدہ کیا جائے، اسی کی نذر ونیاز ہو، اسی سے امیدیں وابستہ کرو، اس ہی سے خوف کھاؤ، حاجتوں میں غائبانہ اسی کو پکارو۔ اس کے علاوہ جو بھی ہیں سب لاچار محض ہیں، چاہے وہ پیغمبر اور فرشتے ہوں، جن اور پری ہوں، زندہ اور مردہ بزرگ ہوں، مزارات یا قبے ہوں، قبریں یا آستانے ہوں...... کسی کو داتا، کسی کو حاجت روا، کسی کو مشکل کشا، اور دستگیر نہ مانو۔ (اقتباس: دعوت الی اللہ صفحہ ۸۷)

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَھَمُوْا سَفِیْنَۃً فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْ اَسْفَلِھَا وَ صَارَ بَعْضُھُمْ فِیْ اَعْلَھَا فَکَانَ الَّذِیْنَ فِیْ اَسْفَلِھَا یَمُرُّوْنَ بِالْمَآءِ عَلَی الَّذِیْنَ فِیْ اَعْلَھَا فَتَاذَّوْا بِہٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ یَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِیْنَۃِ فَاَتَوْہُ فَقَالُوْا مَالَکَ قَالَ تَاَذَّیْتُمْ بِیْ وَلَابُدَّ لِیْ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَنْجَوْہُ وَ نَجَّوْا اَنْفُسَھُمْ وَ اِنْ تَرَکُوْا اَھْلَکُوْہُ وَ اَھْلَکُوْا اَنْفُسَھُمْ

(بخاری: کتاب الشھادات، باب القرعۃ فی المشکلات/ کتاب الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ)

"اللہ کی حدود (یعنی گناہوں) پر مداہنت (یعنی نرمی و سستی) دکھانے والے اور ان حدود میں پڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جس نے کسی کشتی کے لیے قرعہ اندازی کر کے اپنے لیے اوپر یا نیچے کے حصے مقرر کر لیے۔ نیچے والوں کو پانی کے لیے اوپر جانا پڑتا ہے جس (کے لیے بار بار آنے) سے اوپر والوں کو ایذا ہوتی۔ (اس اذیت سے بچانے کے لیے) نیچے والوں میں سے کسی نے کلہاڑی لی اور کشتی میں سوراخ کرنے لگا (تاکہ پانی نیچے ہی مل جائے اور اس کے لیے اوپر نہ جانا پڑے)۔ اوپر والے اس کے پاس آئے اور کہا کہ اسے کیا ہوا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ تم کو میرے آنے سے اذیت ہوتی ہے اور پانی تو ضرور ہی چاہیے (اس لیے ایسا کر رہا ہوں)۔ اگر وہ (اوپر والے) لوگ اسے (اس فعل سے) روک دیں تو خود بھی بچیں اور وہ بھی، اور اگر اسے (سوراخ کرنے کے لیے) چھوڑ دیں تو خود بھی ہلاک ہوں اور وہ بھی۔"